رب لا تذرنی فردا و انت خیر الوارثین
حیاتِ وارث
حصہ اول
مصنف جناب مرزا احمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی لکھنوی

یا وارث
حق وارث

حضرت خواجہ
سید عنبر علی شاہ
رثی چشتی اجمیری
رحمۃ اللہ علیہ

فیضانِ نظر

حضرت سید
عبدالسلام
عرف میاں بالکا ابوبک
رحمتہ اللہ علیہ

عرفانِ سلسلہ وارثیہ قادریہ

ایف بی گروپ

عرفان سلسلہ وارثیہ قادریہ کی ایک بہترین کاوش
وارثی کتب اب پی ڈی ایف میں آپ سب وارثیوں کے لیے
منجانب : رمیز احمد وارثی
جو لوگ سلسلہ کی کتب جو پی ڈی ایف والی پڑھنا چاہتے ہیں
تو اس نمبر پر رابطہ کریں۔

923101157013

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ

از تالیفِ لطیف مصدرِ اوصاف ماہرِ رموزِ محبّت

خادمِ بارگاہِ وارثی

جناب مرزا محمّد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی لکھنوی

قیمت فی جلد
دو صد روپے

حق وارث

۷۸۶
۱۰۷

حیاتِ وارث
سوانحِ حیات

فانی فی اللہ باقی باللہ   اٰیَتُہٗ مِنْ اٰیاتِ اللہ

سرکارِ عالم پناہ

حضرت حاجی حافظ سیّد وارث علی شاہ ذکرہ اعظم اللہ
دیوہ شریف، ضلع بارہ بنکی ہندوستان

باہتمام

الحاج فقیر عزت شاہ وارثی
ناظمِ اعلیٰ

ٹرسٹ آستانہ عالیہ وارثیہ
حضرت حاجی حافظ فقیر اکمل شاہ وارثی قدس اللہ العزیز
آستانہ عالیہ وارثیہ چھپر شریف
ڈاکخانہ چنگا بنگیال تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی (پاکستان)

حق وارث

ناشر ـــــــ انشا پرنٹر گاڈی بلڈنگ لاہور
ناظمِ اشاعت ـــــــ ٹرسٹ آستانہ عالیہ وارثیہ
سال اشاعت ـــــــ ۲۰۰۰ء
تعداد ـــــــ ۱۱۰۰
ھدیہ ـــــــ ۲۰۰ روپے

اظہارِ تشکر

ہم اس کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں میاں محمد لطیف سجادہ نشین حضرت داتا گنج بخش رحہ لاہور کے ممنون ہیں، جنھوں نے اپنی انتہائی مصروفیت سے وقت نکال کر اس کتاب کی اشاعت میں خصوصی دلچسپی لی اور کتاب کی اشاعت میں مفید مشورہ سے نوازا۔

جزاک اللہ

کتاب کے ملنے کا پتہ

ٹرسٹ آستانہ عالیہ وارثیہ

حضرت حاجی حافظ فقیر اکمل شاہ وارثی چھپر شریف ڈاکخانہ چنگا بنگیال تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی۔

حق وارث
حق وارث

فہرست مضامین کتاب سعی الحارث فی ریاحین الوارث

ھُوَ الْوَارِثُ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

گو نیاید راز عشق مگوئید و مشنوید   مشکل حکایتیست کہ تقریر میکنند

حضرات ناظرین! اس میں شک نہیں کہ مقربین بارگاہ احدیت کا برجستہ کلام بھی خاص و عام کے واسطے کس قدر مفید اور سود مند ہوتا ہے جن کے معنی خیز مضامین پر تھوڑا غور کرنے سے علاوہ دیگر مفاد کے انسان اپنے خیالات کے عیب و صواب سے بھی خبردار ہو سکتا ہے چنانچہ دیکھتا ہوں کہ یہ مشہور مصرع ہر کس بخیال خویش خبطے دارد' میرے حسب حال اور سراپا میرے خیال کی صحیح تصویر ہے کہ باوجودیکہ مشاہدات سے ہے کہ کسی خاص وجہ سے جن کی نام آوری اور شہرت ہوتی ہے ان کے حالات زندگی لائق مولفین بغیر کسی پس و پیش کے ہمیشہ تالیف فرماتے ہیں۔

لیکن اس کو اپنی بدقسمتی کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ باقتضائے پست ہمتی یا بہ جہت عدم اہلیت ابتدائے سن شعور سے میں نے کبھی تذکرہ نویسی کی جسارت نہیں کی اور میرا ذاتی خیال ہے کہ ذی اقتدار اور سربرآوردہ حضرات کے بھی حالات زندگی لکھنا بہت دشوار ہے اس لئے کہ مورخین نے تاریخ نگاری کے لئے جو قیود و حدود تجویز فرمائے ہیں ان کی کما حقہ تعمیل کرنا آسان نہیں ہے۔

علی الخصوص فقرائے جلیل القدر اولیائے کبیر الشان جو دامن تمنائے عظمت کے ظل عاطفت میں رہتے ہیں، بفحوائے اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قِبَائِیْ ان کی پاکیزہ اور مقدس زندگی کی داستانیں۔ اور ان کے برکات و تصرفات کی حکایتیں قلمبند کرنا دشوار تر بلکہ محالات سے ہے۔

اس لئے کہ ان کے ظاہری معاملات بھی باطنی برکات اور مخصوص تصرفات سے خالی نہیں ہوتے

اور ہم ایسے عوام الناس کے ادراک و قیاس سے باہر ہے کہ ان عزیز القدر ہستیوں کے معاملات کا حقیقی مفہوم سمجھیں اور نہ ہم اس کے اہل ہیں کہ ان کے حالات و واقعات بصراحت نگارش کریں ۔ کیونکہ وہ فرشتہ خصال گو صورتاً تو ضرور بنی آدم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت ان کو اسرار قدرت کی زندہ تصویریں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا البتہ یہ ان مقدس و تاریخ نگار اور مخصوص مؤلفین کا حصہ ہے جن کو مبداء فیاض نے بصیرت کی آنکھیں مرحمت فرمائی ہیں اور محبت کا مارا ہوا دل انکے پہلو میں ہے۔ بقول ..

مرغان قاف دانند آئین بادشاہے باز ارچہ گاہ گاہے بر سر نہد کلاہے

غرض اس قدیم خبط سے ہنوز دماغ متاثر ہے اور تذکرہ نویسی کو جس قدر دشوار جانتا تھا۔ آج تک اسکی اہمیت آج تک ذہن نشین ہے حالانکہ اس پریشان خیالی کی بدولت ایسا نقصان عظیم اٹھایا جس کی تلافی ناممکن ہے کہ یکم صفر ۱۳۲۳ھ کو جب مرشد برحق ہادی مطلق حضرت رہنمائے طریقت آشنائے بحر حقیقت امام الاولیا مخدوم الاصفیا ابوالوقت و عالم پناہ حضرت حاجی حافظ سید وارث علی شاہ اعظم اللہ ذکرہٗ نے جلوت عالم سے خلوت عدم کو پسند فرمایا اور پرستاران بارگاہ وارثی کے ایک کثیر التعداد گروہ نے اپنے آقائے نامدار کے اس فرمان قطعی کے بموجب جو ۱۳۰۸ھ میں ضبط تحریر میں آچکا تھا کسی کو خلیفہ اور جانشین کہنا منظور نہ کیا اور آثار مخالفت کی بنیاد قائم ہوگئی تو میرے صادق مربی حاجی الحرمین جناب شاہ فضل حسین صاحب وارثی زیب دہ سجادہ حضرت شاہ ولایت محمد عبدالمنعم قادری کنز الحق علیہ الرحمۃ نے شاید اس دور اندیشی کے لحاظ سے کہ شیرازہ منتشر ہوگیا ہے، مبادا کہیں دیگر مسائل مشربی میں بھی بجائے اتحاد کے صورت اختلاف و نما ہو ۱۱ ربیع الثانی کو بعد فراغ فاتحہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب میں رخصت طلب ہوا تو ارشاد فرمایا کہ "بیٹھو اور بگوش ہوش سنو کہ وقت بہت نازک آگیا ہے اس لئے بقدر امکان کوشش کرو کہ ہمارے رہنمائے کامل کے ممتاز حالات اور مقدس واقعات اور مفید ہدایات و ارشادات جو اکثر حجاب سماعت حاضرین میں نہاں اور گوشۂ خاطر خدام بامکین میں پنہاں ہیں، لہذا ضرورت اس کی ہے کہ وہ گوہر صدف سینہ زیب تاج سفینہ ہو جائیں تاکہ اس مجموعہ کی ورق گردانی سے ہم حلقہ بگوش سبق آموز ہوں اور وہی مکمل مجموعہ

ہمارے مسلک کا مستقل دستور العمل اور مستند فتاویٰ بھی ہوگا جس سے غلامانِ وارثی اپنے مشربی قیود و شرائط معلوم کرلیں گے اور آئندہ نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گی لیکن ضعف بصارت سے مجبور ہوں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تم اس مجموعہ کو تیار کرو"۔

میں نے بکمال ادب عرض کیا کہ آپ کے حکم کی تعمیل میرے لئے باعث سعادت ہے لیکن افسوس نہ تاریخ نویسی کی اہلیت ہے اور نہ اپنی ضعیف اور محدود معلومات اس لائق کہ ایسی گراں قدر خدمت بجالانے کی جسارت کروں۔ بقول ع بار گراں کجا و من ناتواں کجا۔

ممدوح الشان نے میری ہمت افزائی کے خیال سے فرمایا کہ "تمہاری قلیل معلومات کی اس طرح تکمیل بھی ہوسکتی ہے کہ یہ تو سنا ہوگا کہ یہ فقیر اپنے آقائے محترم ذوالفضل والکرم سے آٹھ سال عمر میں چھوٹا ہے۔ مجھ کو یاد ہے کہ جب سرکار عالم پناہ میرے بڑے چچا سے قرآن مجید حفظ فرماتے تھے تو میں اس وقت شاید پارہ عم پڑھتا تھا آپ ایک سال میں حافظ ہو گئے اور میں ناظرہ خواں ہی رہا اس وقت سے آپ کے حالات و واقعات کا بقدر حیثیت مجھ کو علم ہے اور علیٰ ہذا حضور کے اکثر ملفوظات بھی میرے صفحۂ یاد میں محفوظ ہیں جن سے تم فائدہ اٹھا سکتے ہو اور یہ بھی یاد رکھو کہ جس قدر سیرت وارثی لکھنے میں آج تم کو آسانی ہوگی اسی قدر بعد میرے دشواریاں پیش آئیں گی"۔

میں نے دست بستہ عرض کیا کہ آپ کا یہ ارشاد بہت درست ہے کہ تسلسل اور صحبت کے ساتھ حضور کے سفر و حضر کے حالات سے باخبر صرف آپکی ذات ہے لیکن حالت یہ ہے کہ جب سے آقائے نامدار کے دیدار ظاہری سے محروم ہوا ہوں کسی کام سے دل بستگی نہیں۔ دماغ معطل و بیکار ہے۔ لہذا مستدعی ہوں کہ تھوڑی مہلت مرحمت ہو تاکہ اطمینان سے آپکے فرمان کی تعمیل کروں۔

چنانچہ شاہ صاحب قبلہ نے آبدیدہ ہوکر فرمایا۔ "سچ کہتے ہو کہ اس کام کا بغیر اطمینان کامل خوش اسلوبی سے انجام پانا مشکل ہے۔ بخیر مرضی مولا از ہمہ اولیٰ۔ ہم بھی چراغ سحری ہیں معلوم نہیں سائیں کو کیا منظور ہے"۔

اس قصہ کو صرف پانچ ماہ گزرے تھے کہ ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ کو مالک حقیقی

نے شاہ صاحب ممدوح کو دوسرے عالم میں بلا لیا چنانچہ آپ کے وصال کی تاریخ یہ ہے

بود حق بین و حق پرست و بزرگ　　تا لحد ہم برین روش از عہد

سال ہجری فوت او گفتم!　　آہ فضل حسین منعم عہد
۱۳۲۳ھ

افسوس جناب شاہ صاحب قبلہ کے بعد پھر کوئی ایسا شفیق ناصح نہ رہا جو اس مشرفی خدمت کے واسطے حکماً تاکید فرماتا حالانکہ بہ اقتضاء ارادت خود مجھ کو تمنا تھی کہ حضور قبلہ عالم کے حالات اور ارشادات جو اخوان ملت کے متفرق سینوں میں محفوظ ہیں اُن شاہدان معنی کی مجموعی شان جمال سے میری آنکھیں بھی شرف اندوز ہوں لیکن بہ نہایت عدم اہلیت مجھے یہ ہمت کبھی نہ ہوئی کہ اس مجموعے کے مرتب کرنے کی جسارت کروں بلکہ خیال یہ تھا کہ پرستاران بارگاہ وارثی کی اس کثیر التعداد جماعت میں سینکڑوں لائق مؤلفین اور قابل مصنفین بھی ہیں اور متعدد حق شناس صاحب دید یافت بھی ہوں گے۔ اُن میں سے کوئی بلند حوصلہ اس خدمت کو انجام دے۔

چنانچہ اکثر برادران طریقت نے سیرت وارثی کو مکمل دیکھنے کا جب بے چینی کے ساتھ شوق ظاہر کیا۔ تب تو میں نے ہمیشہ تسکین کے طور پر یہی عرض کیا کہ "دیر آید درست آید" کا مضمون بر بنائے وقت وہ کریم کارساز ہمارے شوق و ذوق پر بندہ نوازی کی شان سے نظر فرمائے گا۔ اسی وقت بمصداق "شنیدہ از غیب دل آید و کارے بکند" ایسا شخص پیدا ہو جائیگا۔ جو اس ضروری خدمت کو انجام دے گا اور انشاءاللہ سیرت وارثی کے مکمل مجموعہ کو دیکھ کر ہماری منتظر آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ لیکن اس مبارک وقت کا انتظار بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ہمارا مذہبی کلیہ ہے "کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا"

لیکن خدا کے فضل و کرم سے تھوڑے عرصہ کے بعد برادران طریقت نے مختلف عنوان سے حضور قبلہ عالم کے حالات و واقعات کے وہ حصے جو ضروری متصور ہوئے قلمبند فرمائے۔ اور جس طرح ہر ایک مؤلف نے پیرایہ جداگانہ اختیار کیا اسی طرح مختلف زبانوں میں یہ رسالے تالیف فرمائے ہیں۔ اگر کوئی اردو میں ہے تو کوئی فارسی میں اور کوئی انگریزی میں۔ چنانچہ پانچ

رسالے ۱۳۳۱ھ سے آج تک زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں اور دو رسالے اسی موضوع پر حضور قبلۂ عالم کے عہد حاضری میں شائع ہو چکے تھے میں نے ان رسالوں کی ورق گردانی کی ہے۔

مگر غلامان وارثی کا یہی تقاضا بدستور ہے کہ سیرت وارثی کی ضرورت ہے اور قرینہ ہے، کہ ناظرین کو بھی حیرت ہو گی کہ باوجودیکہ سات رسالے موجود ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ سیرت وارثی کی اسی شوق کے ساتھ تلاش ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب ان ساتوں رسائل کا خلاصہ نگارش کروں تاکہ ناظرین کو بآسانی اس کا اندازہ ہو جائے کہ لائق مؤلفین کو اس اہم ترین خدمت میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے اور اب جدید سیرت وارثی کی ضرورت ہے یا نہیں۔

چنانچہ پہلی کتاب سیرت وارثی میں "تحفۃ الاصفیا" ہے جس کو حضور قبلۂ عالم کے عہد حاضری میں منشی خدا بخش صاحب وارثی متخلص بہ شائق دریابادی نے تحریر فرمایا تھا اور ۱۳۰۰ھ میں مولوی محمد یحییٰ صاحب وارثی پٹنہ نے انڈین کرانکل پریس واقع بانکی پور میں چھپوا کر سرکار عالم پناہ کی جناب میں پیش کی اور وہ کتاب تحفتہً تقسیم ہوئی۔

یہ کتاب فارسی میں ہے اور بلحاظ نقش اول ہونے کے اپنے عالی خیال مصنف کی اولوالعزمی پر گواہی دیتی ہے کیونکہ مصنف موصوف کو حالات و واقعات کی تلاش اور ان کی جائے وقوع اور انکا زمانہ اور صحت کی تحقیق میں کس قدر دقتیں پیش آئی ہوں گی اس لئے کہ اس وقت جملہ واقعات حجاب خفا میں مستور تھے۔ اس خیال سے اگر منشی خدا بخش صاحب کو مؤلفین سیرت وارثی کا پیشرو اور علمبردار کہا جائے تو بے محل نہ ہو گا۔

سیرت وارثی کے اس پہلے مجموعہ میں علاوہ دیگر خوبیوں کے صحت مضامین کی ایک خاص صفت یہ ہے کہ از بائے بسم اللہ تا تائے تمت جملہ واقعات کو کسی نے شکوک و شبہات کی نظر سے نہیں دیکھا بلکہ عموماً مؤلفین مابعد نے حضور قبلۂ عالم کے ابتدائی حالات اسی کتاب سے اخذ فرمائے ہیں جسکی بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مصنف موصوف سن رسیدہ اور قدیم ارادتمند تھے ممکن ہے کہ اکثر واقعات آپکے چشم دید ہوں اور جو حالات شنیدہ منقول ہیں انکے بھی راوی اس زمانے کے وہی معمر اور سابق الارادت

حضرات ہوں گے جن کی آنکھیں حضور قبلۂ عالم کے ابتدائی عہد ظاہری کی دید سے مشرف تھیں۔ اسی لئے یہ کتاب غلطی کے الزام سے محفوظ ہی۔

لیکن حقیقت یہ ہی کہ اس کتاب کو مقبولیت کا افتخار اور سند کا اقتدار اس وجہ سے حاصل ہوا کہ مصنف ممدوح نے پہلے اس کا مسودہ سرکار عالم پناہ کے حضور میں پیش کیا جس کو جناب حضرت نے مختلف اوقات میں مکرر سہکرر ملاحظہ فرمایا۔ جب خدام نے دیکھا کہ یہ کتاب پسندیدہ ہے تو باصرار تمام طباعت کی منظوری حاصل کی اس لئے نہ اس کی صحت میں عذر ہوا نہ ہوسکتا ہے۔

البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تحفۃ الاصفیا کو لائق مولف نے بیس سال قبل وصال تالیف فرمایا تھا اور اسی زمانہ تک کے حالات اس میں منقول ہیں اس لئے کتاب مذکور کو مکمل سیرت وارثی کہنا موزوں نہیں معلوم ہوتا اور چونکہ مرید خوش عقیدت نے ذوق و شوق میں خامہ فرسائی کی ہی اس واسطے ارادت کے پھولوں کی دلآویز خوشبوئی سے عبارت زیادہ معطر ہے اور مورخانہ طرز کی بے تکلفی اور سادگی کا اثر کم نمایاں ہوتا ہے۔

بہر کیف یہ کتاب باعتبار صحت اپنی نظیر آپ ہی اور بخیال تقدم اس کو قابل قدر کہہ سکتے ہیں لیکن افسوس مکرر اشاعت نہ ہونے سے اب اس کتاب کا کمیاب کتابوں کی فہرست میں نام ہے۔

عین الیقین | دوسری کتاب سیرت وارثی میں "عین الیقین" ہے جس کو حکیم سید مبارک حسین صاحب معروف بہ حکیم سید عبد الآحد شاہ وارثی متخلص بہ تحریر رئیس موضع شاہ ہوسکیہ من مضافات بہار ضلع گیا نے ۱۳۱۲ھ میں تالیف فرمایا۔ یہ کتاب تین باب میں منقسم ہے باب اول میں حالات و واقعات باب دوم میں خرق عادات باب سوم ملفوظات ہیں۔

اس کتاب کے عنوان میں تو ضرور سوانح عمری کی شان ہے لیکن لائق مولف کی اختصار پسند طبیعت نے چند روایات لکھکر اس چار جزو کے رسالہ کو ختم کردیا اسلئے بجائے سیرت وارثی کہنے کے اگر سرکار عالم پناہ کے اٹھاسی سال کے حالات و واقعات کا چھوٹا سا صحیفہ اس کو کہیں تو مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بلکہ قرینہ ہی کہ مولف ممدوح نے اپنے شوق و ارادہ سے یہ کتاب تالیف نہیں فرمائی۔ صرف احباب کے اصرار سے چند واقعات مجتمع کردیئے اس لئے کہ حکیم صاحب قابل اور ذہین اور وسیع النظر

ہونے کے علاوہ بہت طباع اور متین اور صاحب مذاق اور پُرگو شاعر تھے اور تالیف تصنیف میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا اگر آپ سیرت وارثی لکھنے کا عزم بالجزم فرماتے تو یقینی وہ کتاب جامع اور مکمل ہوتی۔ شاید اسی وجہ سے واقعات کی تصحیح و تصدیق کی جانب بھی التفات کم فرمایا کہ کوئی واقعہ ناتمام اور کوئی غیر معروف ہے۔

الوارث

تیسری کتاب سیرت وارثی میں جو شائع ہوئی وہ موسوم بہ "الوارث" ہے جس کو انگریزی میں حاجی غفور شاہ صاحب وارثی حسامی متوطن موضع کرائی پر سرائے ضلع گیا پٹنہ نے حضور قبلۂ عالم کے وصال کے بعد ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء میں مؤرخانہ طرز اور قابلانہ طریق اور فلسفیانہ دلائل کے ساتھ تالیف فرمایا جس کا ترجمہ بھی اسٹیم پریس لاہور میں چھپکر شائع ہوا۔

حالانکہ یہ رسالہ بلحاظ مضامین بہت محدود اور باعتبار ضخامت نہایت مختصر ہے اور مؤلف موصوف نے بخیال آسانی بطور انتخاب چند واقعات قلمبند فرما کر اپنے مختصر رسالہ کو ختم کر دیا ہے لیکن عبارت کی تہذیب اور متانت کے لحاظ سے یہ رسالہ تعلیم یافتہ حضرات کے واسطے خوانِ نعمت ہے مگر یہ بھی ضرور ہے کہ اس چند واقعات کے مجموعہ کو سوانح عمری کہنے میں ہر شخص کو تامل ہوگا اور شاید لائق مؤلف نے بھی اس رسالہ کو سیرت وارثی سمجھ کر شائع نہ فرمایا ہوگا۔ کیونکہ سیاق عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کو ایک مہتم بالشان ہستی کے نام نامی سے آشنا کرانا منظور تھا۔

غرض اس اختصار کے باعث رسالہ مذکور کے مطالعہ سے ان شائقین کی حریص اور مشتاق آنکھوں کو بھی سیری نہیں ہوئی جو رشتہ ارادت و عقیدت کو مضبوط اور استوار کرنے کے واسطے اپنے مرشد کامل کی اٹھاسی سال کی سرگزشت کو اپنا دستور العمل بنانا چاہتے ہیں۔ ا

حیات وارث

چوتھی کتاب موسوم بہ حیات وارث ہے جو ۱۳۲۷ھ میں مولوی مرزا محمد منعم بیگ صاحب وارثی فتحپوری نے تالیف فرمائی اور مطبع حکیم برہم واقع گورکھپور میں چھپ کر شائع ہوئی۔

مرزا منعم بیگ صاحب قدیم بلکہ خاندانی حلقہ بگوش بارگاہ وارثی تھے چنانچہ آپ کے بزرگ اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہہ کر مع اہل و عیال دیوی شریف آئے اور پیشوائے برحق کے ظل عاطفت

میں بود و باش اختیار کی اور دائمی خدمتگزاری کا افتخار حاصل کیا حتیٰ کہ مرزا صاحب موصوف کا انتقال ہو گیا۔ لیکن آپ کی اہلیہ کو جوار ہادی برحق کی مفارقت گوارا نہیں ہوئی۔ ہنوز دیوی شریف میں قیام فرما ہیں۔

مرزا صاحب مرحوم کی اس تالیف منیف کا نام زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ یہ کتاب سرکار عالم پناہ کی مقدس سیرت میں ہے اور درحقیقت مؤلف موصوف نے اس دو سو صفحات کی کتاب کے تقریباً نصف حصہ میں پیشوائے کامل کے وہ مشہور حالات و عادات قلمبند فرمائے ہیں جن میں زیادہ واقعات آپ کے چشم دید اور آپ کے خاندان کے متعلق ہیں۔ خصوصاً حضور قبلہ عالم کی علالت کا حال، علاج کی صراحت، غرہ صفر ۱۳۲۳ھ کا واقعہ جانکاہ تجہیز و تکفین کا ذکر بکمال وضاحت اور بغیر کسی رد و رعایت کے تسطیر فرمایا ہے اور جہاں حضور قبلہ عالم کے طرز معاشرت کا ذکر آگیا ہے وہاں نہایت فصیح اور برجستہ الفاظ میں اس کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ جس کو آپ کا خاص حصہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اور بقیہ نصف حصہ میں یا تو واقعات کی شاعرانہ پیرایہ میں زیادہ صراحت اور غیر ضروری تفصیل ہے یا اپنے تعلقات اور غلامان وارثی کے خدمات کا بے محل ذکر ہے۔ اس لئے اگر بہ نظر تنقیح دیکھا جائے تو اس رسالہ کی نسبت یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب چند واقعات کا مجموعہ ہے جس میں ایک عقیدت شعار حلقہ بگوش نے اپنے شیخ کامل کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف جمیلہ نگارش کئے ہیں۔ اس واسطے بجائے 'حیات وارث' کے اس رسالہ کا 'صفات وارث' نام ہو تو بلحاظ مضامین زیادہ مناسبت ہے۔

مشکوٰۃ حقانیہ پانچویں کتاب سیرت وارثی میں "مشکوٰۃ حقانیہ" ہے جس کو مولوی فضل حسین صاحب وارثی صدیقی متوطن آنولہ نے بہ سعی بلیغ اور بہ اسناد مورخانہ طریق سے ۱۳۳۶ھ میں تالیف فرمایا۔ اور مضامین کی ترتیب میں ایسی غیر معمولی جانفشانی فرمائی جس کی نسبت اگر یہ کہا جائے تو ہرگز بے جا نہ ہوگا۔ کہ غلامان وارثی کے اس کثیر گروہ میں آپ ایک حلقہ بگوش کا یہ ازلی حصہ تھا جس نے اس گرانقدر اور ضروری خدمت کو نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا۔" ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

کیونکہ مؤلفین سیرت وارثی نے حضور قبلۂ عالم کے ابتدائے حالات اکثر تحفتہ الاصفیا سے نقل فرمائے ہیں یا جس قدر واقعات چشم دید تھے ان کو قلمبند کیا یا اخوان ملت سے جو سُنے اُن کا مجموعہ اپنی قابلیت سے مرتب کردیا اور اپنی تالیف کو مشہور اور محدود واقعات پر ختم کردیا کسی نے حصول حالات کے لئے تفتیش اور کوشش نہیں کی۔ حالانکہ جس طرح آپ کے صفات عالیہ بے حد و بے اندازہ ہیں۔ اسی طرح وہ مقدس حالات جو مخصوص اور قابل یادگار ہیں وہ بھی لاانتہا اور بے شمار ہیں لیکن ان کی تلاش کے لئے کوشش اور ان کی فراہمی کے واسطے جستجو کرنا یہ بھی آسان نہیں بلکہ بہت دشوار کام ہے۔

مالک حقیقی کی عنایت سے یہ زرین خدمت پہلے صاحب تحفتہ الاصفیا کو نصیب ہوئی مابعد اس قابل افتخار سعادت کا سہرا مولوی فضل حسین صاحب وارثی کے سر پر باندھا گیا کہ وہ نوجوان مرد میدان بن کر اس کوشش کے لئے ہمہ تن مستعد ہوگیا کہ وہ حالات جو مختلف سینوں میں محفوظ ہیں۔ ان کو حاصل کرنے کی جستجو کی جائے۔ چنانچہ اس پرستار بارگاہ وارثی نے اپنی بقیہ عمر اسی سرگردانی میں صرف کردی کہ وہ گوہر معنی دستیاب ہوں۔ حتیٰ کہ وہ جانباز سیرت وارث کا مسودہ کر ہی چکا تھا کہ داعی اجل کو لبیک کہا اور سیرت نویس صاحب سیرت کے جوار عاطفت میں پہنچکر "حیات بعد الممات" کا صحیح معنی میں مصداق ہوا۔ "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ"۔

میرے خیال میں مشکوٰۃ حقانیہ کی مجموعی خوبی کو اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو بیساختہ کہنا پڑیگا۔ واقعی یہ سیرت وارث کا مکمل مجموعہ ہے لیکن افسوس کہ یہ کتاب اپنے عالی خیال مؤلف کے انتقال کے بعد ۱۳۳۶ھ میں حلیہ طبع سے مجلی ہو کر شائع ہوئی۔ اگر مؤلف ممدوح کی نگرانی میں یا کاتی نظر ثانی کے بعد چھپتی تو کم سے کم وہ غیر مربوط الفاظ جن کو اصل واقعہ سے سروکار نہیں ان کی ترمیم ہو جاتی یا وہ غیر مصدقہ واقعات جو توصیف کے پردہ میں توہین آمیز مفہوم کا جامہ پہنے ہوئے ہیں۔ وہ نکل جاتے یا دستاربندی کی سرخی کے تحت میں جو ذکر ناتمام رہ گیا ہے اس کو اسی طرح پورا کیا جاتا جس طرح حضور قبلہ عالم نے اکثر فرمایا ہے اور اس کے سامعین بقید حیات ہیں وغیرہ وغیرہ

اگر یہ چند ستم نکل جاتے تو آج اس لاجواب اور مکمل کتاب کے واسطے ترمیم اور تصحیح کی ضرورت نہ پیش آتی۔

اُنیسویں صدی کا صوفی | چھٹی کتاب کا نام "انیسویں صدی کا صوفی" ہے جس کو نہایت شائستہ انگریزی میں خان بہادر مولوی افتخار حسین وارثی کاکوروی مرحوم رجسٹرار چیف کورٹ لکھنؤ نے تالیف فرمایا۔

باوجودیکہ لائق مؤلف نے بہ نظر اختصار حضور قبلۂ عالم کے بعض حالات وعادات کا ذکر اس رسالہ میں کیا ہے لیکن ہمارے رہنمائے کامل مظہر انوار الٰہی کے ہر ایک معمولی واقعہ میں حقانیت و روحانیت کی غیر معمولی شان ہے اس واسطے قرینہ ہے کہ یہ مختصر مجموعہ لوریپ کے اس بلند حوصلہ طبقہ کے حق میں زیادہ مفید ثابت ہو جو اس وقت مذہب حقہ کا متجسس اور روحانیت کا گرویدہ ہے۔

اس مختصر رسالہ کا تذکرہ سیرت وارثی کے سلسلہ میں نہ کرتا مگر سبب تالیف اس کا ایک معتقد یوروپین کا اشارہ ہے۔ جو زبان حال سے اپنی ارادت کا اظہار اور عقیدت کا اقرار کرتا ہے اور حضور قبلۂ عالم کی عظمت و جلالت کی باواز بلند شہادت دے رہا ہے۔ وہ یہ کہ مسٹر بران ممبر بورڈ جو بنارس کے کمشنر تھے۔ اس زمانہ میں ان کو منجانب اللہ یہ خیال ہوا کہ ہندوستان کی وہ جلیل القدر اور کبیر الشان ہستی جس کی صورت و سیرت شان حقیقت عیسوی کی تصویر اور جس کا نورانی پیکر حقانیت کا مخصوص آئینہ ہے اُس کے حالات زندگی اعلیٰ پیمانہ پر مرتب کرنا ہماری سعادت کا باعث ہوگا لہٰذا اپنے اس خیال کو کامیاب بنانے کے لئے کوشش شروع کر دی جو کتابیں اس مضمون میں شائع ہو چکی تھیں ان کو جمع کیا۔ تقریباً آٹھ دس فوٹو مختلف اوقات کے اس لئے بہم پہونچائے کہ ہر عہد کے واقعات کی تمہید اس زمانہ کے فوٹو سے شروع کی جائے۔ دیویٰ شریف گئے۔ عمارت آستانہ اقدس کا نقشہ طلب کیا۔ تاریخ تعمیر جو کندہ ہے وہ نقل کی سیرت میں جو کتابیں موجود تھیں سب انکو دکھائی گئیں لیکن شاید بجہت عدیم الفرصتی اس خدمت کو جب خود انجام نہ دے سکے تو کسی موقع پر مولوی افتخار حسین صاحب ممدوح سے فرمائش کی کہ تم جناب حاجی صاحب قبلہ کی سیرت میں ایک رسالہ لکھو۔ چنانچہ مؤلف موصوف نے فرمائش کی تعمیل میں یہ رسالہ تالیف فرمایا۔ لہٰذا یہ رسالہ ایک با وقار یوروپین کی ارادت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے میں نے اس کا ذکر کیا اور خیال ہوا کہ گو مختصر الفاظ

میں یہ بعض واقعات کا تذکرہ ہی سہی، مگر سیرت وارثی کا ضمیمہ ضرور ہے۔

جلوۂ وارث ساتویں کتاب سیرت وارثی میں موسوم بہ "جلوہ وارث" ہے جس کو حکیم محمد صفدر علی صاحب وارثی متوطن موضع گدیہ ضلع بارہ بنکی سکونت پذیر بہرائچ نے ۱۹۳۱ء میں تالیف فرمایا۔ حکیم صاحب موصوف انوار وارثی کے قدیم پرستار ہیں۔ بلکہ خاندانی جانثاری اور خدمت گزاری کا شرف و افتخار آپ کو حاصل ہے اور طبیب حاذق ہونے کے علاوہ آپ پابند اوقات ذاکر شاغل اور صاحب کیف بزرگ ہیں۔

مؤلف ممدوح نے اس ۲۸۰ صفحات کے رسالہ میں تمہیداً اور تصریحاً دیگر مضامین بھی تسطیر فرمائے ہیں لیکن دو مضمون زیادہ واضح اور بالتفصیل ہیں۔ سیرت وارثی، جواز خلافت سیرت وارثی کی تشریح میں بعض حالات "تحفۃ الاصفیا" وغیرہ سے نقل کرنیکے بعد لائق مولف نے لکھدیا ہے۔ کہ باقی واقعات میرے چشم دید ہیں۔ اور جواز خلافت میں پہلے نص صریح اور اخبار و آثار سے بحث کی ہے۔ بعدہٗ عقلی دلائل اور تاریخی حوالے دیکر سید محمد ابراہیم صاحب کی سجادہ نشینی ثابت فرمائی ہے۔

گو اس مسئلہ میں ابتدائی حصہ سے مجھے اتفاق ہے لیکن آخری نتیجہ کی نسبت مؤلف موصوف سے ہم خیال ہونے کا شرف مجھکو نہیں حاصل ہے۔ اور نہ اس موقع پر تردید کا محل ہے مگر نہایت ادب کیساتھ یہ ضرور عرض کروں گا کہ مؤلف ممدوح کی اس طویل بحث سے یہ سیرت کی کتاب مناظرہ کی کتاب ہوگئی۔ کاش حکیم صاحب قبلہ سیرت وارثی میں علیحدہ ایک کتاب تالیف فرماتے اور مباحث سجادگی کا رسالہ علیحدہ تصنیف کرتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔ کہ سیرت کے شائقین سیرت کے رسالے سے فائدہ اٹھاتے اور سجادگی کے گرویدہ بحث و استدلال کے مجموعہ کا مطالعہ کرتے اور حکیم صاحب موصوف کے تالیف اور تصنیف کردہ دونوں رسالے اپنے اپنے محل پر مفید اور بکار آمد ثابت ہوتے۔

اور مؤلف موصوف نے جیسا اپنی اس کتاب کے صفحہ ۴۴ میں اعلان فرمایا ہے کہ "واضح رہے کہ ان حالات کو جو دیگر اصحاب تحریر کر چکے ہیں۔ مکرر تحریر کرنا مناسب نہ سمجھکر صرف وہ واقعات

ضروری اور مصدقہ قلمبند کئے جاتے ہیں جن سے لوگ لاعلم ہیں۔" واقعی ممتاز محقق نے ایسا ہی کیا کہ وہ لطائف و معارف تسطیر فرماتے جن سے لوگ لاعلم تھے۔ یعنی جملہ غلامان وارثی حتیٰ کہ آستانۂ اقدس کے حاضرباش، بلکہ خدام خاص اور دیویٰ شریف کے باشندوں کو بھی اس کا علم نہیں ہے کہ صبحی میں پختہ قد پشب نے تھے۔ اور حضور قبلۂ عالم پشت یعنی پشت پر استراحت فرماتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ کیونکہ ان چیزوں کا وجود عالم ظاہر میں تو کبھی تھا ہی نہیں کہ ظاہر بین آنکھیں انکو دیکھ سکتیں۔

بہرکیف اس سرسری تبصرہ سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعض رسائل مذکورۂ بالا کو ان کی معمولی عدم صحت کے علاوہ صرف ان کے اختصار مضامین کے لحاظ سے مبصرین مکمل سیرت وارثی کہنے میں تامل فرمائیں گے البتہ تحفۃ الاصفیا من حیث الصحت ضرور مستند ہے۔ لیکن باعتبار مضامین اس وجہ سے ناتمام ہے کہ وصال سے بیس سال قبل تالیف ہوئی تھی۔ اور مشکوٰۃ حقانیہ بخیال تفصیلی حالات اور کثرت واقعات اسکی سزاوار ہے کہ اسکو سیرت وارثی کا مکمل مجموعہ کہا جائے۔ مگر باعتبار صحت معمولی ترمیم اور تھوڑے اضافہ کی محتاج ہے اور یہ ضرور نقص ہے۔

ان وجوہات سے غلامان وارثی کا یہ تقاضا کہ مکمل سیرت وارثی کی ہم کو ضرورت ہے۔ درست اور بہت درست معلوم ہوتا ہے لیکن اسی کے ساتھ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ایسی صورت کیوں نہ اختیار کی جائے جو مفید بھی ہو اور آسان بھی اور وہ یہ کہ اگر لازمی ترمیم اور ضروری اضافہ کے بعد مشکوٰۃ حقانیہ کی دوبارہ اشاعت ہوسکتی ہو تو یہی کتاب ہمارے واسطے کافی اور بہت کافی ہوگی۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ موجودہ رسائل میں بعض ضعیف اور موضوع روایات اور مضامین کے مطالعہ سے متاثر ہوکر مخصوص اخوان ملت خیال فرماتے ہیں کہ اب مکمل سیرت وارثی کے ساتھ ہم کو اس کی بھی ضرورت پیش آگئی ہے کہ ان واقعات و روایات کی بھی تصحیح بکمال تصریح کردی جائے جن کے لکھنے میں مؤلفین سے لغزش ہوئی ہے۔ حالانکہ زیادہ لغزشیں تو ایسی ہیں جن سے واقعات کی اہمیت کو نقصان نہیں پہنچا لیکن اختلاف بیان اور مشکوک صورت

پیدا ہو گئی یا کسی مؤلف نے بغیر تحقیق کے ایسا قصہ لکھ دیا ہے کہ باوجودیکہ مضر مسلک نہیں مگر خلاف واقعہ ضرور ہے لیکن بعض مولفین نے محدود معلومات کے باعث یا سہواً ایسا بھی کیا ہے کہ ایک واقعہ کا پہلا حصہ تو نقل کیا مگر وہ آخری حصہ محذوف کر دیا جس کو قبلہ عالم نے متواتر ارشاد فرمایا ہے اور اس کے سامعین ہنوز زندہ ہیں یا کسی مؤلف کی عدم واقفیت نے ہمارے مشربی پہلو کو یہ صدمہ پہونچایا کہ وہ امور اور عادات جو سرکار عالم پناہ کے متروکات قطعیہ میں داخل ہیں اُن میں سے کسی امر یا عادت کا وقوع ہمارے پیشوائے کامل کی ذات خجستہ صفات کے ساتھ منسوب کیا۔

لہٰذا ان لغزشوں کی تصحیح اور تردید اگر آج نہ کی جائے گی تو کل یہی رسالے ہمارے مسلک کے سدِ راہ اور مشرب میں رخنہ انداز ہوں گے۔ کیونکہ وہ ارادت شعار جو الوارثؒ کے قدیم پرستار تھے۔ ان سے دنیا خالی ہو رہی ہے۔ چند ہستیاں ایسی باقی ہیں جن کو بلحاظ قدامت جناب حضرت کے حالات سے تھوڑی بہت واقفیت ہے اور انھیں کے ذریعہ سے ہم واقعات کی صحت اور عدم صحت کی تحقیق کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ معمر خداشناس بھی باغ عالم فانی کی سیر کر چکے داعی اجل کو لبیک کہنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ عنقریب وہ زمانہ آرہا ہے کہ یہ قدیم اور مغتنم صورتیں جو آج بزم عالم میں جھلملاتے ہوئے چراغ سحری کی طرح دکھائی دیتی ہیں کل باد فنا کا جھونکا جب ان کو معدوم کر دے گا۔ اس وقت اس تصحیح کا ذریعہ بھی مفقود اور تصریح کا باب مسدود ہو جائے گا اور آئندہ نسلیں انھیں غیر مصدقہ اقوال کی تقلید کریں گے اور حضرت وارث پاک کے صحیح مسلک کے علم اور اس پر عمل کرنے کے فیض سے محروم رہیں گے۔

✓ اس لئے لازمات سے نہیں بلکہ واجبات سے ہے کہ ہم بکمال عجلت اس مشربی خدمت کے واسطے تیار ہو جائیں ورنہ آج جس کو مشکل کہتے ہیں۔ کل اسی مشکل کا مجبوری نام ہوگا اور جو کام آج اہم اور دشوار معلوم ہوتا ہے۔ کل وہی ناممکن اور محال سمجھا جائے گا۔

پس بقول حضرت حافظ شیراز علیہ الرحمۃ سے "در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست" اب مناسب یہی ہے کہ کارساز حقیقی کے بھروسے پر کھڑے ہو جائیں بمصداق "النعمۃ غیر دائمۃ"

من اللہ تعالیٰ۔ بلکہ ہم حلقہ بگوش اس مشرب خدمت میں دوش بدوش کام کریں۔ تاکہ حضور قبلہ عالم کی صحیح اور مکمل سیرت کے مطالعہ سے ہمارے بھولے ہوئے سبق ہم کو یاد ہو جائیں اور بعد میں ہماری آئندہ نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھائیں۔

اخوان امت کی اس خلوص آمیز نصیحت سے اس قدر قلب متاثر ہوا کہ بجز خاموشی کے کوئی جواب نہیں دے سکا۔ اس وجہ سے کہ ایک طرف تو یہ خیال کہ مجھ نااہل سے اس اہم اور دشوار خدمت کی بجاآوری محال ہے۔ دوسری طرف یہ دلخراش تشویش بھی کہ سہواً یا بسبب عدم تحقیق و قلت معلومات مؤلفین ذی صفات سے جو لغزش اور فروگزاشت ہوگئی ہے۔ اسکی تصحیح اگر نہ کی گئی تو واقعی احتمال ہے کہ اتحاد خیالات میں افتراق کی بنیاد قائم ہو جائیگی! اور آئندہ انھیں غلط واقعات کو صحیح مان لیا جائے گا اور اخوان الصفا کیلئے باعث ذلت و ضلالت ثابت ہوگا۔

لیکن خدا کا احسان ہے کہ میرے تخیلات کی اس متضاد کشمکش کو آخرالذکر اندیشہ نے رفع کیا اور منجانب اللہ یہ سمجھ میں آیا کہ اس اختلاف کے سد باب کے واسطے یہ رائے بہت صائب ہے کہ ایک مشرح کتاب میں اس کی تصحیح کر دی جائے کیونکہ درحقیقت بارگاہ وارثی کے حلقہ بگوش عنقریب روپوش ہونے والے ہیں۔ قید ہستی سے آزاد ہو کر دوسرے عالم میں آباد ہو رہے ہیں۔ اور ہماری معلومات کا دفتر ہمیشہ کے لئے بند ہوا چاہتا ہے پس ایسے نازک وقت میں اپنے مسلک کی خدمت میں اس قدر تذبذب اور ضرورت سے زیادہ پس و پیش کرنا یقینی ہوا و ہوس نفسانیہ کی علامت اور تیرے ضعف ارادت کی دلیل ہے۔

اور یہ بھی درست ہے کہ اب سکوت کا محل نہیں ہے! اور حالت موجودہ میں اس قدیم مقولہ کی تقلید کہ ع "ایں کار حکیم و نہ الکار حکیم" صریح غلطی ہے کیونکہ یہ خیال نہ مناسب وقت ہے نہ مفید مطالب بلکہ یہ کلیہ تو تیرے حسب حال ہو ہی نہیں سکتا۔ اس واسطے کہ مفتی طریقت کا جب یہ فتوے ہے کہ تادم آخر شیخ کی خدمت مریدین کا فرض منصبی ہے۔ تو مسلک شیخ کی حمایت اور تحفظ بالمعنی خدمت شیخ ہے۔ لہٰذا بجز اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم اپنی حقیر خدمت، گو

لائق نذر سرکار ہو یا نہ ہو بصد عجز و انکسار پیش کریں۔

حالانکہ بظاہر یہ اندازہ بھی غلط نہیں معلوم ہوتا کہ میری ضعیف واقفیت سیرت نگاری کے بارگراں کو اٹھا نہیں سکتی لیکن اسی کے ساتھ ہم یہ دعویٰ بھی کشادہ پیشانی سے نہیں کر سکتے۔ کہ ہلکا بوجھ ہوتا تو بآسانی اٹھا لیتے۔ کیونکہ مشاہدات سے ہے کہ اکثر معمولی کام ہم سے باوجود کوشش بلیغ کے انجام نہیں پایا۔ اور کبھی غیر معمولی کاموں میں خلاف امید حیرت خیز کامیابی ہوئی اس تجربہ سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کامیابی اور عدم کامیابی ضعیف قوت اور کمزوری پر نہیں موقوف ہے اس لئے ہم کو مجبوراً یہی کہنا پڑے گا کہ اگر توفیق ایزدی اور امداد الٰہی شامل حال ہو تو بڑے سے بڑا اہم و دشوار کام ایک شخص کے ناتواں ہاتھوں سے انجام پا سکتا ہے۔ اور اگر سرکار احدیت نے حمایت نہ فرمائی تو معمولی خدمت کے انجام دینے میں بھی قوی اور زبردست ہاتھ مجبور اور شل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ خدمت ناتمام رہتی ہے۔

پس پہلی صورت ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ کی تفسیر ہے۔ اور دوسری حالت میں خدائے جبار کی صولت و جلالت کا اظہار ہوتا ہے جس کی نسبت حضرت تاجدار اقلیم ولایت نے فرمایا ہے عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ اس واسطے ہر دو حالت میں نہ ہماری ناتوانی حارج ہوتی ہے۔ اور نہ توانائی کام آتی ہے۔ بنانیوالا بھی وہی کارساز حقیقی ہے اور بگاڑنے والا بھی وہی قادر برحق فاعلِ مطلق ہے اسلئے اپنی طاقت اور کمزوری پر بھروسہ در اعتبار کرنا حماقت ہے۔

لہٰذا ہم کو لازم ہے کہ خدمت سرکار عالم پناہ کے لئے آمادہ اور تیار ہو جائیں۔ بقول ع "تن انپکے کار آمدہ بیکار مدار" اگر اس بندہ نواز کی جانب سے پرورش کا آغاز ہوا تو اسی محدود معلومات سے غیر محدود خدمات انجام پا سکتے ہیں۔ اور انہیں کمزور ہاتھوں سے انشاء اللہ سیرت وارثی کا تکملہ ہو جائے گا۔ پس خدا کے بھروسے پر قلم اٹھاؤ۔ اور دل کی زبان سے کہو۔ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی عرض کروں گا کہ اس دیباچہ میں بعض مقام پر سیرت وارثی کے ساتھ

لفظ مکمل جو استعمال کیا گیا ہے اس کی تصریح بھی کر دینا میرا ذاتی فرض ہے لہذا گزارش یہ ہے کہ لفظ مکمل کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ حضور قبلۂ عالم کے حالات کا مجموعہ جو آئندہ تالیف کیا جائے، وہ ۱۲۳۴ھ سے ۱۳۲۳ھ تک اٹھاسی سال کا روزنامچہ ہو جو قطعی ناممکن اور محال ہے۔

بلکہ لفظ مکمل سے مُراد یہ ہے کہ وہ مجموعہ کثرت واقعات سے مملو اور صحت حالات سے بقدر امکان آراستہ ہو اور ضروری تصریح و تشریح اور لازمی تنقید و تنقیح کے علاوہ مؤلف اس کا بھی کافی اہتمام کرے کہ موجودہ رسائل کے اکثر مضامین میں حضرات مؤلفین سے جو ایسی لغزش اور فرو گذاشت ہو گئی ہے۔ جس سے اختلافات کے رونما ہونے کا اندیشہ ہے۔ یا بعض غیر مصدقہ واقعات کا مشربی خصوصیات پر خراب اثر پڑتا ہے انکی ترمیم و تصحیح بھی بعنوان احسن اور مستند روایات کے حوالے سے کر دی جائے، تب وہ مجموعہ اپنی صحت کلی اور کثرت مضامین کے اعتبار سے اس کا مستحق اور سزاوار ہوگا کہ غلامان وارثی اس کو مکمل سیرت وارثی کہیں اور اپنا مشربی دستور العمل سمجھیں۔

چنانچہ یہ ہیچمیرز و ہیچمداں اس گرانقدر خدمت کے لئے محض اس خوف سے آمادہ ہوا کہ ہمارے اتحاد خیالات میں اختلافات کی بنیاد نہ قائم ہو جائے اور نظر غائر سے دیکھا تو یہ اندیشہ اس لئے بے محل بھی نہ تھا کہ سیرت وارثی میں جو رسالے موجود ہیں وہ تصحیح طلب ضرور ہیں۔ بلکہ جو رسالے مختصر مضامین پر ختم ہو گئے ہیں اُن میں غلطیاں بھی کم یا نہیں ہیں اور جو رسالے ضخیم اور حجیم ہیں ان میں غلطیاں کثیر اور فاحش ہیں لہذا اگر امداد خداوندی معاون و دستگیر ہوئی تو دیرینہ غلامان بارگاہ وارثی کے مشورہ سے پہلی کوشش میری یہی ہوگی کہ ان غیر مصدقہ روایات کی مستند طریق سے تصحیح ہو جائے اور اُمید ہے کہ اس کوشش میں مجھ کو ضرور کامیابی ہوگی اس جہت سے کہ آستانہ اقدس کے چند قدیم حلقہ بگوش ابھی بقید حیات ہیں۔

اور دوسری شرط یعنی کثرت حالات و واقعات درحقیقت اس کی بھی ضرورت اسلئے ہے کہ عموماً کثرت مضامین ہی کے لحاظ سے کتاب کو مکمل کہنا زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے

لہٰذا حضور کے قابل یادگار واقعات دو نوع پر منقسم ہیں۔ ایک قسم وہ جو حضور کی زبان مبارک سے سُنے گئے اور دوسری قسم وہ ہے جن کا مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر وقوع ہوا۔

قسم اوّل کی نسبت یہ عرض کروں گا کہ حضور قبلۂ عالم نے بجز ہدایات ضروری یا کسی مسئلہ کی تصریح تو اکثر بکمال وضاحت بیان فرمائی لیکن اپنے سفر و حضر کے واقعات کا تفصیل کے ساتھ بہت کم ذکر کیا ہے اور اگر بسبیل تذکرہ کوئی واقعہ کبھی بیان بھی فرمایا تو بہت مجمل اور مختصر الفاظ میں یا بمصداق "گفتہ آید در حدیث دیگراں" یوں کہ فلاں مقام پر ایک شاہ صاحب کو یہ واقعہ پیش آیا۔ اور اس احتیاط اور استتار کی خاص وجہ یہ تھی کہ مزاج ہمایوں کا یہ انداز تھا کہ نمود و شہرت کے تذکرہ سے ہمیشہ احتراز رہا اس لحاظ سے اوائل زمانہ کے حالات و واقعات کا غلامان حاضر باش کو بھی کافی علم نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے موجودہ رسائل سیرت وارثی اس صفت سے گویا کہ معرا ہیں۔

اور واقعات قسم ثانی کی حقیقت یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً مختلف مقامات پر انکا وقوع ہوا اور وہاں کے حاضرین نے ان کو بچشم خود دیکھا اور ان سے دیگر افراد کو خبر ہوئی جس کی مؤلفین نے اپنی تالیف میں ان کو نقل کر دیا اور ہزاروں اب تک غلامان وارثی کے صندوق سینہ میں محفوظ ہوں گے اس اعتبار سے جدید مجموعہ میں بھی وہی واقعات منقول ہوں گے جن کو مؤلفین سیرت وارثی نگارش کر چکے ہیں۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ مؤلف کی معلومات کے لحاظ سے ان کی تعداد میں کچھ اضافہ ہو جائے گا۔

حالانکہ جس طرح آپ کے صفات بے حد و بے اندازہ ہیں اسی طرح آپ کے قابل یادگار واقعات بھی لاتعداد و لاتحصیٰ ہیں۔ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ قریب قریب روزانہ عجیب و غریب واقعات ظہور پذیر ہوتے تھے۔ جن کا اندازہ موجودہ رسائل سیرت وارثی سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ ہر ایک مؤلف نے اپنی تالیف میں زیادہ واقعات ایسے نگارش فرمائے ہیں جو دیگر تالیفات میں نہیں ہیں۔ اس لئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مؤلفین نے وہی واقعات قلمبند فرمائے جو مشاہدات میں تھے یا اپنے وطن کے دیگر شاہدین سے سُنے تھے۔ اسی لئے قرینہ ہے کہ علاوہ مشہور اور

مطبوعہ واقعات کے ایسے بھی اور سوانح فراہم ہو جائیں جو پرستاران بارگاہ وارثی کے دلوں میں ہنوز مستور ہیں اور ضبط تحریر میں نہیں آئے۔

یہ بھی عرض کروں گا کہ اس مجموعہ میں خوارق عادات کا کوئی عنوان بالالتزام نہ ہوگا۔ اس خیال سے نہیں کہ فلسفۂ مغربی کے فیوض و برکات سے جو حضرات مستفیض ہیں وہ اخبار کشف و کرامت سن کر خلاف نیچر فرمائیں گے۔ بلکہ اس جہت سے یہ ارادہ کیا ہے کہ خرق عادت نہ کوئی ممتاز اور عزیز القدر صفت ہے۔ اور نہ لازمۂ ولایت اور نہ مردان خدا کی ذاتی عظمت و جلالت کے سامنے اس کی کوئی وقعت ہے۔ حتیٰ کہ متقدمین حضرات صوفیہ کرام نے بہ نظر تحقیر اس کو حیض الرجال فرمایا ہے۔ مگر اس کی مجبوری ہے کہ حضور قبلۂ عالم کے روزمرہ کے واقعات کو کوئی شخص اپنے خیال میں خوارق عادات سمجھے۔

بلکہ سنا ہے کہ اکثر سمجھدار اور ہوشیار افراد سرکار عالم پناہ کے بعض واقعات کو کرامت اور خرق عادت سمجھتے ہیں اور یہ مغالطہ ان کو اس وجہ سے ہوا۔ کہ آپ کے صفات عالیہ اس قدر ممتاز اور جلیل الشان ہیں کہ ان کے جلوے اور اثرات جو حضور کے عادات کے حجابات میں نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کی روشنی آنکھوں کو خیرہ کردیتی ہے اور دیکھنے والے بیساختہ پکار اٹھتے ہیں۔ کہ یہ خوارق عادات ہیں۔

اور دراصل واقعہ بھی یہی ہے کہ اس مظہر صفات الٰہیہ کی ایک ایک بات ہزار ہزار خوبیوں سے مملو ہے۔ اور آپ کے معمولی حرکات و سکنات کرشمۂ قدرت نظر آتے ہیں۔ بلکہ چوبیس گھنٹہ کے اقوال و افعال کو اگر بغور و تامل دیکھا جائے۔ تو کشف و کرامت سے بہت زیادہ بلند اور روشن اور عظیم الشان معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ حضور کے فطری اور روزمرہ کے معمولی عادات ہیں۔ مگر ابتدا سے ان کا ظہور اسی شان سے ہوتا رہا۔ اور انکی ہر ادا حیرت افزا اور ہر انداز نمونۂ اعجاز نظر آیا۔ بہرکیف ہر شخص اپنے خیال کا مختار ہے جس کا دل چاہے حضور کی ہر بات کو خرق عادت کہے۔ یا اقتضائے فطرت سمجھے اس میں بحث نہ کرونگا لیکن حضور کے جملہ واقعات

کو خوارق عادات بھی نہ کہوں گا۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ شان امتیاز آپ کے صفات عالیہ میں کس وجہ سے ہے اور صفات جلیلہ کے آثار کا اظہار آپ کے حالات و واقعات سے اس قدر کیوں ہوتا ہے۔ اسکی نسبت ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں۔ ھٰذَا مِنْ مَوَاھِبِ الْوَاھِبِ الْعَطِیَّاتِ کہ یہ عطیات وہبی کی نشانیاں ہیں کہ آپ کے مقدس صفات دیکھ کر خاص و عام کے قلوب ایسے، متاثر ہو جاتے ہیں۔ کہ آپ کی ہر بات اور ہر عادت کو مافوق الفطرت سمجھتے ہیں۔

یا اس علوئ مرتبت اور اظہار عظمت کی وجہ اور حقیقت یہ تھی کہ آپ کا مسلک عین عشق ہے۔ اور عشق کامل کے شرائط و قیود کی آپ نے بدرجۂ اتم پابندی فرمائی اور اسکے مخصوص نتائج کو بہ کمال ضبط و تحمل برداشت کیا۔ اور نہایت استقلال سے ان کو بہ حد کمال پہنچا دیا۔ یعنی ماسوائے اللہ سے دست بردار ہو گئے۔ تعلقات سے انقطاع قطعی کیا۔ خواہشات سے فراغ لذات کا ترک کامل، مجاہدات میں ہمہ تن مصروفیت، عافیت سے کنارہ کشی، نمود و شہرت سے نفرت، جاہ و ثروت سے احتراز کلی، اسباب و تدبیر سے اجتناب، زاہدانہ روش، کریمانہ مزاج، تسلیم کی پابندی، رضا پر راضی، ہر حال میں مسرور، دن رات ایک خیال میں مصروف رہنا، اور ایک ذات سے سروکار رکھنا، یہی اٹھاسی سال تک آپ کا دستور العمل رہا۔

اور اسی مناسبت سے مسترشدین کو بھی محبت کی، ہدایت فرمائی اور آپ کے عشق کامل کے اثرات سے یہ مفید تاکید ایسی موثر ہوئی کہ آپ کا کوئی دست گرفتہ ایسا نہ ہوگا کہ جس کا قلب بقدر استعداد محبت سے مملو نہ ہو۔

اور یہی صورت آپ کے تصرفات میں دیکھی گئی۔ کہ جس شخص نے متبسم لبوں سے ایک بار بات کی وہ تا حیات شمع جمال کا پروانہ رہا۔ اور جس کو ان وحدت شناس آنکھوں نے نظر عنایت سے دیکھا، وہ تفرید کا شیفتہ اور تجرید کا فریفتہ ہوگیا۔

غرض آپکے عشق کامل کی گہری اور تیز روشنی کی وجہ سے آپکے عادات و واقعات، ہدایات و

تصرفات بھی ممتاز اور مرتفع ہوئے اور دیکھنے والوں کی آنکھوں نے اپنی خیرگی کی وجہ سے اگر ان کو خوارق عادت سمجھا تو ایک طور پر وہ بے قصور ہیں۔

لیکن آپ کے عشق کامل کی اس مذکورہ تصریح سے ناظرین کو اگر گونہ تحیر ہوا ہو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ اس مجموعہ میں یہی اخلاقی صفات حضور قبلہ عالم کے حالات میں آپ دیکھیں گے اور قریب قریب جملہ ہدایات کو محبت پر مشتمل پائیں گے اور انہیں مراتب و درجات کے برکات و تصرفات آپکی نظر سے گزرینگے ــــــــــ ایک عذر اور کروں گا کہ حضور قبلہ عالم کے ایسے حالات یا ارشادات جن کا مضمون یا مفہوم بلند ہمارے ادراک سے ہو اور عقلاً و نقلاً جن کی اشاعت بالاعلان مناسب نہ ہو ان کو اس مجموعہ میں نگارش نہ کرونگا۔ اس لئے کہ خلاف آداب شیخ اور منافی احکام صوفیہ کرام و نیز شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ "کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ"۔

یہ امر بھی ناظرین باتمکین کی خدمت میں قابل گزارش ہے کہ خاکسار نے حضور اقدس کے ارشادات جہاں بیان کئے ہیں وہاں حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ خود حضور ہی کے الفاظ لکھوں لیکن اکثر مقام پر مترادفات آ گئے ہوں گے اور یہ بھی ہوا ہو گا کہ اپنی سمجھ اور استعداد کے مطابق ان کو اپنے لفظوں میں ادا کیا ہو گا اپنی اس کمزوری کا اعتراف کرتے ہوئے میں اپنے آقائے نامدار نیز قارئین کرام سے خواستگار عفو ہوں۔ وَالْعُذْرُ عِنْدَ كِرَامِ النَّاسِ مَقْبُوْلٌ۔

اسی کے ساتھ یہ بھی التماس ہے کہ ہیچمداں تمام عمر اپنی عدم اہلیت کا معترف رہا اور بڑھاپے میں یہ جسارت کی کہ اس اہم اور گرانقدر خدمت کیلئے آمادہ ہو گیا مگر مجبوراً نہ صحائف سیرت شارئع میں غیر مصدقہ اور خلاف واقعہ مضامین منقول ہوتے نہ اس کبرسنی میں ایسے دشوار کام کے لئے کھڑا ہوتا جس کا میں ہرگز اہل نہیں ہوں۔ لہٰذا بالخصوص طور پر اخوان ملت کی خدمت گرامی میں یہ استدعا ہے کہ آپ میری غلطیوں کی قلم عفو و کرم سے تصحیح فرمادیں۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ وَبِهٖ نَسْتَعِيْنُ عَلَى التَّتْمِيْمِ۔

آپکا خادم

محمد ابراہیم قیبلہ داری غفرلہ اللہ الکریم۔

سیّد حاجی حافظ وارث علی شاہ

(بارہ بنکی دیوا شریف لکھنؤ)

حق وارث
حق وارث
حق وارث
حق وارث

هو الوارث

شجرۂ قادریہ رزاقیہ وارثیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھم صل علیٰ محمد و علیٰ اٰل محمد و بارک و سلم

یا خدا بہر محمد[1] مصطفیٰ و مرتضیٰ[2] ہم حسین[3] و عابد[4] و باقر[5] جو جعفر[6] مقتدا

کاظم[7] و موسیٰ[8] رضا معروف[9] و سقطی[10] نامدار ہم جنید[11] و شبلی[12] و ہم عبد[13] واحد ذی وقار

بوالفرح[14] ہم بوالحسن[15] ہم بوسعید[16] محترم غوث[17] الاعظم عبدالرزاق[18] و محمد[19] ذی کرم

احمد[20] و سید علی[21] موسیٰ[22] حسن[23] عباس[24] مست ہم بہاؤالدین[25] و ہم سید محمد[26] حق پرست

ہم جلال[27] و ہم فرید[28] و بہر ابراہیم[29] شاہ بہر ابراہیم[30] امان اللہ[31] حسین[32] دین پناہ

ہم ہدایت[33] ہم صمد[34] ہم عبدالرزاق[35] ولی شاہ اسمٰعیل[36] و شاکر[37] ہم نجات اللہ[38] سخی

از پئے خادم علی ہم وارثِ دنیا و دین

المدد شاہا توئی واللہ رب العالمین

هو الوارث

شجرۂ نسبیۂ جدیۂ وارثیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ وّعلیٰ اٰلِ محمدٍ وّبارک وسلّم

المدد و صلِّ علیٰ حضرت محمد مصطفٰے — سیّدہ خاتونِ جنّت فاطمہ فخر النساء

المدد اے سیّد الشہدا شہیدِ کربلا — مست تسلیم و رضا و صبر و حلم و اتقا

المدد اے شاہِ زین العابدین خوش لقا — یادگار فاطمہ ہم یادگارِ مصطفٰے

باقر و جعفر جنابِ موسٰی کاظم رہنما — قاسم و سیّد علی مہدی و جعفر پیشوا

بو محمد عسکری بو القاسم و محمد تقی شاہ — شاہ اشرف شاہ عزیز الدین صاحب دین پناہ

شاہ علاؤ الدین عبد الآد، عبد الواحد نام — عمر زین العابدین سید عمر عالی مقام

عبد الاحد، احمد میراں شاہ کرم اللہ سخی

شاہ سلامت سیّدی قربان علی وارث علی

◎

حق وارث

حق وارث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هو الوارث دائم الحی القیوم

شجرہ شریف قادریہ رزاقیہ وارثیہ

الٰہی سرورِ عالم شاہِ ابرارؐ کا صدقہ
شہنشاہِ مدینہ احمدؐ مختار کا صدقہ

الٰہی میری ہر مشکل میں آسانی عطا فرما
علیؓ مشکل کشا و حیدرِ کرارؓ کا صدقہ

الٰہی راہِ تسلیم و رضا کی خاک کر مجھ کو
حسینؓ ابنِ علیؓ سرچشمۂ اسرار کا صدقہ

دعائے دردِ فرقت مانگتا ہوں ہاتھ پھیلائے
عطا فرما الٰہی عابدؓ بیمار کا صدقہ

الٰہی باقرؓ و جعفرؓ کی دے خیرات تو مجھ کو
امام کاظمؓ و موسیٰ رضاؓ سردار کا صدقہ

تصدق خواجۂ معروف کرخیؒ سری سقطیؒ کا
جنیدؒ و شبلیؒ و عبدالواحدؒ ابرار کا صدقہ

طفیلِ حضرتِ بوالفرح طرطوسیؒ مجھے دینا
علی بوالحسنؒ مست مے اسرار کا صدقہ

الٰہی بوسعیدؒ پیرِ پیران شیخ لاثانی
مہِ برجِ طریقت مطلعِ انوار کا صدقہ

محی الدین شیخ عبدالقادرؒ شاہِ جیلانی
جنابِ غوثؒ کے گلگونۂ رخسار کا صدقہ

شہنشاہِ طریقت عبدالرزاق گدا پرور
شاہ سید محمد سرور و سردار کا صدقہ

الٰہی سید احمدؒ اور شاہ سید علی عارفؒ
جنابِ شاہ موسیٰ قادریؒ سرکار کا صدقہ

حق وارث

حق وارث

حق وارث

شاہ سید حسنؒ اور شیخ ابو عباسؒ کی خاطر
بہاؤ الدینؒ قسیم بادۂ اسرار کا صدقہ

برائے خواجہ سید محمدؒ قادریؒ یارب
مجھے دینا جلالِ قادریؒ سردار کا صدقہ

شاہ میراں فرید بھکر ابراہیم ملتانی
اور ابراہیمؒ بھکر مخزنِ انوار کا صدقہ

سراپا رحمتِ حق حضرتِ شاہِ امان اللہؒ
حسینِؒ حق نما محوِ جمالِ یار کا صدقہ

شاہ عرش آشیانِ شاہِ ہدایتؒ منبع عرفان
محبِ حق حبیب احمد مختار کا صدقہ

جو آنکھیں دیں تو آنکھوں کو عطا کر لطفِ نظارہ
شاہِ عبدالصمدؒ کے دیدۂ دیدار کا صدقہ

دیا ہے دل تو دل میں درد دے اور درد میں لذت
شاہ رزاقؒ کی شیرینیِ گفتار کا صدقہ

گلِ بستانِ زہرہ سید اسماعیلؒ رزاقی
جنابِ شاکر اللہ گوہرؒ شاہوار کا صدقہ

نجاتِ اللہ د حضرت حاجی خادم علی کاملؒ
امیرِ لشکرِ دیں قافلہ سالار کا صدقہ

امام الاولیاء ابنِ علی لختِ دل زہرہؓ
میرے والی میرے وارث میری سرکار کا صدقہ

گدائے عشق ہوں بھر دے میرا دامن مرادوں سے
انہی کی چشمِ مست و گیسوئے خمدار کا صدقہ

ذکاۃِ خوبیِ نقش و نگار روضۂ انور
ملے ایوانِ وارث کے در و دیوار کا صدقہ

یہاں سے مانگنے والا کبھی خالی نہیں پھرتا
اسی روضہ کے ہر زائر کا ہر زوار کا صدقہ

عطا فرما الٰہی اپنے محبوبوں کے صدقے میں
میرے اوگھٹؒ میرے اکملؒ میرے غمخوار کا صدقہ

حق وارث
حق وارث

حق وارث　　حق وارث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھو الوارث دائم الحی القیوم

○

مندرجہ ذیل سلام حضرت شاہ شاکر صاحب قبلہ وارثی نے بحضور قبلہ عالم امام الاولیا حضرت حافظ حاجی وارث علی شاہ صاحب اعظم اللہ ذکرہٗ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا اور مقبول ہوا، شاہ صاحب قبلہ نے اس سلام میں حضور والا کی تعلیمات کا نچوڑ پیش کیا ہے اور یہ سلام حضرت حافظ حاجی اکمل شاہ صاحب قبلہ وارثی کی زبانی بھی اکثر سنا گیا ہے۔

○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

وارثا نخد بیدی بہر رسول عربیؐ　　مدنی القرشی ہاشمی و مطلبی

وارثا انپسے خاتونِ قیامت مدد ے　　پے زہراؓ ثمر باغ رسالت مدد ے

وارثا بہر علیؓ ساقیٔ کوثر مدد ے　　پے مولائے جہاں ساقیٔ کوثر مدد ے

وارثا بہر حسنؓ سبطِ رسولؐ دو جہاں　　عالمِ علم لدن واقفِ اسرارِ نہاں

وارثا بہر حسینؓ ابنِ علیؓ جانِ بتولؓ　　گوہر بحرِ ولایت گلِ بستانِ رسولؐ

وارثا بنما جمالِ خویشتن　　رحم کن برما بحق پنج تنؓ

وارثِ ما نظر ز کرم خویش بکن　　بشنو فریاد و رواحاجتِ درویش بکن

شاکرِ خستہ جگر سوز دروں میخواہد　　بہر نظارۂ تو شوق فزوں میخواہد

○

حق وارث　　حق وارث

هو الوارث

شجرہ چشتیہ، نظامیہ، وارثیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد و بارک وسلم

ربنا بہر محمد مصطفےٰ[1] و مرتضےٰ[2]
ہم حسن[3] ہم عبد واحد[4] ہم فضیل[5] باصفا

بہر ابراہیم[6] ادہم ہم حذیفہ[7] مرعشی
امین الدین[8] علو ممشاد[9] ابو اسحٰق[10] احمد متقی[11]

بہر شاہ بو محمد[12] ناصر الدین[13] ذی وقار
از پئے سلطان مودود[14] و شریف[15] راز دار

بہر عثمان[16] و معین الدین[17] قطب الدین[18] ولی
ہم فرید الدین[19] نظام الدین[20] نصیر الدین[21] سخی

ہم کمال الدین[22]، سراج الدین[23] علم الدین[24] شاہ
بہر محمود[25] و جمال الدین[26] محمد[27] دیں پناہ

ہم محمد[28] بہر یحییٰ[29] ہم کلیم[30] حق پرست
ہم نظام الدین[31] فخر الدین[32] قطب الدین[33] مست

جمال الدین[34] عباد اللہ[35] بلند[36] و خادم[37] عالم پناہ
بہر لطف خویش کن اے وارث ما یک نگاہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

نَحْمَدُ اللّٰہَ الْمُعِیْنَ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْاَمِیْنَ ۔ اَمَّا بَعْد ۔ یہ مجموعہ ایسے فرد فرید صاحب تجرید کی سیرت میں ہے جو پیکر بشری میں اُس بے نام ونشان کا مظہر اتم اور ہم نام ہے جس کی صفت خیر الوارثین ہے ۔

شرف خاندانی دنیا میں ایسی نادر الوجود ہستیوں کا ظہور شاذ و نادر عرصہ دراز کے بعد معزز و ممتاز خاندان میں ہوتا ہے اور اُن کے چشمۂ فیض و برکات سے ہزاروں مردہ دل افراد روحانی آبِ حیات سے سیراب ہوتے ہیں جیسا کہ ہمارے اس عدیم النظیر دستگیر نے سید الکونین خامس آل عبا امام حسین علیہ التحیۃ والثنا کی چھبیسویں پشت میں امام ابن امام، موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی نسل سے نیشاپور کے سادات ذوی الفضائل والبرکات کے خاندان میں بہزار جاہ و جلال ظہور اجلال فرمایا اور تمام عمر یہی کام کیا کہ خاص و عام کو محبت شاہ حقیقی کی ہدایت فرمائی ۔

چنانچہ دیوی شریف کے مقتدر اور ممتاز حضرات کو حضور قبلۂ عالم کے نسبی اعزاز اور خاندانی امتیاز کا پورا اعتراف ہے اور مؤلفین سیرت وارثی کا بھی اتفاق ہے کہ آپ کے اجداد امجاد نیشاپور کے ذی شرف اور صاحب اختصاص سادات تھے ۔ سیّد اشرف ابی طالب جن کو بعض مورخین نے سید اشرف الدین ابی طالب بھی لکھا ہے مع اہل وعیال ہندوستان آئے ۔

جیسا کہ مولانا سید محی الدین رسول پوری جو اسی خاندان کے ایک مقدس عالم اور حضرت مخدوم سیّد علاؤ الدین اعلیٰ بزرگ علیہ الرحمۃ کی چوتھی پشت میں ہیں اپنی کتاب "سیر السادات" فارسی قلمی

مکتوبہ ۱۲۰۱ھ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہلاکو خاں نے جس کو بنی فاطمہؑ سے قلبی عناد تھا ۶۵۶ھ میں جب بغداد فتح کیا۔ اور خلیفہ معتصم باللہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ بلاد وامصار کو تاخت و تاراج کرنے لگا۔ تو آپ کے مورث اعلیٰ سید اشرف ابی طالب علیہ الرحمۃ نے جو اپنے ہمعصر علما میں ذی احترام اور مشائخین وقت کے سردار اور امام تھے مع اہل وعیال ہجرت فرمائی۔ اور نیشاپور سے ہندوستان تشریف لائے۔ اور قصبہ کنتور ضلع بارہ بنکی میں آبادی کے باہر قیام فرمایا اور بعدہٗ وہیں مکان تعمیر کرایا جو مکان اب رسول پور کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس کا صدر دروازہ ہنوز موجود ہے۔ جسکو علاء الدین اعلیٰ بزرگ کا پھاٹک کہتے ہیں۔ کیونکہ سید اشرف ابی طالب کے پوتے سید علاء الدین اعلیٰ بزرگ ہیں جن کا حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی علیہ الرحمۃ کے خلفائے اجل میں شمار ہے۔

علیٰ ہذا صاحب "نجوم السما" صفحہ ۲۰۴ میں سید اشرف ابی طالب علیہ الرحمۃ کی تشریف آوری کا واقعہ "مراۃ الاسرار" سے جو نہایت مستند کتاب ہے نقل فرماتے ہیں کہ "صاحب مراۃ الاسرار آوردہ کہ سید اشرف الدین ابی طالب کہ با یک برادر کہ سید محمد نام داشت در حادثہ ہلاکو خاں از ملک خراسان برآمدہ و دیار ہندوستان رسیدہ و ہم دران تاریخ مسطور است کہ سید اشرف الدین ابی طالب کہ بکمالات صوری و معنوی در قصبہ کنتور مقیم گشت تا آنکہ ازین عالم نقل کرد، بعد از دے سید عزیز الدین پسرش بجائے پدر قائم مقام شد واز وے پسر سید علاء الدین در قصبہ کنتور متولد گشت و بعد از بلوغ انواع علوم صوری و معنوی حاصل کردہ"

الغرض یہ مسلمہ ہے کہ حضور قبلۂ عالم کے جد امجد سید اشرف ابو طالب علیہ الرحمۃ نیشاپور سے تشریف لائے اور قصبہ کنتور میں اقامت پذیر ہوئے۔ وہ صحیح النسب سادات کاظمی تھے۔ اور اپنی سیادت خاندانی کی عظمت وشان کو انہوں نے بکمال احتیاط ہمیشہ محفوظ رکھا

چنانچہ صاحب "لطائف اشرفی" صفحہ ۳۳۳ جلد دوئم مطبوعہ مطبع نصرت المطابع دہلی میں حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ العزیز کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں۔ کہ "چوں در زمان سلطان السلاطین ابراہیم خلد اللہ ملکہٗ در جونپور این فقیر درآمد اکابر واماثر شہر ہمہ بفقیر رابشرف قدوم مشرف ساختند

چوں حضرت میر صدر جہاں از نسب بعضی سادات استفسار کردہ شد، اکثر سادات ہند را مجہول النسب میگفتند، اما بعض سادات را بسیار در صحت نسب ایشاں مبالغہ می کردند، از انجملہ سادات قصبۂ کنتور اسادات معروف النسب در ہندی گفتند"۔

علیٰ ہذا خود حضور قبلہ عالم نے اپنے خاندان کی امتیازی شان کا ذکر مگر بہت سادگی کے ساتھ ان الفاظ میں متواتر فرمایا ہے کہ "ہمارے اجداد نیشاپور کے رہنے والے تھے" اور یہ بھی اکثر فرمایا ہے۔ "ہمارے اجداد نے غیر کفو میں شادی نہیں کی" اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "ہمارے سید واڑہ میں ایک سید بظاہر رند مزاج تھے لوگوں نے امتحان کے طور پر ان کے دامن پر آگ رکھ دی اور دامن نہ جلا۔" یہ بھی اکثر فرمایا ہے۔ کہ ہمارے خاندان کی بیبیاں نذر حضرت فاطمہؓ کی سہنک کھانے جب آتی تھیں تو پہلے ان کو چونہ کھلایا جاتا تھا۔ اگر چونہ کا اثر زبان پر نہ ہوتا تب ان کو سہنک کھلاتے تھے۔"

یہ ملفوظات شاہد صادق ہیں کہ آپ کے اجداد امجاد نیشاپور کے صحیح النسب سادات تھے اور باوجود اس غریب الوطنی کے غیر کفو کی مشارکت سے اپنے خاندان کی شان سیادت کو محفوظ رکھا اور قصبہ کنتور کے قیام کو جب چار صدی سے زیادہ عرصہ ہو گیا۔ تو کسی وجہ سے سید عبدالاحد علیہ الرحمۃ نے اپنی سکونت میں تھوڑی ترمیم فرمائی۔ جیسا کہ صاحب ضمیمہ "سیر السادات" نگارش فرماتے ہیں۔ کہ سید اشرف ابی طالب علیہ الرحمۃ کی آٹھویں پشت میں سید عبدالاحد علیہ الرحمۃ ۱۱۲۶ھ میں قیام کا ارادہ فرما کر کنتور سے دیوی شریف گئے۔ اہالیان قصبہ آپ کی تشریف آوری سے نہایت مسرور ہوئے کیونکہ آپ کے فیوض و برکات کا اطراف و اکناف میں شہرہ تھا۔ چونکہ آپ عالم علوم شریعت بھی تھے اور واقف رموز حقیقت بھی، اس لئے آپ کی ذات مجموعہ صفات سے درس و تدریس کے ساتھ رشد و ہدایت کا فیض بھی جاری ہوا اور ۱۱۴۱ھ ہجری میں میران سید احمد علیہ الرحمۃ دیوی شریف میں پیدا ہوئے۔ اور ان کے صاحبزادے سید کرم اللہ علیہ الرحمۃ تھے جن کے تین صاحبزادے تھے، سید سلامت علی، سید بشارت علی، سید شیر علی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین!

آپ کی والدہ کا نسب سید سلامت علی علیہ الرحمۃ کے دو صاحبزادے ایک کا نام سید خرم علی رح جنکی اولاد بریلی میں ہے اور دوسرے کا اسم گرامی سید قربان علی شاہ علیہ الرحمۃ جو حضور قبلۂ عالم کے پدر بزرگوار تھے اور جن کا عقد نکاح حقیقی چچا سید شیر علی علیہ الرحمۃ کی صاحبزادی سیدہ بی بی سکینہ عرف چاندن بی بی سی ہوا جس بی بی کو خدا نے یہ شرف دیا کہ وہ حضور قبلۂ عالم کی والدہ ماجدہ ہوئیں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ۔

بعض حضرات نے حضور قبلۂ عالم کے خاندانی حالات اور نسبی واقعات مذکورہ میں چند مگر معمولی اختلاف بھی فرمائے ہیں اوّل مؤلف حیات وارث نے صفحہ ۱۱ میں بجائے سید اشرف ابی طالب کے سید اشرف علی ابی طالب تحریر فرمایا ہے جو نہ کسی قدیم مورخ نے لکھا ہے اور نہ میں نے ان نسبی شجروں میں سید اشرف علی مسطور دیکھا ہے جو مختلف عنوان سے اور متعدد صورتوں میں شائع ہوئے ہیں۔

دوم۔ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ حضور قبلۂ عالم کے عم مکرم سید خرم علی علیہ الرحمۃ کا اسم گرامی سید رمضان علی صاحب تھا لیکن میں نے دیکھا ہے کہ ضمیمہ سیر السادات قلمی جس کو بلحاظ قدامت مستند اور معتبر کہہ سکتے ہیں۔ اس میں آپ کے چچا کا نام اقدس سید خرم علی مرقوم ہے۔ البتہ دیوی شریف کے بعض معمر حضرات سے یہ سنا ہے کہ آپ کے پدر بزرگوار حضرت سید قربان علی شاہ علیہ الرحمۃ کا عرف رمضان علی بھی تھا اور بعض مؤلفین سیرت وارثی نے بھی لکھا ہے۔

سوم۔ مضافات دیوی شریف کے بعض حضرات کو حضور قبلۂ عالم کی والدہ مکرمہ کے اسم گرامی اور عرفیت سے تو پورا اتفاق ہے لیکن ولدیت میں اس قدر اختلاف فرماتے ہیں کہ آپ کی والدہ سید اسد علی صاحب رئیس جرواس کی صاحبزادی تھیں چنانچہ حکیم صفدر علی صاحب وارثی مؤلف جلوۂ وارث صفحہ ۵۰ میں دونوں روایات مذکورہ لکھنے کے بعد قول آخر الذکر کی تائید میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب مؤلف نے خود سلطان الاولیا سے دریافت کیا کہ آپکی والدہ کا کیا نام تھا فرمایا کہ سکینہ پھر میں نے پوچھا کہ آپ کا ننہال کہاں تھا؟ فرمایا جرواس میں اور سید شاکر اللہ ہمارے ناناتھے۔

لیکن جناب شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین حضرت شاہ محمد عبد المنعم صاحب قادری کنز المعرفت علیہ الرحمۃ اور جناب صوف شاہ صاحب وارثی قدیم خدمتگزار و مقرب بارگاہ وارثی

و نیز دیگر شرفائے دیوی شریف نے بالاتفاق یہ فرمایا ہے کہ حضور کی والدۂ معظمہ سید شبیر علی صاحب کی صاحبزادی تھیں۔

اب غور طلب یہ امر ہے کہ بظاہر ان دونوں روایتوں میں گو کافی اختلاف ہے۔ مگر ایک طور پر یہ دونوں اقوال کا نتیجۂ آخر متحد بھی ہے کہ یہ دونوں روایتیں زبان حال سے شاہد ہیں کہ آپ کی والدۂ مکرمہ نسل بنی فاطمہ سے تھیں جس سے قبلۂ عالم کی سیادت کاملہ ثابت ہوتی ہے۔

البتہ لائق مؤلف 'جلوۂ وارث' کی نقل کردہ روایت حضور کے آبا و اجداد کی اُس قدیم احتیاط کے ضرور منافی ہے کہ ہمیشہ دوسرے خاندان کی مشارکت سے احتراز قطعی فرمایا اور یہی نگہداشت اس عدیم النظیر اور فقید المثال سیادت نیشاپوری کا خاص طرۂ امتیاز ہے جیسا کہ صاحب لطائف اشرفی صفحہ ۲۱۲ جلد اول حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ کی سیاحت کے سلسلہ میں تسطیر فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم از آنجائے رسیدے بقصبۂ کنتور کردند بخانہ شیخ محمود کنتوری نزدل فرمودند و در خانقاہ شیخ سعد اللہ کیسہ دار آمدند و شرف التقا دریافتند و سادات کنتور نیز چند روز ہر کدامی بنوبت ضیافت کردند بہ نسبت سادات کنتور فرمودند کہ ایں سادات صحیح النسب اند فرمودند کہ با ہر کس از مردم نواحی قرابتے نکنند۔"

بلکہ صاحب 'جلوۂ وارث' کی نقل کردہ روایت حضور قبلۂ عالم کے اُس مشہور اور مُستند ارشاد کے بھی صریح خلاف ہے جس کا ذکر مؤلفین سیرت وارثی نے اپنی تالیفات میں مختلف الفاظ میں کیا ہے اور جس کو حاضرین بارگاہِ وارثی نے بارہا حضور کی زبان مُبارک سے سنا ہے اور جس کو یہ حقیر مؤلف 'منہاج العشقیہ' جلد اول صفحہ ۲۴ مطبوعہ ۱۳۳۰ھ میں نگارش بھی کر چکا ہے کہ حضور نے متواتر فرمایا۔ "ہمارے بزرگ سادات نیشاپور تھے اور ہماری غیر کفو سے مناکحت نہیں ہوئی"۔

لہٰذا یہ عرض کروں گا کہ جس طرح ہم کو سید اسد علی صاحب رئیس جوار اس کے شرف سیادت کا اقرار ہے اسی طرح ہمارا یہ خیال بھی پختہ ہے کہ یہ کاظمی نیشاپوری سیادت جس کا خون ہمیشہ دیگر کی شرکت سے محفوظ رہا ہو۔ اس کا تقاضا یہی ہو سکتا ہے کہ سید قربان علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ

کی مناکحت اپنے حقیقی چچا سید شیر علی علیہ الرحمۃ کی صاحبزادی سے ہوئی ہو چنانچہ مؤلف مشکوۃ حقانیہ نے صفحہ ۴۹ میں بکمال وضاحت لکھا ہے کہ " حضور انور کے پدر بزرگوار سید قربان علی شاہ صاحب تھے جن کا عقد اپنے حقیقی عم مکرم سید شیر علی صاحب کی صاحبزادی سے ہوا اس سلسلہ سے آپ سید سلامت علی شاہ کے پوتے اور سید شیر علی صاحب کے نواسے ہیں "

اب علاوہ دیگر روایات اور مؤلفین سیرت وارثی کی تحقیقات کے ہماری غیرت ایمانی اس کی مقتضی ہے۔ کہ کم سے کم صرف حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمۃ کے اس ارشاد کو بغور دیکھیں کہ " ہرگز با مردم نواحی قرابتے نہ کنند " اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں۔ کہ مخدوم صاحب حقائق و معارف کا یہ مختصر جملہ سن لینے کے بعد ہم کو خیال کرنا لازم ہے۔ کہ سید قربان علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی شادی غیر کفو میں ہونا چاہیئے یا اپنے حقیقی عم مکرم کی صاحبزادی سے، قرینہ ہے کہ ایسے ذی شرف اور محتاط خاندان کے نسبت کوئی سمجھدار ہرگز یہ کہنے کیلئے تیار نہ ہوگا کہ غیر کفو میں،

پھر ہماری ارادت اور عقیدت کا مدار اس پر ہے کہ حضور قبلۂ عالم کے ارشاد کی بصدق دلی تصدیق کریں اور اسکا تیقن ہو کہ آپکا مطہر خون غیر کفو کی آمیزش سے قطعاً پاک ہے۔ اور آپکے اجداد امجاد کی عظمت سیادت ہمیشہ محفوظ رہی جیسا کہ آپکے دیگر ارشادات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ بیدم شاہ صاحب وارثی جن کا اب قدیم فقراء میں شمار ہے، کیونکہ تقریباً چالیس سال سے آپ حامل خرقہ وارثی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ موسم سرما تھا کہ بغرض حصول سعادت قدمبوسی دیوی شریف حاضر ہوا۔ دیکھا کہ حضور قبلہ عالم کمرہ میں استراحت فرما ہیں۔ اور مولوی عبدالحئی صاحب وارثی جگوری پاؤں دبا رہے ہیں میں بھی ایک گوشہ میں بیٹھ گیا حضور نے مولوی صاحب موصوف سے مخاطب ہو کر فرمایا " ہمارے مورث اعلیٰ نے نیشاپور سے ہندوستان آنیکا ارادہ کیا تو پہلے خراسان گئے اور امام رضا علیہ السلام کے مزار اقدس پر ہاتھ رکھکر عرض کیا کہ حضرت ہم ہندوستان جاتے ہیں مگر آپ سے عہد کرتے ہیں کہ کسی حالت میں رہیں، لیکن اپنی عظمت سیادت کو ہمیشہ محفوظ رکھیں گے۔ اور نسب میں داغ نہ لگائیں گے چنانچہ وہی کیا۔ کہ ہمارے اجداد نے غیر کفو میں مناکحت نہیں

کی۔ بلکہ اکثر یہ ہوا ہے کہ خاندان میں کوئی لڑکا نہ ہوا تو کنواری لڑکیاں بوڑھی ہو کر مر گئیں مگر ان کی غیر کفو میں شادی نہیں کی۔ اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ اپنے اعزا میں لڑکی نہ ملی تو مرد بوڑھے ہو گئے۔ لیکن دوسرے خاندان کے سیدوں میں بھی شادی نہ کی اور اپنی سیادت نسبًا پدری کا پورا تحفظ کیا۔"

اور قرینہ ہے کہ حضور قبلۂ عالم کا یہ ارشاد تو اُن غلامان ذاتی نے ضرور بگوش خود سُنا ہوگا۔ جو زیادہ حاضر باش رہتے یا اکثر حاضر ہوتے تھے۔ کیونکہ آپ نے متواتر فرمایا ہے کہ "ہمارے دادا کی شادی ساٹھ سال کی عمر میں ہوئی اور دادی کی عمر اُس وقت چودہ سال کی تھی۔ وجہ اسکی یہ تھی کہ خاندان میں نہ اِدھر کوئی لڑکی تھی نہ لڑکا۔ آخر یہی کرنا پڑا کہ چودہ سال کی لڑکی کی شادی ساٹھ سال کے بوڑھے کے ساتھ کر دی۔ مگر اپنے خون کو دوسرے خاندان کی شرکت سے محفوظ رکھا۔"

حضور قبلۂ عالم کے ان ارشادات کا ایک ایک حرف زبان حال سے شاہد ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد نے اپنے خاندان کی شان وعظمت کو بکمال احتیاط پیش نظر رکھا اور نسب کا وہ تحفظ فرمایا کہ کبھی اور کسی حالت میں غیر کفو کی مشارکت گوارا نہ کی۔ اس اہتمام واحتیاط کو دیکھکر کبھی اس کا وہم وخیال بھی نہیں آسکتا کہ سید قربان علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی شادی دوسرے خاندان میں ہوئی ہو اس لئے معتقد حضرات دیوی شریف کا یہ فرمانا بہت صحیح معلوم ہوتا ہے کہ حضور قبلہ عالم کی والدہ ماجدہ آپ کے دادا کے حقیقی بھائی سید شیر علی صاحب علیہ الرحمۃ کی صاحبزادی تھیں اور آپ کا اچھوتا اور بے داغ شجرہ نسبی یہ ہے جو ضمیمہ سیر السادات سے نقل کرتا ہوں۔

آپ کا شجرہ نسبی (۱) حضرت حاجی حافظ سید وارث علی شاہ اعلی اللہ مقامہ (۲) ابن حکیم سید قربان علی شاہ علیہ الرحمۃ (۳) ابن سید سلامت علی علیہ الرحمۃ (۴) ابن سید کرم اللہ علیہ الرحمۃ (۵) ابن میران سید احمد علیہ الرحمۃ (۶) ابن سید عبدالاحد علیہ الرحمۃ (۷) ابن سید عمر نور علیہ الرحمۃ (۸) ابن سید زین العابدین علیہ الرحمۃ (۹) ابن سید عمر شاہ علیہ الرحمۃ (۱۰) ابن سید عبدالواحد علیہ الرحمۃ (۱۱) ابن سید عبدالاحد علیہ الرحمۃ (۱۲) ابن [illegible]

علاؤالدین اعلیٰ بزرگ علیہ الرحمۃ (۱۳) ابن سید عزالدین علیہ الرحمۃ (۱۴) ابن سید اشرف ثانی طالب علیہ الرحمۃ (۱۵) ابن سید محمد رقی علیہ الرحمۃ (۱۶) ابن سید ابو القاسم علیہ الرحمۃ (۱۷) ابن سید عسکری علیہ الرحمۃ (۱۸) ابن سید ابو محمد علیہ الرحمۃ (۱۹) ابن سید محمد جعفر علیہ الرحمۃ (۲۰) ابن سید محمد مہدی علیہ الرحمۃ (۲۱) ابن سید علی رضا علیہ الرحمۃ (۲۲) ابن سید قاسم حمزہ علیہ الرحمۃ (۲۳) ابن حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (۲۴) ابن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام (۲۵) ابن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام (۲۶) ابن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام (۲۷) ابن حضرت امام حسین علیہ السلام۔ ابن حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثنا زوج سیدۃ النساء فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا بنت حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضور قبلۂ عالم کا یہ نسبی شجرہ مثل شجرۂ طریقت کے غیر معمولی طور پر شائع ہوا بعض اخوان ملت نے اسکو نظم فرمایا۔ بعض نے نثر میں چھپوا کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا۔ بعض مؤلفین سیرت وارثی نے بہ سلسلۂ ذکر نسب یہ شجرہ بھی لکھا ہے۔ چنانچہ صاحب "مشکوٰۃ حقانیہ" نے صفحہ ۱۴ پر یہ شجرہ نقل فرمایا ہے لیکن تعجب ہے کہ باوجود اس شہرت کے لائق مؤلف "مشکوٰۃ حقانیہ" سے یہ صریح لغزش ہوئی کہ حضور قبلہ عالم کے تین نامور اجداد کے اسمائے گرامی سے یہ شجرہ خالی ہے۔ کیونکہ صحیح شجرہ میں آپ کے اجداد امجاد کے نام نامی اس سلسلہ سے ہیں کہ سید کرم اللہ ابن میران سید احمد ابن سید عبد الاحد ابن سید عمر نور۔ ابن سید زین العابدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

مگر مؤلف موصوف نے سید کرم اللہ کے بعد سید زین العابدین کا نام لکھ دیا ہے۔ اور درمیان کے تین اجداد میران سید احمد ابن سید عبد الاحد ابن سید عمر نور کے نام محذوف ہیں۔ یا تو یہ غلطی مؤلف کی تحقیق کی ہے یا کاتب اور تصحیح کرنے والے کی، بہرکیف غلطی ضرور ہے۔ لہٰذا جن حضرات کے پاس "مشکوٰۃ حقانیہ" ہو ان کو چاہیئے کہ ہر سہ نام کا اضافہ فرما کر شجرہ صحیح کرلیں۔

آپ کی ولادت کی بشارت مقربین بارگاہ احدیت کی ولادت باسعادت کی بشارت اکثر مقدس اور ابرار حضرات دیتے ہیں جسکو دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیئے کہ ان کی آمد آمد کا منجانب اللہ اعلان ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا ہمارے حضور قبلۂ عالم کی تشریف آوری کا تذکرہ بھی سینکڑوں برس پہلے اولیائے عظام

نے اپنے اپنے وقت میں فرمایا ہے۔ حتی کہ بکمال شرح وبسط حضور کے صفات و برکات کے ساتھ آپ کے مسلک و مشرب سے بھی خلق کو خبردار کر دیا ہے۔ جن پیشنگوئیوں کو مؤلفین سیرت دارثی تحریر فرما چکے ہیں۔ بلکہ حضرت شاہ سید عبدالرزاق صاحب بانسوی قدس سرہ کی پیشین گوئی اور حضرت شاہ نجات اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کا کشفی ارشاد اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب موحد لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی بشارت کو نہایت وضاحت کے ساتھ صاحب "مشکوٰۃ حقانیہ" نے صفحہ ۱۲ و ۱۳ میں تسطیر فرمایا ہے اور ان بشارتوں کا مطالعہ بھی ناظرین نے ضرور کیا ہوگا۔ اس لئے اب انہیں پیشینگوئیوں کا مکرر اعادہ کرنا۔ بے محل طوالت ہے۔ لہذا بنظر اختصار مگر تھوڑی وضاحت کے ساتھ صرف ایک پیشین گوئی جو بہت مستند اور نہایت مشرح اور واضح ہے اس باب میں نقل کرتا ہوں۔

سید ناظم علی صاحب کنتوری رسول پوری ضمیمہ سیر السادات قلمی میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضور قبلۂ عالم کے جد امجد حضرت میران سید احمد علیہ الرحمۃ جو ۱۱۴۲ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور جب اللہ بزرگوار سے کتب درسیہ میں فراغ حاصل کیا۔ اور قصبہ دیویٰ شریف میں جو اس وقت دارالعلوم تھا سلسلۂ درس و تدریس جاری فرمایا۔ اور چونکہ صاحب حقائق و معارف تھے۔ اس لئے بنظر ہدایت باب علوم طریقت کشادہ تھا۔ اور طالبان حق کو رموز حقیقت سے مستفیض فرماتے تھے۔ ایک روز منہزح الصفات و دلکشدہ کے قریب برلب تالاب چند یاران طریقت سے گرم سخن تھے۔ کہ ایک صاحب باطن درویش نے قریب آ کر آپ سے کہا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ وَعَلٰی وَلَدِكَ الَّذِیْ فِیْ صُلْبِكَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی قَدْ نَوَّرَ سِیْمَآئَہُمْ بِنُوْرِہٖ وَاَشْرَقَ الْاَرْضَ بِظُہُوْرِہٖ فَطُوْبٰی لَكُمْ یَا سَیِّدِیْ میران سید احمد فرمود آرے می بینیم۔ شمیم مشکبارش در چمنستان عالم منتشر و ضیائے حسن و جمالش چوں مہر تاباں منتشر۔ حاضرین صحبت متفسر حال ہوئے کہ ہم کچھ نہیں سمجھے کہ اس بزرگ درویش نے کس فرزند ارجمند کی آپ کو بشارت دی۔ اور آپ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ اگر مضائقہ نہ ہو تو اس اسرار سے ہم کو بھی خبردار کیا جائے۔ و میران سید احمدؒ فرمود کہ حق تعالےٰ مرا فرزندے کرامت فرمود کہ در صلب پنجم از صلب من ظاہر خواہد شد۔ الحق او "نور دیدۂ میران سید احمد" است۔ و "جگر بند میران

سید احمد" است. کہ عدد اسم پاکش بہ ہمیں ہر دو کلمہ بر دل آیند. و اسم او از یکے اسم ذات است و صفات او بیرون از حد و جہات است. مقام علویش پایان ندارد نظام سلوکش کہ شمار در شمعیست در شبستان مصطفوی و سرویست از گلستان مرتضوی۔ منزل فقر کاشانہ او۔ و سر الست خمخانہ او، نیستان عشق را شیر ببر۔ تاجدار اقلیم رضا و صبر۔ در عہد خود از شرق تا غرب متصرف خواہد شد۔ گبر و ترسا یہود و نصاریٰ مسلم و مشرک۔ بلکہ ہر مذہب و ملت را رہبر کامل شدہ۔ ہر یکے را بمرامش خواہد رسانید در اقطار عالم بہر گوشہ کہ می بینیم نشانش می یابم۔ رہبر دان منزل تفرید۔ سالکان وادئ تجرید۔ عزلت نشینان بساط طریقت۔ غواصان قلزم حقیقت، بادہ نوشان میخانۂ محبت۔ سرمستان خمخانہ مودت عقدہ کشایان اسرار معرفت مسند نشینان کاخ مکرمت۔ شہسواران میدان ابتلا۔ سر حلقگان مکتب ولا۔ نظر بازان منزل ناسوت راز داران انجمن ملکوت۔ سر فروشان میدان جبروت مدہوشان بام لاہوت۔ ہمہ حلقہ بگوش آں بادہ فروش خواہند شد"

حضرت میران سید احمد قدس سرہ کا یہ مکاشفہ جو آپ کی قوت روحانی کی بین دلیل ہے۔ اور جس کو صحیح معنی میں حضور قبلۂ عالم کی ولادت باسعادت کا مژدہ اور آپ کی عظمت و جلالت کا جلی خط میں اعلان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ لیکن اس مرد خدا رسیدہ کا بہت بڑا احسان ہے جس نے اکرمیران سید احمدؒ سے کہا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ وَعَلٰی وَلَدِكَ الَّذِیْ فِیْ صُلْبِكَ اور میران سید احمد علیہ الرحمۃ کے ان یاران طریقت کے ہم شکر گزار ہیں جن کے استفسار سے سید صاحب ممدوح الشان نے اپنے اس مکاشفہ کو بکمال وضاحت اظہار فرمایا۔

واقعی مردان حق کا کلام بھی حق ہوتا ہے۔ کہ میران سید احمد علیہ الرحمۃ نے جو فرمایا تھا۔ اس کا بہمہ قیود و صفات ظہور ہوا کہ آپ کی پانچویں پشت میں بایں سلسلہ کہ آپ کے صاحبزادہ سید کرم اللہ علیہ الرحمۃ اور انکے فرزند سید سلامت علیؒ انکے نور دیدہ سید قربان علی شاہ اور انکے لخت جگر سید وارث علی شاہ اعظم اللہ ذکرہٗ منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوئے۔ جن کا وجود باجود اہل عالم کے لئے عین رحمت خداوندی ہے جیسا کہ اس برگزیدہ مرد خدا نے فرمایا تھا کہ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ اِظْہُوْرِہٖ تَطُوْبیٰ لِمَنْ یَا سَیِّدِیْ

لیکن نظر غائر سے دیکھا جائے تو جس طرح یہ مکاشفہ جامع اور معنی خیز، مشرح اور مبسوط ہے اسی طرح یہ بشارت ایک ذات کے واسطے مقید اور محدود بھی اس قدر ہے۔ کہ دوسری ذات کے ساتھ تاویلاً بھی منسوب نہیں کر سکتے۔ اور چونکہ میراں سید احمد علیہ الرحمۃ کی مقدس ہستی مجموعہ صفات اور جامع فضل و کمالات تھی۔ لہٰذا آپ کا وہی مکاشفہ بھی لطائف معارف کا مجموعہ ہے بمصداق کلام الملوک ملوک الکلام ۔

عموماً یہ دیکھا گیا ہے۔ کہ مقربین بارگاہ رب العزت کے مکاشفات سے تاویلاً فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ مثلاً کسی برگزیدۂ خدا نے کسی مصلحت سے فرمایا کہ مغرب میں ایک خدا کا مقبول بندہ پیدا ہوگا جو دینِ الٰہی کی حمایت کرے گا۔ اور جنت کی کنجی اس کے ہاتھ میں ہوگی۔ تو مبشر کی جائے قیام سے مغرب کی سمت ہر مقدس شخص کو اس کے حلقہ بگوش اس بشارت کا مصداق سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن میراں سید احمد علیہ الرحمۃ کے اس مکاشفہ میں اس کی گنجائش نہیں۔ کہ تاویل سے ثابت کیا جائے۔ یا کسی منطقی دلیل سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ اس مکاشفہ کا ابتدائی شرائط و قیود کو پہلے ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

کہ آپ نے یاران موافق کے استفسار کرنے پر فرمایا۔ "حق تعالے مرا فرزندے کرامت فرمود کہ در صلب پنجم از صلب من ظاہر خواہد شد" انہیں دو جملوں میں کس قدر احتیاط اور استحکام سے تاویل کا سدِ باب فرمایا ہے۔ اگر صرف حق تعالے مرا فرزندے کرامت فرمود۔ ارشاد ہوتا تو آپ کی نسل کا ہر فرزند کہہ سکتا تھا۔ کہ یہ بشارت میرے حق میں ہے۔ لیکن آپ کے فقرۂ آخر الذکر سے یہ بشارت مشروط ہو گئی۔ کہ میری پانچویں پشت میں جو فرزند پیدا ہوگا۔ وہ اس بشارت کا مصداق اور ان صفات سے موصوف ہوگا۔

علاوہ اس کے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ بھی اندرونے کشف باطنی ظاہر ہو گیا تھا کہ میری پانچویں پشت میں ایک ہی اولاد نرینہ ہوگی۔ اور وہی ہوا کہ حضرت سید قربان علی شاہ علیہ الرحمۃ کے اگر دو چار لڑکے ہوتے تو اس بشارت کا گمان ہر لڑکے پر ہو سکتا تھا۔ مگر قضا و قدر نے اس

بشارت کو مشتبہ نہیں ہونے دیا۔ بلکہ آپ کی پانچویں پشت میں ایک ہی فرزند ہوا۔ جسکو بغیر کسی شک و شبہ کے اس بشارت کا مصداق سمجھ سکتے ہیں۔

پھر آپ نے نہایت بلیغ بلکہ تعجب خیز یہ جملے فرمائے کہ " او نور دیدۂ میران سید احمد۔ دجگربند میران سید احمد است۔ کہ عدد اسم پاکش بہمیں دو کلمہ بیروں می آید " اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنظر احتیاط آپ نے یہ جملے فرمائے کہ باوجود اس صراحت کے بھی اگر کوئی تاویل کرے تو وہ باطل سمجھی جائے اس لئے کہ ہمارا مقصود اصلی اس مولود مسعود سے ہے۔ جسکے اسم گرامی کے اعداد باقاعدہ ابجد " نور دیدۂ میران سید احمد " کے ہم عدد۔ اور " جگر بند میران سید احمد " کے اعداد کیمطابق ہونگے یعنی ہر دو کلمہ کے اعداد سات سَو سات ہوتے ہیں پس میری پانچویں پشت کے فرزند ارجمند کے نام نامی کے اعداد بھی سات سَو سات ہونگے۔ اور وہی اس بشارت کا مصداق ہوگا۔

ان دو جملوں نے اس پیشین گوئی کو ایسا محدود کر لیا کہ اب کوئی دوسرا شخص اس بشارت سے منسوب نہیں ہو سکتا۔ لیکن ممدوح الصفات نے پھر احتیاط فرمائی تاکہ عوام کو مغالطہ نہ ہو کیونکہ اکثر الفاظ کے اعداد سات سَو سات ہوتے ہیں شاید کوئی لفظ بصورت اسم ہو تو بھی اس کا موسوم اس بشارت کا مصداق نہ سمجھا جائے کیونکہ اس فرزند کے نام نامی کی ایک تعریف یہ بھی ہے " اسم ادیکے از اسم ذات است " یعنی ہمارا فرزند جس نام سے دنیا میں پکارا جائے گا۔ وہ اللہ جل جلالہٗ کے اسمائے مقدسہ میں سے ایک اسم پاک ہوگا۔ کہ شاید کوئی شخص اپنا نام سات سَو سات عدد کا پیش کرے اور سمجھے کہ میں اس بشارت کا مصداق ہوں۔ تو یہ دعویٰ اس کا غلط سمجھا جائے۔ کیونکہ شرط یہ بھی ہے کہ وہ لفظ علاوہ سات سَو سات ہونے کے اسم ذات بھی ہو۔

اب میران سید احمدؒ کے پانچویں پشت کے نور نظر کے نام نامی کی یہ خصوصیت بھی دیکھنا چاہیئے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ کے ننانوے ۹۹ ناموں میں صرف ایک ہی نام " وارث " ایسا ہے جسکے سات سَو سات عدد ہوتے ہیں۔ یہ بھی حضور قبلۂ عالم کی یکتائی کی بین دلیل ہے۔ اور میران سید احمد علیہ الرحمۃ کا ارشاد یقینی صادق مکاشفہ تھا اور اظہار کشف میں یہ لطائف ونکات آپ کے علمی مرتبت کے شاہد

ہیں ۔ اور واقعی بجز اولیائے عظام کے ایسا معنی خیز کلام کسی کا ہو نہیں سکتا

میران سید احمد علیہ الرحمۃ نے اپنی اس پیشین گوئی میں فرزند ارجمند کے نام نامی کی کما حقہٗ صراحت فرما کر اس جلیل القدر نور نظر کے مخصوص صفات اور غیر معمولی فیوض و برکات کا اظہار فرمایا کہ "او نیستان عشق راشیر بر د تاجدار اقلیم رضا و صبر د در عہد خود از شرق تا غرب تصرف خواہد شد، گبر و ترسا، یہود و نصاریٰ، مسلم و مشرک بلکہ ہر مذہب و ملت را رہبر کامل شدہ و ہر یکے را بمراد خواہد رسانید" الحق میران سید احمد علیہ الرحمۃ کے اس مکاشفہ سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اس فرزند کا مسلک عین عشق اور مشرب رضا و تسلیم ہوگا اور حرف بحرف وہی ہوگا جیسا کہ خود حضور نے متواتر فرمایا ہے کہ "ہمارا مسلک عشق ہے" اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "رضا و تسلیم ہماری دادی حضرت خاتون جنت کے گھر کی لونڈی ہے"۔ بلکہ اسی مناسبت سے اپنے جملہ غلاموں کو بغیر کسی تحقیق کے محبت کی ہدایت فرمائی ہے چنانچہ فخر و مباہات کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے تصرفات سے جملہ غلامان بارگاہِ وارثی کے قلوب بقدر استعداد محبت کے اثرات سے یقینی متاثر ہیں اور اگر ناظرین غور و تامل سے ملاحظہ فرمائیں گے تو اس رسالے میں حضور کے اٹھاسی سال کے حالات و واقعات ہدایات و ارشادات کو رموز عشق کامل کے جزئیات سے خالی نہ پائیں گے اور یہی صورت تصرفات میں نظر آئیگی کہ ہمیشہ طالبان حق کی پرورش مخلوط بہ محبت ہوئی۔

اور یہ تو سب نے آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اس پیشین گوئی کے مطابق اقطار عالم میں حضور کی عظمت و جلالت کا نقارہ بجا اور بغیر کسی تحریک کے مختلف ممالک کے باشندے مسافت دور و دراز کو طے کر کے آستانہ فیض کاشانہ پر آئے اور ظل حمایت وارثی میں پناہ گزیں ہوئے اور بلا تخصیص مذہب و ملت سب کو حضور نے محبت الٰہی کی ہدایت فرمائی اور اس رہنمائے کامل کے فیوض و برکات سے مستفیض ہو کر ہزاروں کامیاب اور فائز المرام ہو گئے جن کے حالات آئندہ بالتفصیل نگارش کرونگا۔ انشاء اللہ۔

آپ کی عظمت کا اقرار

آخر میں میران سید احمد علیہ الرحمۃ نے اپنی پیشینگوئی کو اس مضمون پر

ختم فرمایا کہ وہ نور نظر ایسا وحید العصر اور جلیل القدر ہوگا کہ اس کے ہم عصر مقربین بارگاہ احدیت اُس کی رفعت عظمت کا اقرار کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضور قبلۂ عالم کے مراتب علیا کا مشہور و معروف حضرات اہل حقائق و معارف نے اعتراف فرمایا جس کی صراحت مؤلفین سیرت وارثی نے مختلف عنوانوں کے تحت میں نقل فرمائی ہے اور صاحب مشکوٰۃ حقانیہ نے تو خاص طور پر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ کے بعض ایسے ارشادات لکھے ہیں جو اس مکاشفہ کے شاہد صادق ہیں۔

اور حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی جن کا اب دیرینہ غلاموں اور قدیم فقرا میں شمار ہے کیونکہ آپ ۱۳۱۲ھ سے حامل خرقہ وارثی ہیں اور پانچ سال تک مستقل طور پر اس خدمت کے لئے مامور رہ کر غلامان وارثی کے عرائض کا جواب نگارش کرتے تھے۔ آپ رسالہ "نفحات الانس" صفحہ ۳۹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سیاحت کے سلسلہ میں انبالہ گیا تو پہلے حضرت سائیں توکل شاہ صاحب کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ سائیں صاحب قبلہ نے جن کا عارفین وقت میں شمار تھا۔ شاید میرا لباس دیکھکر چشم نم فرمائی اور پُرجوش لہجہ میں ارشاد ہوا کہ "رسول کریم دا اور حاجی صاحب دا فیض ساڈھے نال آ وندا ہے" اور مجھ پر یہ عنایت فرمائی کہ اپنے ایک خلیفہ کو حکم دیا کہ ان کو اپنے ساتھ کھانا کھلاؤ۔

علیٰ ہذا مولوی محمد یحییٰ صاحب وارثی۔ وکیل و رئیس عظیم آباد جن کو حضور قبلۂ عالم نے پابند وضع فرمایا تھا اپنا یہ واقعہ بیان کرتے تھے کہ حسب معمول ایک اتوار کو مدرسے والے مکان میں تھا کہ ناگاہ جناب نورالدین شاہ صاحب مجذوب سالک جن کو صوبہ بہار کامل اور صاحب حقائق جانتا تھا تشریف لائے۔ میں نے چائے اور حقہ پیش کیا۔ اتفاق سے دونوں چیزیں قبول فرمائیں اور بکمال شفقت ارشاد ہوا کہ مولوی صاحب آپ کہاں گئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ ملّا کی دوڑ مسجد تک آستان بوسی کیلئے دیوی شریف گیا تھا۔ فرمایا۔ خوشا قسمت۔ وہ شیر خدا کا بوتا ایک نظر عنایت سے قطرہ کو دریا بنا دیتا ہے۔ مولوی صاحب میرے کاسۂ گدائی میں اُسی کا دیا ہوا ٹکڑا ہے۔

اسی طرح میرے قدیم عنایت فرما مولوی فخر الحسن صاحب ساکن آگرہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے پیر و مرشد حضرت محمدی شاہ صاحب مقیم الہ آباد سے (جو شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی کے خلیفہ تھے) عرض کیا کہ جناب حاجی صاحب قبلہ کی نسبت آپکا کیا خیال ہے۔ فرمایا حاجی صاحب مردان خدا میں سے ہیں اور انہوں نے عشق کی دشوار گزار منزل کو بہ ثبات و استقلال طے فرمایا ہے اور آج محبت کا فتحباب انھیں کے فیضان سے ہوتا ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور قبلۂ عالم دو روز سے نواب صادق علی خاں صاحب وارثی رئیس دربھنگہ کے مہمان تھے۔ ناگاہ مجھے یہ حکم ہوا کہ مظفرپور جاؤ اور وہاں ایک مکان کا انتظام کرو۔ کل ہم آئیں گے اور ایک شب وہاں رہیں گے۔ میں فوراً روانہ ہوا اور سید علی حسین صاحب وارثی رئیس پٹنہ جو اب محروق شاہ کے ممتاز خطاب سے سرفراز ہیں، اور شب و روز آستانِ اقدس کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں، میرے ہمراہ چلے۔ اتفاق سے مظفرپور میں پہلے جناب اصغر علی شاہ صاحب سے جو اُس دیار میں بہت معروف بزرگ تھے۔ ملاقات ہوئی۔ اُنہیں کرم محروق شاہ صاحب نے اُن کی بہت تعظیم کی مگر مجھ سے خلاف ادب سخت گفتگو ہو گئی۔ دوسرے روز دیکھا کہ اسٹیشن پر استقبالی مجمع میں اصغر علی شاہ صاحب بھی موجود ہیں اور پالکی کے ساتھ اس مکان تک آئے جو حضور کے قیام کے واسطے تجویز کیا گیا تھا۔ پھر رات کو آکر قدم بوسی کے متمنی ہوئے۔ میں سرکار عالم پناہ کے حضور میں لے گیا۔ شاہ صاحب موصوف نے لبِ فرش پہونچکر بکمال ادب زمین بوسی کی اور وہیں دست بستہ کھڑے رہے۔ حضور نے فرمایا "قاعدے سے رہو۔ ورنہ نکال دیئے جاؤ گے"۔ شاہ صاحب نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ آپ کا بھکاری ہوں مجال نہیں کہ خلاف حکم گردن ہلاؤں۔ حضور نے خادم سے فرمایا کہ ان کو دو روپیہ اور ایک تہبند دیدو اور ارشاد ہوا کہ شاہ جی اب جاؤ پھر ملاقات ہوگی"۔

غرض ایسے واقعات بکثرت ہیں قریب قریب بارگاہ وارثی کے ہر ایک حلقہ بگوش نے

لہ معروف بہ کمل شاہ۔

ضرور دیکھا یا سُنا ہو گا کہ اکثر رہروان راہ طریقت، و سرمستان بادۂ وحدت نے حضور قبلۂ عالم کی عظمت و جلالت کی علی الاعلان شہادت دی اور میران سید احمد علیہ الرحمۃ کی اس پیشین گوئی کا کامل طور پر اظہار ہو گیا اور جیسا آپ نے فرمایا تھا ویسا ہی جلیل الشان فرزند آپ کی پانچویں پشت میں پیدا ہوا۔

جائے ولادت | حضور قبلۂ عالم کی جائے ولادت کے لئے منشار الٰہی نے دیوی شریف کو تجویز فرمایا نواح اودھ میں ہمیشہ سے یہ قصبہ ہر حیثیت سے ممدوح اور ممتاز اور مردم خیز رہا جسکو تاریخی اہمیت بھی حاصل ہے اور بہت مشہور و معروف علمائے دین اس سرزمین پر پیدا ہوئے جن کے نام نامی سے ہر ایک اہل علم واقف ہے اور ان کی تصانیف کے مطالعہ سے ان کا کمال علمی ظاہر ہوتا ہے بلکہ جس طرح اس بستی کو بہت علمائے شریعت ہمیشہ سے دار العلوم کی حیثیت حاصل رہی اسی طرح مقدس اور ابرار بزرگوں کے فیض و برکت رشد و ہدایت کی وجہ سے یہ مقام ہمیشہ طریقت کا سرچشمہ رہا چنانچہ اکثر اہل تصوف نے فرمایا ہے کہ ہر زمانہ میں یہاں ایک ولی ضرور رہا لیکن قسام ازل نے یہ سعادت ابدی اس قصبہ کو اور تفویض فرمائی کہ خدا کے عاشق صادق نے پہلا قدم اس سرزمین پر رکھا اور آپکے مدارج عالیہ اور مراتب جلیلہ کے باعث دنیا کے بڑے حصہ میں اس مقدس طبقہ کی شرافت زبان زد خلائق ہو گئی۔

اکثر معمر حضرات دیوی شریف اور خصوصاً بعض بزرگ اور ہماری واجب التعظیم خوزادیوں نے یہ فرمایا ہے کہ جب حضور قبلۂ عالم کی ولادت باسعادت کا زمانہ قریب آیا تو آپ کی والدۂ محترمہ نے مختلف اوقات میں عجیب و غریب واقعات ملاحظہ فرمائے جن کا بصراحت نگارش کرنا اس لئے مجھے مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ حضرات روشن خیال میری اس جسارت کو ارادت کا جوش اور عقیدت کا غلو متصور نہ فرمائیں۔ بایں لحاظ اس تاریخی حیثیت کے رسالہ میں وہی مضامین لکھنا بہتر سمجھتا ہوں جو ایسے شکوک و شبہات سے معرا اور عام پسند ہوں۔

گو کہ یہ مسلمہ ہی کہ نادر الوجود اور عدیم النظیر ہستیوں کے معمولی حالات بھی غیر معمولی واقعات سے بہت زیادہ بلند اور ممتاز اور اکثر مافوق الفطرت بھی ہوتے ہیں۔ حالانکہ جن کو ہم عجیب و غریب کہتے

ہیں وہ ان مقدس نفوس کے درجات عالیہ کا اظہار و صفات جلیلہ کے برکات و اثرات کی روشنی ہوتی ہے جس کے نظارے سے ہم ظاہر بینوں کو تحیر و تعجب ہوتا ہے پس اگر ہمارے حضور جو آیۃ من آیات اللہ کے حقیقی مصداق ہیں ان کے ظہور اجلال کے زمانہ میں بعض حیرت خیز واقعات کا اظہار ہوا تو کچھ تعجبات سے نہیں بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ امکان وقوع لازمات سے تھا اور وہ سب قابل تسلیم ہیں۔

سال ولادت | لیکن سال ولادت میں مؤلفین سیرت وارثی کا اختلاف ہے۔ صاحب تحفۃ الاصفیا تحریر فرماتے ہیں کہ یکم رمضان ۱۲۳۳ھ میں حضور قبلہ عالم نے اپنے ذی صفات قدوم میمنت لزوم سے اس خاکدان عالم کو سرفراز فرمایا اور مؤلف "حیات وارث" تسطیر فرماتے ہیں کہ ۱۲۳۳ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اور حکیم صفدر علی صاحب مؤلف 'جلوۂ وارث' صفحہ ۵۰ میں ارتنام فرماتے ہیں کہ یکم صفر المظفر ۱۲۳۸ھ میں اس منظہر انوار الٰہی نے دنیا کو منور فرمایا اور مؤلف 'الوارث' نے لکھا ہے کہ ۱۸۱۳ء میں آپ منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوئے اور سید ناظم علی صاحب رسول پوری نے ضمیمہ "سیر السادات" قلمی مکتوبہ ۱۲۷۷ھ میں نگارش فرمایا ہے کہ ۱۲۳۶ھ میں وہ مقتدائے کامل خلوت عدم سے جلوت عالم میں تشریف فرما ہوا اور نصیحت شاہ صاحب وارثی رئیس بائیسپور ضلع مونگیر نے حضور کا سال ولادت ۱۲۳۳ھ فرمایا ہے۔ اور حضرت معروف شاہ صاحب رئیس دیوی شریف و قدیم خدمتگزار بارگاہ وارثی فرماتے تھے کہ ۱۱ رمضان ۱۲۳۸ھ میں وہ دُرّ یتیم رونق افروز بزم عالم ہوا اور پیر محمد صاحب جو دیوی شریف کے معمر باشندوں میں تھے گو آپ کا طبقہ اعلیٰ میں شمار نہ تھا۔ مگر عمر میں حضور سے زیادہ تھے انہوں نے ایک مرتبہ برسبیل تذکرہ فرمایا۔ کہ آپ ۱۲۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور خان بہادر مولوی نہال الدین احمد صاحب رئیس دیوی شریف جن کو اپنے ناہنال کی طرف سے نسبتاً تقرب خاندانی بھی حضور سے حاصل تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ میرے حساب سے آپ کا سال ولادت ۱۲۳۵ھ یا ۱۲۳۶ھ ہے۔

لیکن جناب شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین حضرت شاہ محمد عبد المنعم قادری کنز المعرفت قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ ۱۲۳۴ھ میں ہمارے سر پر وارث ارث مرتضوی کا

ظل حمایت سایہ فگن ہوا اور ممدوح الشان دلیل یہ پیش فرماتے تھے کہ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ میں بھائی غلام علی صاحب وارثی عرف گھسیٹے میاں سے چار سال چھوٹا ہوں اور گھسیٹے بھائی چار سال سرکار عالم پناہ سے چھوٹے تھے۔ اس حساب سے میں آٹھ سال عمر میں حضور قبلۂ عالم سے چھوٹا ہوں اور میں نے بعض خانگی حسابات میں اپنی پیدائش کی تشریحات کا ذکر دیکھا ہے کہ میں ۱۲۳۲ فصلی مطابق ۱۲۴۲ھ میں پیدا ہوا ہوں۔ لہذا میری پیدائش سے آٹھ سال قبل حضور کی ولادت ہوئی تو وہ ۱۲۳۴ھ ہجری ہوتا ہے۔

قرینہ ہے کہ روایات مذکورہ میں اس اختلاف کا بڑا سبب یہ ہو کہ سال ولادت کے اظہار میں خود عمائدین دیوی شریف کے بیانات مختلف ہیں اور وہ بھی اکثر بغیر سند و حوالہ کے۔ شاید ابتداء میں حضور کا سال ولادت ضبط تحریر میں نہیں آیا کیونکہ ایسی تحریر کا کسی روایت میں ذکر نہیں ہے پھر جس وقت حضور کے بعض معمر اعزا بقید حیات تھے اس زمانہ میں بھی اس کی تفتیش نہیں کی گئی عرصۂ دراز کے بعد جب یہ خیال پیدا ہوا تو اس وقت کے معمر اور ممتاز حضرات سے انکا شنیدہ یا قیاسی سال ولادت مؤلفین نے جو سنا وہ قلمبند کیا اور چونکہ اس کی تصحیح دشوار بلکہ محال تھی اس لئے اس کا محاکمہ بھی اہمیت سے خالی نہ تھا کہ کون روایت ان میں صحیح اور مصدقہ ہے بظاہر جو روایت معتبر معلوم ہوئی مؤلفین نے وہی نقل فرمائی۔

الغرض اب مجھ کو بھی وہی صورت اختیار کرنا چاہیئے جو دیگر مؤلفین کر چکے ہیں کہ روایات مذکورہ کو بہ نظر تامل دیکھوں اور جو روایت بلحاظ اسناد مصدقہ معلوم ہو اسی روایت کے مطابق سال ولادت نگارش کروں۔

لہذا میرے خیال میں اصولاً جناب شاہ فضل حسین صاحب وارثی کی مصدقہ روایت کو زیادہ مستند اور مدلل کہنا چاہیئے۔ اس لئے کہ اول تو شاہ صاحب ممدوح الصفات کی ذاتی شخصیت اور مشربی امتیاز اور بارگاہِ وارثی کا تقرب اور قدیم خدمتگزاری کا شرف اسکا مقتضی ہے کہ ہم آپکی بیان کردہ روایت کو صحیح جانیں۔ دوم یہ کہ سال ولادت بیان کرنے کے لئے شاہ صاحب موصوف

کا معمر ہونا یقینی متاخرین کے بیان سے بہت زیادہ وقیع ہے۔ سوم یہ کہ آپ کے والدین کا عمر کی تفریق بیان کرنا۔ اس کی صحت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ عموماً بزرگ اپنے بچوں کی عمر سے کما حقہ واقف ہوتے ہیں۔ خصوصاً یہ معمر بزرگ تو حضور کی تقریب ولادت میں شریک ہوئے ہوں گے۔

چہارم یہ کہ اپنا سال پیدائش خانگی حساب کے کاغذات میں دیکھ کر پھر اس حساب سے حضور کا سال ولادت ۱۲۳۴ھ ثابت کرنا اس روایت کی صحت کے لئے نہایت قوی اور بین دلیل ہو سکتی ہے لہٰذا میرا قیاس یہ ہے کہ اس روایت کی بنا پر اگر حضور قبلۂ عالم کا سال ولادت ۱۲۳۴ھ صحیح مان لیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اس روایت کی صحت کا مؤلف "جلوۂ وارث" نے بھی اقرار کیا ہے اور صفحہ ۱۵ میں بایں الفاظ تحریر فرمایا ہے۔ "میاں فضل حسین شاہ صاحب سجادہ نشین حضرت منعم شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سلطان الاولیا سے آٹھ سال چھوٹا ہوں میری پیدائش ۱۲۲۷ھ کی ہے۔ اس حساب سے حضرت سلطان الاولیا کی ولادت ۱۲۳۴ھ میں ثابت ہوتی ہے اور یہ قول صحیح اور مستند ہے"۔

لیکن لائق مؤلف نے اس روایت کو مدلل اور قابلِ اطمینان دیکھ کر صحیح اور مستند فرمایا اور شاہ فضل حسین شاہ صاحب سے سرکار عالم پناہ کا آٹھ سال بڑا ہونا بھی تسلیم کیا۔ جو یقینی امر تھا۔ مگر آنکھ بند کر کے شاہ صاحب موصوف کا بیان ایسے سیاق عبارت سے تلبس کیا ہے جو اپنی نظیر آپ ہے کہ شاہ صاحب کی پیدائش ۱۲۲۷ھ میں تحریر کی ہے اور سرکار عالم پناہ کی ولادت ۱۲۳۴ھ میں نگارش فرمائی ہے۔ یہ انقلاب عظیم کہ چھوٹے کو بڑا، اور بڑے کو چھوٹا کر دینا یہ آپ کے زور قلم کی شان ہے جس سے تالیفات میں جناب کے ذوق سلیم کا اظہار ہوتا ہے۔

غرض جناب شاہ فضل حسین صاحب کی اس روایت کو اکثر حضرات نے مستند مانا ہے لیکن ایک بحث تھوڑی صراحت کے ساتھ لائق ذکر اور قابل لحاظ یہ بھی ہے کہ کس طرح باعتبار دیگر

روایات کے جناب شاہ فضل حسین صاحب وارثی علیہ الرحمۃ کی مستند روایت سے حضور قبلۂ عالم کا سال ولادت ۱۲۳۲ھ ثابت ہوتا ہے اسی طرح منشی خدا بخش صاحب وارثی شائق دریاآبادی کا یہ لکھنا کہ سرکار عالم پناہ نے ۱۲۳۳ھ میں اپنے قدوم میمنت لزوم سے خاندان عالم کو سرفراز فرمایا۔ صحیح اور مستند معلوم ہوتا ہے مگر ہر دو روایات میں تھوڑا فرق امتیاز کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ منشی صاحب موصوف نے ۱۲۳۳ھ کی روایت بغیر کسی سند اور حوالہ کے تحریر فرمائی ہے۔ اور شاہ صاحب ممدوح الشان کا ارشاد علاوہ آپ کی ذاتی شخصیت کے روایت مدلل اور خانگی کاغذات کے حوالے سے ہے۔ مگر دیگر واقعات کو ملا کر غور و تامل سے دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحفۃ الاصفیا کی نقل کردہ روایت بھی قابل وثوق و اعتبار ہو سکتی ہے

مثلاً یہ مسلمہ ہے کہ حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کا وصال ۱۲۵۲ھ میں ہوا جس کا مؤلفین سیرت وارثی نے بالاتفاق اقرار کیا ہے بلکہ بعض دیگر مصنفین نے بھی ہمارے مخدوم علیہ الرحمۃ کا سال وصال بھی تسطیر فرمایا ہے اور اس میں بھی زیادہ اختلاف نہیں ہے کہ بعد فاتحہ سیوم حضور قبلہ عالم کی دستار بندی ہوئی اور اس وقت آپ کی عمر شریف چودہ یا پندرہ سال کی تھی اس حساب سے دیکھا جائے تو ۱۲۵۳ھ میں سے پندرہ سال تفریق کرنے سے وہی ۱۲۳۸ھ باقی رہتے ہیں۔ جو صاحب تحفۃ الاصفیا نے آپ کا سال ولادت لکھا ہے۔

بلکہ حضور قبلۂ عالم کے ایک ارشاد سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۲۵۳ھ میں آپ کی عمر شریف پندرہ سال کی تھی چنانچہ پہلے سفر حجاز میں بمبئی کے مشہور تاجر سیٹھ یوسف ذکریا کی مہمانداری کا ذکر، مسٹر ابراہیم میمن کی بیعت کے وقت جو بانکی پور میں آیا۔ تو سرکار عالم پناہ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت ہماری عمر پندرہ سال کی تھی۔ (جس کا مفصل تذکرہ سفر حجاز کے سلسلہ میں آئندہ آئیگا)

لہٰذا حساب کیا جائے تو حضور قبلہ عالم کے اس ارشاد سے بھی آپ کا سال ولادت وہی ظاہر ہوتا ہے جو مؤلف تحفۃ الاصفیا نے تحریر کیا ہے اس واسطے کہ سب کا اتفاق ہے کہ پہلا سفر حجاز ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ میں ہوا۔ جس میں سیٹھ یوسف ذکریا کا معہ اہل و عیال کے حلقہ بگوش

ہونا اور تار روانگی جہاز خدمت مہانداری کرنا مذکور ہے اور حسب ارشاد اس وقت آپکی عمر شریف پندرہ سال کی تھی پس بارہ سو ترپن میں سے اگر پندرہ تفریق کئے جائیں تو باقی بارہ سو اڑتیس رہتے ہیں اس لئے صاحب تحفۃ الاصفیا کی یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ حضور قبلہ عالم کا سال ولادت ۱۲۳۸ھ ہے۔

غرض روایات کا مطالعہ کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سبب اس اختلاف کا یہ ہے کہ عرصہ کے بعد جب سال ولادت کی تفتیش کی گئی تو اس وقت کے معمر حضرات نے اپنی اپنی شنیدہ معلومات کا جو ان کے حافظہ میں محفوظ تھی اظہار کر دیا۔ مگر اس اختلاف کیساتھ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہر ایک روایت کا راوی ایسا معتمد اور ممتاز ہے جس کی وجاہت کے لحاظ سے کسی روایت کی نسبت عدم صحت کا خیال بھی نہیں کر سکتے۔

علاوہ اس کے روایات کی صحت اور عدم صحت کی تحقیق کرنا بوجہ بعد زمانہ کے اب اس قدر اہم اور دشوار ہے کہ شاید کسی کو اس کوشش میں کامیابی نہیں ہو سکتی اور نہ کسی کا محاکمہ کلیتہً صحیح مانا جاسکتا ہے۔ بلکہ میرا یہ عرض کرنا کہ جناب شاہ فضل حسین صاحب کی فرمودہ روایت اصولاً مستند ہے اور حضور قبلہ عالم کا ارشاد ملانے سے تحفۃ الاصفیا کا نقل کردہ سال ولادت بھی صحیح معلوم ہوتا ہے ہرگز اس کا سزاوار نہیں ہے کہ جملہ غلامان بارگاہ وارثی اس کو فیصلۂ ناطق اور مکمل محاکمہ تصور فرمائیں۔ بلکہ زیادہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے اور اسی میں آسانی بھی ہے کہ ناظرین روایات مذکورہ کو نظر غائر سے ملاحظہ فرمائیں اور ازروئے درایت جو قول زیادہ مستند اور اصح اور قابل اطمینان معلوم ہو اسی کو اپنے آقائے نامدار کا سال ولادت قرار دے لیں۔

اس لئے کہ سال ولادت کے اختلاف سے نہ ہمارے عمل میں کوئی خلل آتا ہے اور نہ مشربی پہلو کو کسی قسم کا صدمہ پہنچتا ہے۔ بجز اس کے کہ ہم اپنی محدود اور کمزور معلومات کی وجہ سے صحیح روایت دریافت نہ کر سکے۔

ایام رضاعت | علیٰ ہذا یہ بھی مستند حضرات نے بالاتفاق فرمایا ہے کہ شاہد بے نیاز کے اس عاشق

جانبازلے ہنوز بزم عالم وجود میں قدم نہیں رکھا تھا کہ عشق کرشمہ ساز کی نیرنگیوں کا آغاز ہوا۔ اسباب ابتلا اور سامان امتحان مہیا ہونے لگے چنانچہ شکم مادر ہی میں معلم قدسی نے مسلک عشاق کا دستور العمل سنا دیا۔ تجرید کامل کے باب میں تعلقات عالم سے انقطاع قطعی کا سبق دیکر وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا۔ کے رموز صوری و نکات معنوی تعلیم فرمائے تو حسب منشا حضرت قضا و قدر وارث ارث مصطفوی نے پہلے جداعلی کی سنت قدیمہ ادا کی یعنی پدر بزرگوار نے ہمیشہ کے لئے دار القرار میں اقامت اختیار فرمائی اور یہ نونہال گلشن مرتضوی حمایت پدری سے سبکبار ہو کر دیدار یار کے لئے سر بکف میدان رضا و تسلیم میں آنے کے واسطے تیار ہو گیا۔

اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں بلکہ مؤلف مشکوٰۃ حقانیہ کا بھی خیال ہے کہ حضور قبلۂ عالم کی عمر تقریباً دو سال سے کچھ زیادہ تھی کہ عالم اسباب میں عافیت کے ابواب مسدود ہو گئے۔ شفیق باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور اس در یتیم کی صدف آغوش مادری میں نشو و نما ہونے لگی۔ لیکن غیور شاہد حقیقی کو یہ بھی منظور نہ ہوا کہ ہمارا عاشق عارضی طور پر بھی کسی اور سے مانوس ہو۔ چنانچہ تین سال کی عمر تھی کہ یہ یتیم بچہ آغوش مادر مہربان سے کنارہ کش ہوا۔ اور احکم الحاکمین نے اس خاتون معظمہ کو دوسرے عالم میں بلا لیا۔

اس حادثہ جانکاہ کے بعد حضور قبلۂ عالم کی جدہ مکرمہ جناب سیدہ حیات النسا صاحبہ اپنے یتیم پوتے کی ایسی کفیل اور مصروف پرورش ہوئیں کہ باوجود مہربان دایہ کی خدمت کے آپ بھی ہر وقت بہ نفس نفیس خدمت و نگرانی فرماتی تھیں بلکہ حضور کے دیگر اعزا بھی آپ کے حیرت انگیز عادات جن کا زمانہ رضاعت سے اظہار ہو رہا تھا۔ دیکھ کر گرویدہ ہو گئے تھے۔ اور اس کا یقین ہو چکا تھا کہ یہ بچہ ضرور برگزیدۂ خدا اور صاحب مقامات علیا ہے کیونکہ عام بچوں کے حالات سے آپ کے عادات بالکل جداگانہ اور بہت ممتاز تھے۔ جیسا کہ دیوی شریف کے معزز اشخاص کا بیان ہے کہ ہماری بزرگ مستورات جب حضور قبلۂ عالم کے عہد طفلی کا ذکر فرماتی تھیں۔ تو تعجب کے ساتھ کہتی تھیں کہ ایسے خصائل کا بچہ دیکھنا کیسا سنا بھی نہیں!

چنانچہ آپ کی عادات کی نسبت مستند حضرات کا بیان ہے کہ دودھ نوش فرمانے میں یہ امتیازی شان تھی کہ بجز وقت معینہ کے آپ دیگر اوقات میں رغبت نہیں فرماتے تھے اور وقت مقررہ پر نوش بھی فرماتے تو عام بچوں کی طرح جلد جلد اور گھبرا کے نہیں بلکہ اطمینان کے ساتھ اور مقدار میں کم پیتے تھے۔ جس سے آپ کے صبر و سکون کا بخوبی اندازہ ہوتا تھا۔

علیٰ ہٰذا بول و براز کی یہ کیفیت تھی کہ ضرورت کے وقت ایسی جگر گداز آواز سے اشارہ فرماتے تھے کہ دایہ خبردار ہو جاتی تھی اور باحتیاط تمام رفع ضرورت کراتی تھی۔ چنانچہ آپ کا بستر اور لباس وغیرہ ہمیشہ صاف اور نجاست آلودہ ہونے سے محفوظ رہتا تھا اور بوقت رفع حاجت چہرۂ اقدس پر حجاب آمیز کیفیت طاری ہوتی تھی اور اُس وقت آپ سر اطہر جھکا لیتے تھے۔

یہی غیر معمولی صورت سونے کے وقت دیکھی گئی ہے کہ اول تو آپ سوتے بہت کم تھے اور جو کچھ سوتے تھے وہ بھی غفلت کی نیند نہیں بلکہ بیدار خوابی کی صورت میں کچھ عرصہ تک آنکھیں بند رہتی تھیں اور جب بیدار ہوتے تھے تو چہرہ سے نہ نیند کا خمار معلوم ہوتا تھا اور نہ آنکھوں پر غنودگی کا اثر اور آپ ہمیشہ ہنستے ہوئے بیدار ہوتے تھے۔

نہ تمام بچوں کی طرح آپ روتے تھے بلکہ زیادہ خاموش رہتے تھے اور اکثر خاموشی کے وقت چہرۂ اقدس کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور آنکھوں سے انتظار کی کیفیت نمایاں ہوتی تھی۔ اور جب تک آپ کی یہ حالت رہتی تھی۔ دیکھنے والوں کو اسکی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ آپ سے مخاطب کریں بلکہ خود متحیر اور ششدر ہو جاتے تھے۔

اکثر شب ماہ میں آپ چاند اور ستاروں کو اس طرح بغور دیکھتے اور مسکراتے تھے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ قدرت الٰہی کی صنعت گوناگوں کی چشم حقیقت بیں سیر کر رہی ہے۔

غرض یہ عجیب و غریب حالات و عادات دیکھکر آپ کے معمر اعزا آپ کی تعظیم کرنے لگے اور جس قدر آپ کی عمر زیادہ ہوتی گئی اسی قدر آپ کے عادات کی غیر معمولی شان بڑھتی گئی اور اسی کے ساتھ مزاج ہمایوں میں آزادی اور بے پروائی کے آثار پیدا ہونے لگے۔ حتیٰ کہ

جب آپ کی عمر شریف قریب پانچ سال کے ہوئی تو حضور کی دادی صاحبہ نے بسم اللہ کی تقریب نہایت اولوالعزمی سے کی اور مطابق رواج خاندانی ایک قابل معلم آپ کی تعلیم کے واسطے مقرر کیا۔ جو طبیعت کو عادی کرنے کے خیال سے وقتاً فوقتاً قاعدہ بغدادی پڑھاتا تھا اور زیادہ وقت آپ کے ساتھ کھیلنے میں صرف کرتا۔

کھیل بھی آپ کے ایسے تھے جن میں حقانیت کی صفت اور للہیت کی شان تھی اور جن سے بچپن ہی سے جود و سخا، مہر و عطا کا اظہار ہوتا تھا۔ چنانچہ کھیل کی صورت میں آپ کا ایک مشغلہ یہ تھا کہ لوکئی نامی ایک حلوائی تھا۔ اس سے روزمرہ آپ شیرینی خرید فرما کر بچوں کو تقسیم کرتے تھے چنانچہ جب کبھی بر سبیل تذکرہ آپ کے عہد طفولیت کا ذکر آ گیا تو اکثر حضور نے متبسم لبوں سے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ "ہم بچپن میں دادی کے صندوقچہ میں سے اشرفی یا روپیہ جو مل جاتا۔ نکال لاتے تھے اور لوکئی کو دیکر یہ فرمائش کرتے تھے کہ اس کا ایک بتاشا ہم کو بنا دو۔ وہ ایک بتاشہ سینی کے برابر بنا دیتا تھا۔ ہم اس کو توڑ توڑ کر لڑکوں کو تقسیم کرتے تھے اور دادی کو جب یہ خبر ہوتی تھی تو وہ بجائے خفا ہونے کے خوش ہوتی تھیں۔"

یہ بھی مستند حضرات نے اپنے بزرگوں کا مقولہ بیان فرمایا ہے کہ اکثر حضور قبلۂ عالم بچوں کو اپنے پاس بٹھا کر کھیل کے پیرایہ میں دنیا کی مذمت اور محبت الٰہی کی ہدایت فرماتے تھے۔ اور یہ بھی آپ کا مخصوص شغل تھا کہ محلے کے غرباء و مساکین کو نقدی بھی تقسیم کرتے تھے اور جب محتاجوں کو اپنے اوڑھنے اور پہننے کے کپڑے دیدیتے تھے تو بہت زیادہ خوش ہوتے تھے۔

آپ کی یہ جلیل القدر عادات، جن کا کھیل کے پردہ میں اظہار ہوتا تھا۔ ان کو نظر غائر سے دیکھا جائے تو بغیر کسی تاویل کے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اوائل عمر سے آپ نے مال دنیا کو تنفر کی نظر سے دیکھا اور بجائے اس کے کہ خود کوئی فائدہ اٹھائیں اس کو معصوم بچوں اور اہل حاجت پر تقسیم کیا۔ کیونکہ آپ کے والدین کا متروکہ جو بہت قیمتی سرمایہ تھا۔ اس کے مالک فی الحقیقت آپ تھے مگر اس غیور وارث ارث مرتضوی نے اس کو اپنی ملک میں رکھنا پسند

نہیں کیا بلکہ اس سے مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچایا اور خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل فرمایا۔

حضور کی صغیر سنی کے یہ مشاغل جو بظاہر کھیل کی شکل میں تھے۔ مگر درحقیقت یہ آپ کے علوی مرتبت کی نشانیاں اور آپ کے عشق کامل کے جلوے تھے کیونکہ بچوں پر بزرگانہ شفقت کرنا خلق اللہ کے ساتھ محبت اور بے غرض سلوک اور انکی تکلیف کو رفع کرنا مال دنیا سے متنفر ہونا معمولی باتیں نہیں ہیں بلکہ آپ کی عظمت و جلالت کی بین دلیل ہے کیونکہ حضرات صوفیہ کرام نے بالاتفاق فرمایا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے عاشق صادق کی مخصوص علامت یہ ہے کہ مخلوق خدا کو ترحم کی نظر سے دیکھے اور انکی مشکلوں کو رفع کرے اور ان کا ہمدرد اور سچا بہی خواہ ہو۔

چنانچہ مصر کے مشہور محدث اور فقیہہ اور صوفی امام ابوالمواہب عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ نے اپنی مستند کتاب "طبقات الکبریٰ" جلد اول کے آخر حصہ میں شیخ داؤد کبیر بن ماخلا علیہ الرحمۃ کا جو ساتویں صدی کے بلند پایہ صوفی تھے یہ قول نقل فرمایا ہے کہ وَكَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُوْلُ مَنْ اَحَبَّ اللهَ تَعَالىٰ اَحَبَّ كُلَّ مَاكَانَ مُسَبَّبًا مِّنْهُ ۔ یعنی جس کو اللہ کی محبت ہو گی وہ ہر اس چیز کو جس کا سبب وہ اللہ ہے دوست رکھے گا۔

چونکہ محبت کا خاصہ ہے کہ جس چیز کو محبوب سے اضافی نسبت بھی ہوگی گو وہ چیز حقیر یا کثیف یا تکلیف رساں ہی کیوں نہ ہو لیکن محب صادق کی نظر میں بجائے تحقیر کے اس کی توقیر ہوتی ہے اور اس کثیف چیز کو لطیف اور اسکی تکلیف رسانی کو راحت جاودانی جانتا ہے محض اس خیال سے کہ اس کو محبوب سے نسبت ہے چنانچہ مشہور ہے کہ مجنوں نے سگِ لیلیٰ کی پابوسی کی۔

چہ جائیکہ انسان جس کو حضرت احدیت جل جلالہ سے حقیقی نسبت ہے کہ اس کی قدرت کاملہ کا بے مثل نمونہ اس کی صنعت خاص کا مکمل مجموعہ حتیٰ کہ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ کے طرۂ امتیاز سے آراستہ اور نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کے شرف اختصاص سے سرفراز ہے اور درحقیقت جو اسرار الٰہی کا خزینہ اور انوار حضرت واجب الوجود

کا آئینہ ہے اُس کی تکلیف و راحت کا خیال تو عاشقان شاہد حقیقی کا مخصوص نصب العین و صرف اس نسبت سے کہ یہ مجسمہ صنعت ساز دی کی دلپذیر تصویر ہے اسی کو حضرت شیخ ۔ او د کبیر علیہ الرحمتہ نے مجملاً فرمایا کہ جو چیز محبوب سے منسوب ہو اُس کو عاشق صادق دوست رکھتا ہے یہی راز حضور کے مشاغل مذکورہ میں مستتر تھا کیونکہ آپ ازل سے سالک مسلک عشق حقیقی ہیں اس مناسبت سے دنیا میں آکر پہلا کام وہی کیا جو عاشقوں کا خاصہ ہے کہ خلق اللہ کی ہمدردی پر آمادہ ہوگئے اور جس کی جو حیثیت تھی اس کی اسی اعتبار سے امداد فرمائی۔ بچوں کو بزرگانہ شفقت سے شیرینی کھلائی۔ مساکین کے ساتھ بے غرض سلوک کیا جن کے قلوب اصلاح پذیر تھے۔ ان کو محبت الٰہی کا سبق دیا۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ آپ کی صغرسنی کے صحبت یافتہ اکثر صاحب دید و یافت اور فائز المرام ہوئے ہیں۔ الحاصل یہ حضور کے عشق کامل کی ایک صفت لازمہ تھی جس کو ہم کھیل کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

الغرض اس عاشق یزداں کی عمر شریف جب اس قابل ہوئی کہ باقاعدہ تعلیم ہو تو آپ کی دادی صاحبہ نے جو حضرت امیر علی شاہ صاحب سجادہ نشین حضرت شاہ ولایت محمد عبد المنعم قادری کنز المعرفت علیہ الرحمتہ کی خوش عقیدہ مرید تھیں، یہ تجویز فرمایا کہ میں اپنے پوتے کو قرآن شریف اپنے پیر و مرشد سے پڑھواؤں گی تاکہ موجب برکت ہو۔

تعلیم علوم ظاہری

چنانچہ جناب شاہ تفضل حسین صاحب وارثی زیب سجادہ حضرت شاہ ولایت محمد عبد المنعم قادری کنز المعرفت فرماتے تھے کہ جب آپ کی جدّہ محترمہ نے بہ اقتضائے خلوص و عقیدت اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا تو چچا صاحب نے ان کی یہ خواہش اس وجہ سے بخوشی منظور فرمائی کہ ان کو خاص طور پر حضور قبلۂ عالم سے محبت تھی اور اکثر فرماتے تھے کہ یہ صاحبزادے خلق خدا کے بہت بڑے رہنما ہوں گے اور تمام عالم میں انکے نام کا ڈنکا بجے گا۔

الحاصل چچا صاحب سے آپ نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ روزانہ اس انوکھی شان سے آپ تشریف لاتے کہ بڑی تقطیع کا قلمی اور جسیم کلام مجید جند جز دانوں میں گرد انا ہو

سر پر رکھے اور دونوں ہاتھوں سے اس کو پکڑے ہوئے قریب آکر متبسم لبوں سے چچا صاحب کو سلام کرتے تھے یہ ادا دیکھکر وہ فرماتے تھے کہ "منّن میاں اتنا بڑا قرآن شریف کیوں لاتے ہو لیکن آپ وہی قرآن اور اسی صورت سے لاتے اور سبق پڑھکر اسی شان سے مکان واپس جاتے تھے اور پھر مکان پر مطالعہ نہیں کرتے تھے بلکہ دستور یہ تھا کہ گوشہ تنہائی میں بیٹھکر کسی گہرے خیال میں محو اور مستغرق رہتے تھے مگر اپنی خداداد ذہانت سے دو سال کے اندر آپ حافظ قرآن ہو گئے اور بعض ابتدائی کتابیں بھی نکل گئیں۔

لیکن آپ کی جدہ مکرمہ کا یہ خیال تھا کہ میرے یتیم پوتے کی تعلیم مکمل اور وسیع پیمانہ پر ہو اسی لحاظ سے مخدومہ ممدوحہ نے آپ کو ہمیشہ قابل معلمین کے سپرد فرمایا جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ حقانیہ نے بعض معلموں کے اسمائے گرامی بصراحت لکھے ہیں مگر یہ قول بہت مستند ہے کہ مولوی امام علی صاحب علیہ الرحمۃ ساکن قصبہ ستر کہ ضلع بارہ بنکی نے بھی جن کا اس دیار میں مقدس اور ابرار بزرگوں میں شمار تھا حضور قبلۂ عالم کو ابتدائی کتب درسیہ کی تعلیم دی ہے کیونکہ علاوہ دیگر مستند روایات کے خود حضور نے اکثر فرمایا ہے کہ "مولوی امام علی صاحب نے ہم کو اس طرح پڑھایا کہ جب ہم پڑھتے تھے تو نہایت شفقت سے پڑھاتے تھے اور جس وقت ہمارا دل گھبراتا تھا تو کہتے تھے کہ جاؤ کھیلو" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "مولوی امام علی صاحب نے ہم کو یار بنا لیا تھا کبھی ہمارے واسطے پتنگ بناتے تھے کبھی شاہان سلف کے واقعات بطور قصہ اس لئے بیان کرتے تھے کہ ہمارا دل بہلے"۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ "مولوی امام علی صاحب خود بزرگ شخص تھے مگر ہماری تعظیم کرتے تھے اور جب ہم کہتے تھے کہ مولوی صاحب آپ تو ہمارے استاد ہیں یہ تعظیم کیسی تو کہتے تھے کہ صاحبزادے میں تو ظاہری علم کا معلم ہوں اور تم خلق اللہ کو باطنی علم کا سبق دو گے" ــــ جناب مولوی امام علی صاحب کا بزرگ اور استاد ہو کر ایک نو عمر شاگرد کی تعظیم کرنے کا خاص سبب تھا کہ اول تو خود اہل دل اور باطن شناس تھے دوم حضور قبلۂ عالم کے بعض عادات و واقعات ایسے عجیب و غریب دیکھے تھے کہ مولوی صاحب ممدوح نے اکثر آپ کی دادی صاحبہ سے کہا کہ یہ صاحبزادے مکتب عشق کے سند یافتہ ہیں گیا معلم ذہنی نے وہ علم تفویض فرمایا ہے جو بغیر پڑھے اور پڑھائے آتا ہے ان کو ظاہری تعلیم کی حاجت نہیں یہ دوسروں کو وہ سبق پڑھائیں گے جس کے سمجھنے میں انسان کا فہم و ادراک قاصر ہے۔

لیکن حضور کی دادی صاحبہ ہمیشہ یہی فرماتی تھیں کہ مولوی صاحب بقدر امکان کوشش فرمائیے اور جسقدر ہوسکے انکو پڑھائیں اس یتیم کے آباؤ اجداد باوجود ذی شرف اور صاحب حقائق و معارف ہونیکے علوم ظاہری کے بھی کماحقہ ماہر تھے۔ یہ لڑکا انہیں کی یادگار بلکہ سید واڑہ کا چراغ ہے اس لئے میری خواہش یہی ہے کہ اسکی تعلیم میں کوتاہی نہ ہو۔

غرض مولوی صاحب موصوف بکمال احتیاط بغیر تنبیہ اور تشدد کے نہایت دلجوئی سے آپ کو پڑھاتے تھے اور حضور کو بھی پڑھنے کا شوق تھا مگر اضطرار طبیعت کی وجہ سے دیر تک مسلسل نہیں پڑھتے تھے لیکن ذہانت کے ساتھ چونکہ قوت حافظہ بھی تھی اسی لئے دو چار مرتبہ پڑھنے سے سبق یاد ہو جاتا تھا۔

چنانچہ معمر حضرات کی مستند روایات سے ثابت ہے کہ اسی دوران میں جو لوازمات عشق باقی تھے ان کا اظہار ہوا کہ ہنوز آپ کی عمر شریف سات یا آٹھ یا بروایتے دس سال کی تھی کہ حقیقی کرشمہ ساز شاہد بے نیاز کو یہ مشارکت بھی ناپسند ہوئی کہ جدہ مکرمہ کے سایۂ عاطفت میں آپکی نشوونما ہو لہذا حسب منشائے قضا و قدر آپ کی دادی صاحبہ نے اس دار فانی سے عالم جاودانی کا سفر فرمایا اور بمصداق "اَلْعِشْقُ نَارٌ تُحْرِقُ مَاسِوَی الْمَحْبُوْبِ" تعلقات موجودات سے انقطاع قطعی ہوا۔ بقول مولانا علیہ الرحمۃ ؎

عشق آں شعلہ است کوچوں بر فروخت ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

اب بجز ذات خالق کائنات بظاہر کوئی شفیق نگران حال نہ رہا اس لئے دیوی شریف کا قیام مناسب نہ سمجھا اور آپ کے حقیقی بہنوئی حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب اعلی اللہ مقامہ آپ کو لکھنؤ لائے۔ اور تعلیم کا سلسلہ بدستور قائم رکھا بلکہ علاوہ دیگر اساتذوں کے بعض کتابیں آپ نے حضرت ملبند شاہ صاحب قدس سرہ العزیز سے بھی پڑھیں اور خود حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب نے بھی جو مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے فارغ التحصیل شاگرد تھے آپ کو نہایت دلجوئی سے پڑھایا۔

لیکن کسی مستند روایت سے بصراحت یہ نہیں معلوم ہوا کہ اس ہفت سالہ تعلیم کا آخری نتیجہ کیا ہوا اور بظاہر کہاں تک آپنے پڑھا کیونکہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ آپنے فراغ حاصل کیا بعض کا قول ہے کہ کتب درسیہ قریب اختتام تھیں کہ جوش عشق نے بے قرار کیا اور اکثر اوقات استغراقی حالت رہنے لگی۔ چنانچہ سلسلہ تعلیم منقطع فرما کر آپ نے سیاحت ملک عرب کا قصد کیا۔ بلکہ بعض

مسترشدین کا یہ بھی خیال ہے کہ آپ نے چند ابتدائی کتابیں پڑھکر بمصداق ؎

ما مقیمان کوئے دلداریم   رُخ بہ دنیا و دین نمی آریم

تعلقاتِ دنیا سے احتراز فرمایا اور سنہ ۱۲۵۱ھ میں زیارت حرمین شریفین کے شوق میں حضور نے پا پیادہ سفر کیا۔

لیکن حضور قبلۂ عالم کے بعض حالات اور اکثر ارشادات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو علم ادب میں عبور اور تفسیر و حدیث میں کافی دستگاہ تھی بلکہ علاوہ علم شریعت کے دیگر علوم و فنون کے بھی آپ ماہر تھے مثلاً آپ نے ابتدائی تعلیم کا یہ قصہ اکثر بیان فرمایا ہے کہ "جب ہم نے کافیہ شروع کیا اور مولوی صاحب نے کہا پڑھو۔ "اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ" تو ہم نے کہا کہ جب کلمہ ایک لفظ ہے تو اس کا پڑھنا فضول ہے ایک لفظ پڑھ کر ہم کیا کریں گے"۔ اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے عربی میں نحو شروع کی اور سبق کے طور پر کافیہ پڑھا۔

علیٰ ہذا ایک مرتبہ کا یہ واقعہ ہے کہ حضور قبلۂ عالم بانکی پور میں جسٹس مولوی سید شرف الدین وارثی کے مہمان تھے کہ مولوی لطافت حسین صاحب وارثی متوطن شیخپورہ ضلع مونگیر جو ادب اور معقول میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ عربی میں ایک مطول قصیدہ کہہ کر لائے۔ ہنوز دو یا تین شعر پڑھے تھے کہ حضور نے قصیدہ اُن کے ہاتھ سے لے کر بے تکلف پڑھنا شروع کیا اور وہ دقیق لغات اور استعارات جو مصنف موصوف نے نظم کئے تھے ان کی تعریف کی اور فرمایا تم نے بڑی قابلیت صرف کی ورنہ یہ محاورات اہل زبان ہی ادا کر سکتے ہیں۔

اس واقعہ سے حضور کی ادبی استعداد کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ایسا بلیغ قصیدہ برجستہ اور بغیر تکلف کے اس روانی کے ساتھ پڑھنا اور لغات عرب سے کما حقہ آگاہی اور محاورات عرب سے اس قدر واقفیت بجز منتہی اور وسیع النظر شخص کے ہو نہیں سکتی۔

یا کبھی بہ سبیل تذکرہ کسی آیہ کریمہ کا ذکر آگیا تو آپ نے بامحاورہ الفاظ میں اس کا ترجمہ کیا اور معہ شان نزول اس کی تفسیر بیان کی اور دیگر مفسرین کے اقوال سے استنباط فرمایا بلکہ وہ رموز و نکات بیان کئے جن کا علم سامعین کو پہلے نہ تھا۔

ایک مرتبہ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی اور حافظ احمد شاہ صاحب وارثی کے مکرر اصرار سے حضور قبلۂ عالم کی جناب میں اس ہیچمداں نے یہ عرض کیا کہ فضلِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور فضل اہلبیت میں کیا فرق ہے ارشاد ہوا کہ اس مسئلہ میں صوفیائے کرام کے ساتھ قریب قریب جملہ متقدمین علمائے عظام کا اتفاق ہے کہ اصحاب رسالت مآب صلعم کی تعظیم واجب ہے اور اہلبیت رسول اللہ کی محبت فرض ہے اور یہ آیتہ مودت "قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ" کی تلاوت فرمائی۔ پہلے لفظی ترجمہ سمجھایا۔ بعدۂ معہ شان نزول اس کی تفسیر میں عرصہ تک موزوں نکات فرمائے

ایک مرتبہ چودھری لطافت حسین صاحب وارثی رئیس رام دانہ ضلع سیتاپور کے یہاں حضور مہمان تھے اور یہ نحیف بھی ہمراہ رکاب تھا اور ایک مولوی صاحب بھی جو شاید اہلحدیث تھے۔ پہلے سے وہاں مقیم تھے انہوں نے اپنے خیال کے مطابق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلیل القدر شان میں آیہ "لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ" کے حوالے سے مساوات ظاہر کی۔ یہ سُن کر وہاں کے دیگر حضرات نے بھی اختلاف کیا اور میں نے بھی دیر تک مولوی صاحب سے اس مسئلہ میں گفتگو کی مگر مولوی صاحب نے کسی کا عذر منظور نہ کیا جب اس مباحثہ کی اطلاع حضور کو ہوئی تو فرمایا کہ بجائے اس بحث کے مولوی صاحب سے اسی قدر کہہ دینا کافی تھا کہ آپکی پیش کردہ آیہ کریمہ کی دوسری صحیح قرأت فا، بالفتح یعنی "مِنْ أَنفَسِكُمْ" ہے جو آپکے دعویٰ کے صریح منافی ہے۔

یہ واقعات شاہد ہیں کہ آپ کو علم قرأت وتفسیر میں کافی مہارت تھی۔ اور مفسرین کے اقوال ازبر تھے جو آپکی فطری ذہانت اور قوت حافظہ کی بین دلیل بھی ہے کہ بارہ چودہ سال کی عمر میں جو پڑھا تھا اور پھر کبھی درس تدریس کا اتفاق نہیں ہوا اور اسی سال کی عمر میں اسکو بیان کر دیا۔ معہذا اگر کبھی کسی حدیث کا ذکر آگیا تو بغیر غور وتامل بحوالہ اسماء الرجال اس کی صحت یا عدم صحت میں آپ نے برجستہ گفتگو کی۔ اور دوسری حدیث سے استدلال فرما کر اس مسئلہ میں ایسا محکم فیصلہ کیا جس سے سامعین مطمئن ہوگئے۔

ایسا بھی ہوا کہ کسی اختلافی مسئلہ کو حضور سے دریافت کیا تو بکمال شرح وبسط آئمہ مجتہدین

کے اقوال کاحوالہ دیکر فرمایا کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ مذہب ہے اور امام شافعیؒ کی یہ رائے ہے اور حضرات صوفیہ یہ فرماتے ہیں۔

یہ بھی دیکھا ہے کہ حضور قبلۂ عالم اہل عرب سے سلیس عربی میں اور اہل ایران سے بے تکلف اور روانی کے ساتھ فارسی میں باتیں کرتے تھے۔

الحاصل اس مضمون کے واقعات بکثرت ہیں جنکو بہ نظر غائر دیکھا جائے تو آپکے فاضلانہ ارشادات سے آپکے علمی تبحر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ علوم ظاہری میں ضرور فارغ التحصیل اور صاحب تحقیق اور وسیع النظر تھے۔ کیونکہ آپ کی معلومات بجائے خود ایک محقق عالم کی حیثیت رکھتی ہے۔

بہرکیف آپ نے فراغ حاصل کیا یا ترتیب فراغ آپ کی تعلیم ہوئی اس میں نہ بحث کی ضرورت ہے اور نہ ہمارا یہ منشا ہے کہ آپ کی ظاہری تعلیم کا جو معیار ہو۔ اسی اعتبار سے آپ کے تبحر اور تحقیق کا اندازہ کریں اس لئے کہ حضرات صوفیائے کرام اور اولیائے عظام نے بالاتفاق اور مسلمہ طور پر فرمایا ہے کہ مقربین بارگاہ حضرت احدیت جل جلالہٗ کو اس وجہ سے علوم ظاہری میں کمی کوئی وقعت بلکہ کامل عبور ہوتا ہے کہ جب سرکار مبداء فیاض سے ان کو علم باطن جس کو اصطلاحات صوفیہ میں خلعت وہبی اور تشریف ازلی کہتے ہیں تفویض ہوتا ہے تو وہ برگزیدہ حق ظاہری درس و تدریس کے محتاج نہیں رہتے۔ بلکہ بغیر تعلیم و تربیت مشق و مزاولت۔ بجہت تقویت علم معنوی جملہ علوم و فنون پر حاوی اور متصرف ہوجاتے ہیں اور بوقت ضرورت جب ان علوم و فنون کا ذکر آجاتا ہے۔ تو ایسی تصریح اور تشریح سے ان کی توجیہہ فرماتے ہیں کہ ان علوم و فنون کے بہترین ماہر معلوم ہوتے ہیں کیونکہ یہ علوم و فنون اگر بمشابہ جسم ہیں تو باطنی علم بمنزلہ روح کے ہے۔ عالم علم ظاہر اہل تن اور ماہر علم باطن اہل دل محبوبین حضرت ذوالمنن ہیں۔ بقول مولانا علیہ الرحمہ ؎

علمہائے اہل دل حمال شان　　　علمہائے اہل تن احمال شان

علم چوں بر دل زنی یارے شود　　　علم چوں بر تن زنی بارے شود

گفت ایزد یحمل اسفارہٗ | بار باشد علم کان نبود ز ہو ا
نوش اصافی کن از او صاف خود | تا بہ بینی ذات پاک صاف خود
بینی اندر دل علوم انبیاء | بے کتاب و بے معید و اوستا
بے صحیحین و احادیث و روات | بلکہ اندر مشرب آب حیات

چنانچہ حضرات صوفیائے کرام نے علم کے اقسام و مدارج میں بکمال صراحت فرمایا ہے کہ علم کی تین قسمیں ہیں اوّل علم شریعت جس کے قواعد وضوابط درج سفینہ ہیں اور تحصیل اس کی مشق اور کوشش پر موقوف ہے۔ جس کی تکمیل سے دینی معاملات اور دنیوی ضروریات کا انکشاف اور ہدایت وضلالت کا امتیاز ہوتا ہے اور اس کا حسن وکمال درستی اقوال واحوال سے ہے۔

دوم علم طریقت جو تعلق رکھتا ہے تکمیل صفات نفسانیہ وروحانیہ سے جہت تخلق بہ اخلاق الٰہی اس کا معلم مرشد کامل ہوتا ہے اور اس کی تعلیم بغیر تحریر وتقریر ہوتی ہے۔ اور اس کا متعلم بے قوت چشم وگوش پڑھتا اور سمجھتا ہے۔ اسی علم کی نسبت مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

آں طرف کہ عشق می افزود درد | بو حنیفہ شافعیؒ درسے نکرد

سوم علم حقیقت یہ علم عین معرفت حق ہے اس علم کے ذریعہ سے سالک اسماء وصفات حقائق ومعارف حضرت رب قدیر وقدیم سے آگاہ ہوتا ہے جس کے حصول کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ سالک کو بغیر استدلال وبرہان صرف مشاہدہ اور اعیان سے یہ علم حاصل ہوتا ہے اس کو علم ذوقی وکشفی کہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بے تأمل وتکلف اور بغیر واسطہ ووسیلہ پروردگار عالم کی جانب سے یہ علم حاصل ہوتا ہے اُس کو علم وہبی ولدنی کہتے ہیں۔ اس علم کی نسبت یہ کہنا صادق آتا ہے ؎

علم آں باشد کہ جاں زندہ کند | مرد را باقی و پائندہ کند

حضرات عارفین اسی علم کے عالم اور اسی علم کے برکات اور اثرات سے جملہ علوم وفنون پر قادر ومتصرف ہوتے ہیں۔

چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ حضور قبلۂ عالم علاوہ علم شریعت کے جس کی بظاہر تعلیم ہوئی تھی دوسرے اُن فنون پر بھی حاوی اور ان کی حقیقت سے کماحقہ خبردار تھے جن کی تحصیل کا نہ کسی روایت میں ذکر ہے اور نہ کوئی قرینہ ہے مگر جب کبھی ان فنون کا تذکرہ آگیا تو ان کے اصول وقواعد ایسی صراحت وصناحت سے بیان فرمائے کہ ان فنون کے ماہرین نے اقرار کیا کہ آپ کو کافی مہارت اور کامل دستگاہ ہے جس کی وجہ یہی تھی کہ آپ کو وہ علم منجانب اللہ تفویض ہوا تھا جو تمامی علوم وفنون کی اصل ہے اور جس کا عالم جملہ علوم وفنون پر قادر اور متصرف ہوتا ہے اس لحاظ سے ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ یہ تحقیق کیا جائے کہ علم ظاہری میں آپ نے تکمیل فرمائی یا نہیں۔

بیعت طریقت الغرض یہ روایت متواترات سے ہے کہ چھ سات سال مسلسل آپ کے اعزا نے علوم ظاہری کی تعلیم میں پورا اہتمام فرمایا لیکن جس قدر آپ نے تعلیم میں ترقی فرمائی۔ اسی قدر جوش عشق روزافزوں ہوتا گیا حتیٰ کہ قریب قریب ہر وقت وجدانی حالت اور استغراقی کیفیت رہنے لگی طبیعت تنہائی پسند ہوگئی۔ اکثر غیر آباد مقامات میں آپ تمام شب ذکر واشغال میں مصروف رہتے تھے۔ جب حضرت حاجی خادم علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے مزاج ہمایوں کو فقر کی جانب زیادہ مائل دیکھا تو حسب سنت مشائخین عظام آپ کو سلسلۂ قادریہ وچشتیہ میں داخل فرمایا تو آپ کا سینۂ بے کینہ جو ازل سے حقائق ومعارف کا گنجینہ تھا۔ پیران طریقت کے فیضان سے اور زیادہ مصفا ومجلا ہوگیا۔ فراق شاہد حقیقی کے ناقابل برداشت اثرات سے اضطراری کیفیت بڑھ گئی۔ رات دن بے قرار رہنے لگے۔

وصال حاجی خادم علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اسی دوران میں حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحبؒ کی طبیعت ناساز ہوئی۔ ہرچند مشہور اور حاذق اطبا نے اتفاق رائے سے علاج میں بہت کوشش کی۔ مگر بجائے افاقہ کے مرض میں یوماً فیوماً

ترقی ہوتی گئی آخر وہ معمولی علالت بڑھ کر مرض الموت ہو گئی اور بتاریخ ۱۴ صفر المظفر ۱۲۵۲ھ کو جسد اطہر سے طائر روح پرفتوح نے پرواز کیا اور داخل جوار رحمت ایزدی ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

صبح کو علماء اور مشائخین اور شہر کے دیگر عمائدین اور اعزا اور مسترشدین جمع ہوئے۔ جناب اکبر شاہ صاحب اور بعض دیگر مقدس حضرات نے غسل دیا اور بکمال تزک و احتشام جنازہ اٹھایا گیا اور محلہ گولا گنج میں سپرد مزار اقدس کیا گیا۔

بعض حضرات نے تاریخ وصال ۱۳ صفر ۱۲۵۳ھ تحریر فرمائی ہے۔ لیکن منشی شیخ بوعلی صاحب تعلقدار و رئیس دیوی شریف حضرت خادم علی شاہ صاحب کے مخصوص حلقہ بگوشوں تھے بلکہ ابتدائی حالت سے خدمت تیمارداری میں مصروف رہے اور تاحیات بقید تاریخ مرشد برحق کا نقل کرتے رہے۔ وہ فرماتے تھے کہ میری یادداشت میں لکھا ہے کہ ۱۴ صفر ۱۲۵۲ھ ہجری کو آپ کا وصال ہوا۔

رسم دستار بندی تیسرے روز رسم فاتحہ خوانی ہوئی۔ رؤسائے شہر اور مریدین و معتقدین کے علاوہ علمائے دین و حضرات مشائخین کا مجمع ہوا اور بعد فاتحہ خوانی کے رسم دستار بندی کا مسئلہ پیش ہوا اور مولوی منا جان صاحب نے جو آپ کے لنگر خانہ کے مہتمم بھی تھے نقرئی کشتی میں ایک دستار رکھ کر صاحبان جلسہ کے روبرو پیش کی اور عرض کیا کہ آپ حضرات کو جو اس کا اہل معلوم ہو اس کو یہ خلعت مرحمت فرمائیں۔ چنانچہ نبیرۂ حضرت غوث گوالیاری و نبیرۂ اکبر شاہ صاحب نے اس منصب کے واسطے حضور قبلہ عالم کو تجویز فرمایا اور دیگر مشائخین نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور اس پگڑی کو حضور کے فرق انور پر مشائخین عظام نے اپنے مقدس ہاتھوں سے باندھا۔

یہاں تک دستار بندی کا واقعہ مستند روایات اور حضور قبلۂ عالم کے ارشادات کے مطابق ہے۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ حقانیہ نے صفحہ ۱۴۲ میں اسی مندرجہ بالا مضمون کو

قدر وضاحت کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ باوجود اس صراحت کے اصل واقعہ کے لحاظ سے یہ قصّہ ہنوز ناتمام ہے۔ شاید پورے واقعات سے آپ کو اطلاع نہ تھی یا کسی مصلحت سے اس واقعہ کا آخری حصّہ نظر انداز کیا گیا۔ کیونکہ حضور قبلۂ عالم نے یہ قصّہ بہ تمام وکمال اور متواتر ارشاد فرمایا ہے۔ جس سے خدام خاص اور دیوی شریف کے ممتاز حضرات اور دیرینہ حلقہ بگوش کماحقہٗ واقف ہیں۔

علیٰ ہذا رسالہ "جلوہ وارث" کے قابل مولف حکیم صفدر علی صاحب وارثی نے صفحہ ۶۰ میں اس واقعہ دستار بندی کی دو صورتیں دکھائی ہیں ایک صورت تو وہی ناتمام صورت ہے جو صاحب "مشکوٰۃ حقانیہ" نے نقل فرمائی ہے کہ بروز سویم مقدس اور برگزیدہ مشائخین نے حضور قبلہ عالم کے فرق انور پر پگڑی باندھی اور دوسری جدید صورت مؤلف موصوف صفحہ ۶۱ میں یہ ارقام فرماتے ہیں کہ "بمقابلہ مؤلف دنیز دیگر صاحبان مثل شیخ حسین صاحب نمبردار موضع سادہ مئو ضلع بارہ بنکی حضرت سلطان الاولیا نے بتذکرۂ خلافت فرمایا کہ سنا سنا بوقت خرقہ پوشی ہم کو دو کرتے پہنائے گئے ایک قادریہ، دوسرا چشتیہ جب میں بازار کی سمت نکلا ایک کرتہ کبابچی کو دیکر کباب کھالیا اور دوسرا حلوائی کو دے کر شیرینی کھالیا۔

ترکیب عبارت سے قطع نظر چونکہ لفظ کرتہ پوشی قبل اس کے نہیں سُنی تھی۔ اس جہت سے غیر مانوس ضرور معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ جملہ دیرینہ حلقہ بگوش اور بارگاہ وارثی کے زیادہ حاضر باش اور دیوی شریف کے مقتدر رئیس اور قدیم خدمتگزار بلکہ خدام خاص جو آج بقید حیات ہیں اُن کے کان لفظ کرتہ پوشی سے آشنا نہیں ہیں حالانکہ یہ واقعہ دستار بندی انہوں نے حضور قبلۂ عالم کی زبان مبارک سے متواتر سنا ہے۔

لیکن اتفاق سے مولف موصوف کی نقل کردہ اس روایت کے بھی بعض الفاظ اس صحیح اور مستند روایت کے مخصوص مضامین سے ملتے ہیں جو ذیل میں نگارش کرتا ہوں۔

جناب شاہ فضل حسین صاحب وارثی زیب سجادۂ حضرت شاہ محمد عبد المنعم قادری کنز المعرفت

علیہ الرحمۃ جو دیوی شریف کے معمر اور ممتاز اور ذی وجاہت بزرگ اور حضور قبلۂ عالم کے قدیم خدمتگار حلقہ بگوش تھے۔ اس تقریب دستار بندی کی نسبت اکثر فرمایا ہے کہ کبابی رشیخ غلام علی صاحب عرف گھیسٹے میاں جو حضور قبلۂ عالم کے ہم مکتب اور ساتھ کھیلنے والوں میں تھے۔ اپنے والد کے ہمراہ سیدی حضرت حاجی خادم علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے فاتحہ سوم میں لکھنؤ گئے تھے۔ چونکہ گھیسٹے میاں ہمجولی اور بچپن سے بے تکلف تھے۔ بعد رسم دستار بندی کے حضور سے کہا کہ اس وقت کباب کھانے کو دل چاہتا ہے۔ حضور نے کبابی سے چار پیسے کے کباب خرید فرمائے۔ جب کبابی نے پیسے طلب کئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ پیسے تو ہمارے پاس نہیں ہیں کبابی نے کہا اگر پیسے نہیں ہیں تو انکی عوض کوئی اور چیز دیدیجئے۔ حضور قبلۂ عالم نے وہی دستار جو بکمال اہتمام آپ کے سر اقدس پر باندھی گئی تھی اتار کر کبابی کو دیدی اور فرمایا کہ اپنے پیسوں کے بجائے یہ لے لو۔ کبابی یہ خلعت فاخرہ پاکر مسرور ہوگیا اور اس دستار کو حرز جان بنایا۔

حقیقت یہ ہے کہ عاشقان جانباز کا خاصہ ہے کہ اسباب نمود و نمائش سے ہمیشہ احتراز قطعی فرماتے ہیں اور ماسوائے شاہد حقیقی موجودات سے مستغنی اور بے نیاز رہتے ہیں۔ بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ ؎

گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنی است ۔۔۔ اسیر بند تو از ہر دو عالم آزاد است

بلکہ اس نحیف نے بھی اس عمر کبابی کو اپنی صغر سنی میں دیکھا تھا اور اس کا تذکرہ حضور قبلۂ عالم سے بھی عرض کر چکا تھا کہ میں اس خوش نصیب کبابی کا روشناس ہوں۔ اس لحاظ سے میری حاضری کے وقت جب اس کبابی کا ذکر آتا تھا تو حضور مجھ سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے کہ شید اتم نے تو اس کبابی کو دیکھا ہے۔

چنانچہ جس زمانہ میں بہت کثرت ضعف ترک جوار کی بھی سیاحت موقوف فرماکر حضور دیوی شریف میں قیام پذیر تھے تو ایک روز مسترشدین کا مجمع تھا۔ حضور قبلۂ عالم نے ٹھاکر پنچم سنگھ صاحب وارثی رئیس ملاؤلی ضلع مین پوری سے جو آج دقار شاہ کے ممتاز خطاب سے موصوف ہیں مخاطب ہو کر فرمایا ٹھاکر۔ حاجی خادم علی شاہ (علیہ الرحمۃ) کے سویم میں جب لوگ جمع ہوئے تو مولوی منا جان نے ہم سے کہا کہ آج تمہارے پگڑی بندھے گی ہم نے کہا کہ پگڑی

جھگڑا ہم نہیں جانتے۔ انہوں نے دکھایا کہ کشتی میں ایک پگڑی اور بہت سے روپیہ رکھے ہیں۔ یہ دیکھ کر ہم نے دل میں کہا کہ یہ نقد مال ہاتھ آئیگا تو خوب خرچ کرینگے۔ لیکن محفل میں لاکر پگڑی تو ہمارے سر پر باندھدی گئی اور وہ روپیہ گھر میں بھیج دیئے گئے۔ جب قوالی ہونے لگی تو ہم اٹھ کر چلے آئے گھسیٹے نے کہا چلو کباب کھائیں۔ ہم نے چار پیسے کے کباب لئے کبابی نے پیسے مانگے۔ تو ہم نے پگڑی اُتار کر دے دی اور کہا اپنے پیسوں کے بدلے میں اس کو لے لو۔ گھر میں آئے اور ہمشیرہ نے یہ حال سنا تو کہا تو معلوم ہو گیا کہ تم سیّدواڑہ کا نام خوب روشن کروگے۔

غرض حضور قبلۂ عالم کی دستار بندی کا واقعہ بھی اپنی نوعیت میں یگانہ ہے اور اس قدر مشہور ہے کہ ارباب دیوی شریف تو اپنے بزرگوں سے سن کر عام طور پر واقف ہیں اور غلامان وارثی میں وہ ارادتمند جن کو دیرینہ شرف حضوری حاصل ہے یا جن کو سعادت آستان بوسی اکثر نصیب ہوتی تھی اور شرف حاضری سے مشرف ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے تو خود حضور کی زبان فیض ترجمان سے یہ قصّہ بالتفصیل اور متواتر ضرور سنا ہوگا۔ کیونکہ اکثر حضور اپنی دستار بندی کا واقعہ بیان فرماتے تھے اور کبابی کا ذکر تو ایسے حجاب آگیں انداز اور تبسم لبوں سے کرتے تھے کہ شان محبوبیت کا اظہار ہوتا تھا۔

سلسلۂ رشد و ہدایت لیکن جس طرح چار پیسے کے عوض گراں بہا خلعت دیکر کبابی کی پرورش فرمائی اسی طرح خاص و عام کی امداد دستگیری آپ کا خاص مشغلہ تھا اگر غربا و مساکین کے ساتھ مالی سلوک کرتے تو طالبین حق کی رہنمائی اور بکمال شفقت ان کو محبت الٰہی کی ہدایت فرماتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی قلیل عرصے میں سینکڑوں ارادتمند داخل سلسلہ ہوئے اور بعض خوش نصیب آپ کے تصرّفات سے صاحب دید دیانت ہو گئے۔ چنانچہ میرے والد ماجد کو بھی اسی دوران میں تمغائے غلامی مرحمت ہوا۔ حالانکہ بظاہر وہ ذی استعداد اور بہت متشرع شخص تھے۔ اور عمر بھی اڑتیس سال کی تھی .... مگر ان کی ارادت کا عجیب قصّہ ہے۔

چنانچہ والد ماجد نے اپنی ارادت کا واقعہ یوں بیان فرمایا ہے کہ حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی روحانی شخصیت کا چونکہ شہرہ تھا اس لحاظ سے میں بھی بطور نیازمندی

اُن کی تقریب سیوم میں شریک ہوا۔ بعد فاتحہ خوانی کے دیکھا کہ نہایت وجیہہ اور غایت حسین ایک نوعمر صاحبزادہ کے سرِ اقدس پر معتقد رمشائخین نے پگڑی باندھی۔ میرے دل پر ان صاحبزادے کی عظمت وجلالت کا غیر معمولی اثر ہوا۔ ارادہ کیا کہ مصافحہ کروں مگر رعب حق ایسا سدراہ ہوا کہ قریب نہ جاسکا اور مکان واپس آیا۔ لیکن اس کا الیقین کامل ہو گیا کہ یہ صاحبزادہ برگزیدہ خدا ہیں اور ان کے پردے میں کوئی بڑی قوت کارفرما ہے۔

چند روز کے بعد انھیں صاحبزادے کو عالم رویا میں یہ فرماتے دیکھا کہ "ہمارے پاس آیا کرو" علی الصباح حصول قدموسی کے شوق میں گھر سے چلا۔ جب مسجد ٹل قصہباں کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہی صاحبزادے مسجد سے برآمد ہوئے اور میرے سلام کا نہایت اخلاق سے جواب دیکر فرمایا کہ "ٹھہرو ہم آتے ہیں" تھوڑے عرصہ میں زنانی محلسرائے سے ڈھونڈ کر چرخی اور ایک کنکوا ہاتھ میں لئے تشریف لائے اور کنکوا مجھ کو دے کر ارشاد ہوا کہ "چھوڑائی دو" ۔ حسب الحکم کنکوے کی ڈور پکڑ کر ہنوز ۱۰، ۱۵ قدم گیا تھا کہ مسکرا کر فرمایا "اب ڈور نہ چھوٹے" اس مختصر جملہ کا میرے قلب پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ اشکبار قدموں پر گرا۔ اور عرض کیا کہ بلله دستگیری فرمائیے۔ کہ میرے کمزور ہاتھوں سے آپ کی ڈور نہ چھوٹے آپ بیٹھ گئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ کہو۔ "ہاتھ پکڑتا ہوں پیر کا"۔ میں نے یہ جملہ ادا کیا تو آپ نے ہاتھ چھوڑ کر چند ہدایتیں کیں اور فرمایا "جاؤ ۔ دنیا کے طالب نہ ہونا اور خدا کی محبت میں بندگان خدا کی بقدر امکان خدمت کرنا اور قلب کی نگرانی اور انفاس کے شمار سے غافل نہ ہونا" اور پھر آپ محلسرائے میں تشریف لے گئے۔

میں حسب ہدایت مکان تو واپس آیا مگر دل کا تقاضا تھا کہ یہیں پڑے رہو اور انہیں کی دلپذیر صورت کو جو قدرت کی مجسّم تصویر ہے دیکھا کرو۔ بلکہ اسی اضطراب کی وجہ سے روزانہ خدمت والا میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک ہفتہ کے بعد آپ نے یہ پرورش فرمائی کہ غریب خانہ پر تشریف لائے اور تمہاری والدہ کو بھی داخل سلسلہ فرمایا اور بتاکید ارشاد ہوا کہ "ایک صورت کو پکڑ لو۔ وہی

صورت یہاں بھی تمہارے سامنے رہے گی اور قبر میں بھی اسی کا سامنا ہوگا۔ اور حشر میں بھی اسی کو دیکھو گی۔"

والد مرحوم ناقل تھے۔ کہ اسی زمانہ میں داراخاں صاحب داروغہ سلطان حسین صاحب، علی دادخاں صاحب، مولوی امتیاز علی صاحب فرخ آبادی، شاہزادہ نواب جہانگیر مرزا صاحب بھی حلقہ غلامی میں داخل ہوئے اور ان کی ارادت وبیعت کے واقعات بھی عجیب وغریب ہیں۔ (جن کا تذکرہ مؤلف آئندہ نگارش کرے گا۔)

سفر حجاز کے مختصر حالات

غرض آخر ربیع الاول تک رشد وہدایت کا یہ سلسلہ جاری رہا اور متعدد بندگان خدا کو حلقہ بگوش ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور شروع ربیع الثانی میں حضور قبلہ عالم دیوی شریف تشریف لے گئے۔ اور بزرگوں کا متروکہ اثاث البیت پہلے غریب اہل محلہ فیز مساکین کو تقسیم فرمایا۔ اور جملہ جائداد زمینداری، اور کتابوں کا بیش قیمت ذخیرہ اعزاء واحباب کو دیا۔ اور ملکیت کے کاغذات تالاب میں ڈبوکر حب بجز ذات حضرت احدیت جل جلالہٗ دنیا کی کسی چیز سے آپ کو سروکار نہ رہا۔ تو ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۶ء کو عازم سفر حرمین شریفین ہوئے۔ مریدین ومعتقدین نے بہت اصرار کیا کہ ایسے دور دراز سفر کے واسطے زاد راہ کے علاوہ ایک رفیق کا ہمراہ رکاب ہونا بہت ضروری ہے۔ مگر حضور نے انتظام عالم اسباب کو قطعی ناپسند کیا۔ اور وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا فرماکر پاپیادہ روانہ ہوئے۔ بمصداق

حافظ چو تو پا در سرم عشق نہادی ۔۔۔ در دامن او دست زن واز ہمہ بگسل

یہ روایت بھی مشہور ہے کہ حضور قبلۂ عالم نے حضرت حاجی خادم علی شاہ علیہ الرحمتہ کو عالم رویا میں دیکھا۔ کہ سفر مکۂ معظمہ کا اشارہ فرماتے ہیں۔ پس آپ کے شوق باطنی کو اشتعال ہوا۔ تعلقات دنیا سے دست کش ہوئے ـــــــ اور حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے ـــ

لیکن حقیقت یہ ہے کہ بعض جزیات کے سوا اس مقدس سفر کے جملہ حالات سے

کما حقہ اور بالتفصیل واقفیت ہم کو نہیں ہے. کیونکہ جو واقعات ہندوستان کے اندر رونما ہوئے. ان میں سے چند مقامات کے کچھ حالات ان سابق الارادت حضرات سے تو ضرور منقول ہیں. جو اس دوران میں شرف بعیت سے مشرف اور خدمت مہمانداری سے مستفید ہوئے. اور وہ حالات جن کا وقوع ہندوستان کے باہر ہوا. ان کی نسبت زیادہ سے زیادہ ہماری واقفیت کا یہ معیار ہے کہ اکثر واقعات کا صرف ابتدائی حصہ ہم نے سنا ہے. اور بعض کے نتیجۂ آخر کا علم ہے. اور کسی کے درمیانی مضمون سے کان آشنا ہے. مگر کوئی مکمل واقعہ مستند ذرائع سے بصراحت گوش گزار نہیں ہوا. اس لئے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ سرزمین عرب کے مسلسل حالات اور مفصل واقعات گویا بصورت اسرار پردۂ خفا میں مستتر ہیں. جن کا اظہار کسی خاص وجہ سے عام طور پر نہیں ہوا. اور اسی وجہ سے ہم کو اعتراف ہے کہ ہماری معلومات کا دائرہ بہت محدود ہے.

جس کا ظاہری سبب یہ ہے کہ ہم غلامان وارثی کو اس مبارک سفر کے واقعات سے خبر دار ہونے کے لئے صرف دو ہی ذرائع تھے. ایک یہ کہ وہ شخص بیان کرتا جو چار سال تک برابر اس سفر میں حضور قبلۂ عالم کے ہمراہ رکاب ہوتا. اور دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ خود سرکار عالم پناہ ہر مقام کے حالات بالتفصیل بیان فرماتے. لیکن یہ دونوں ذرائع تقریباً مفقود رہے.

کیونکہ مستند روایات اور حضور کے ارشادات سے ثابت ہے کہ اس چہار سالہ سفر میں کوئی خادم مستقل طور پر آپ کی خدمت بابرکت میں نہیں رہا. جو حضور کے ہمراہ یا بعد کو یہاں آتا! اور مختلف مقامات کے مفصل حالات بیان کرتا. بلکہ کوئی ایسا خادم بھی آپ کا نہیں آیا جو چند روزہ ہی فیضان خدمت سے مستفیض ہوتا جس سے کچھ تو اس مقدس سفر کے حالات معلوم ہوتے.

اور بعض خدام کے اسمائے گرامی جو اکثر بیان کئے جاتے ہیں. تو وہ بغیر معتبر حوالہ کے ہیں. اسلئے وہ منقطع روایات قابل اطمینان نہیں. اور اگر ان کو صحیح بھی مان لیا جائے تو قرینہ ہے کہ راوی نے شاید ان لوگوں کو خادم کے خطاب سے موصوف کیا ہے. جو ایسے دشوار گزار راستہ میں کچھ روز کے واسطے عموماً ہم سفر ہو جایا کرتے ہیں. کیونکہ حضور کے کسی ارشاد سے خادم

کا ہمراہ ہونا ثابت نہیں ہے۔ اگر کوئی بحیثیت خادم ہوتا تو آپ اسکا ذکر کبھی ضرور فرماتے۔
یا ایسا ہوا ہو کہ آپ کے فیض عام کا چشمہ کبھی بند تو ہوا نہیں اس لئے ممکن ہے کہ وہ خادم
صاحب قبلۂ عالم کے عام ارادتمندوں میں سے ہوں اور ایک محدود زمانہ تک وہ شرف خدمت
سے مستفیض بھی ہوئے ہوں۔ مگر وہ لوگ بھی ہندوستان واپس نہیں آئے یا آئے بھی ہوں۔ تو
کسی دور دراز مقام کے باشندے تھے۔ جو بعد مسافت کے لحاظ سے اس دیار میں نہیں آسکے
ورنہ ضرور تھا۔ کہ اس مقدس سفر کی کوئی روایت تو ان سے منقول ہوتی مگر ایسا ہوا نہیں۔
اب رہی دوسری صورت کہ خود حضور قبلۂ عالم اپنے سفر کے مسلسل حالات، اور مفصل
واقعات اور فیوض و برکات کے افسانے اور مخصوص تصرفات کے قصے بیان فرماتے۔ تو وہ سوانح
سراپا معتبر بھی ہوتے۔ اور آج ان کے نقل کرنے میں بہت زیادہ آسانی ہوتی۔ لیکن یہ آپ
کی سادگی پسند طبیعت کے منافی تھا کیونکہ مزاج ہمایوں کو نمود و شہرت سے قطعاً نفرت تھی۔
علی الخصوص واقعات حجاز کے اظہار میں متضاد کش مکش تھی۔ کہ انداز طبیعت تو اس کا
متقاضی کہ اس واقعہ کا ہرگز ذکر نہ آئے جس میں اپنی عظمت و جلالت کا اشارہ بھی ہو اور حقیقت
حال یہ کہ آپ کے اس سفر کا قریب قریب کوئی واقعہ ایسا نہیں جو غیر معمولی نہ ہو تو ایسی
محتاط اور عالی خیال ہستی کو کیونکر گوارا ہو سکتا تھا کہ خود اپنے واقعات جو عجیب بلکہ عجیب تر
اور خوارق عادات سے زیادہ روشن اور جلیل القدر ہوں۔ ان کا ہم غلاموں کے سامنے
حرف بحرف اعادہ فرمایا جاتا۔
بلکہ اس مقدس سفر کے واقعات پر موقوف نہیں ہے۔ آپ کے مخصوص عادات میں
اس عادت کا بھی خصوصیت کے ساتھ شمار ہے۔ کہ اپنا کوئی غیر معمولی واقعہ مفصل اور
بصراحت نہیں فرماتے تھے۔ اگر کبھی بہ سبیل تذکرہ کسی عجیب و غریب واقعہ کا ذکر آگیا تو
بمصداق "گفتہ آید در حدیث دیگراں" آپ اسی قدر فرما کر اس قصہ کو ختم کر دیتے تھے
کہ ایک شاہ صاحب تھے۔ انھوں نے ایسا کیا۔

اسی طریقہ سے اکثر ایسا ہوا ہے کہ سفر حجاز کے کسی واقعہ کا ذکر آگیا۔ اور سلسلۂ تقریر کے لحاظ سے کوئی حصہ اس واقعہ کا بیان کرنا لازمی ہوا۔ تو حضور قبلۂ عالم نے حجاب آمیز تبسم فرما کر دبی زبان سے مختصر الفاظ میں اس واقعہ کا صرف وہی حصہ بیان کیا! اور بقیہ مضمون کو چھوڑ دیا چنانچہ ایسے مواقع بیشتر پیش آئے اور مختلف واقعات کے ابتدائی حصص یا آخری نتائج ضرور غلامان وارثی کے گوش گزار ہوئے ہیں۔ مگر ان کی اس غیر مکمل واقفیت کو سوائے مجمل یا نا تمام معلومات کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے میرا خیال یہ ہے کہ سفر حجاز کے حالات و واقعات کی پوری تصریح اور کامل تشریح صحت کے ساتھ تو ناممکنات سے ہے۔ البتہ اسی قدر ہو سکتا ہے کہ سرکار عالم پناہ کے انھیں مختصر ارشادات کا مضمون و مفہوم ضبط تحریر میں آ سکتا ہے۔ جو وقتاً فوقتاً آپ نے ارشاد فرمائے ہیں۔ اور توسیع معلومات کے واسطے زیادہ کوشش کرنا نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے حضور کے سوانح سے واقف ہونا بلحاظ صحت اسی قدر کافی بھی ہے۔ اور مفید بھی۔

علیٰ ہذا اس کی صراحت بھی دشوار ہے کہ سرکار عالم پناہ نے لکھنؤ سے پہلا سفر حج پا پیادہ فرمایا۔ تو کس راستہ سے اور کس کس شہر سے آپ کا گزر ہوا۔ اور کہاں کہاں آپ قیام پذیر ہوئے کیونکہ حضور قبلۂ عالم سے اس کا ذکر بھی مسلسل نہیں سنا۔ لہٰذا اس کی نسبت بھی یہی صورت ہو سکتی ہے۔ کہ انھیں مقامات کا ذکر کروں گا۔ جن کا تذکرہ حضور نے کیا ہے۔ یا جس جس مقام کے معمر اور مستند حضرات نے حضور کی تشریف آوری کا حال مفصل یا بالاجمال چشم دید بیان کیا ہے۔ یا معتبر روایات سے مجھ کو علم ہوا ہے۔ اور باقی مقامات کا ذکر چھوڑ دوں گا۔

چنانچہ منقول ہے کہ حضور قبلۂ عالم جب بروز شنبہ قریب اشراق اپنی ہمشیرہ معظمہ سے وداع ہو کر محل سرائے سے برآمد ہوئے تو اسباب سفر میں صرف ایک سیاہ کمل آپ کے دوش مبارک پر تھا۔ پہلے جا کر حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے مزار پرانوار سے مل کر رخصت ہوئے۔ بعدہٗ مریدین و معتقدین سے مل کر دید شاہد حقیقی کے شوق میں کانپور کی

طرف تشریف لے گئے اور شاید پہلا مقام اوناؤ کے قریب ایک موضع میں ہوا۔

قیام اوناؤ جیسا کہ ڈپٹی محمد باقر خاں صاحب وارثی رئیس موضع آسیون ضلع اوناؤ کہتے تھے۔ کہ میرے والد ماجد نے جو ایک ہفتہ قبل آپ کے سلسلہ میں داخل ہوکر لکھنؤ سے واپس آئے تھے۔ دیکھا کہ آپ تشریف لاتے ہیں۔ بیساختہ کہنے لگے "مژدہ اے دل کہ مسیحا نفسے می آید" قدمبوسی کے بعد بکمال اصرار حضور کو غریب خانہ پر لائے اور انتظام مہمانداری میں مصروف ہوئے اہل بستی کو خبر ہوئی تو بعض فیضان صحبت سے مستفیض ہوئے اور بعض ارادتمندوں نے حلقہ بگوش ہوکر شرف غلامی حاصل کیا۔ صبح کو حضور نے عزم سفر فرمایا اور کانپور کی جانب روانہ ہوئے۔

قیام شکوہ آباد قرینہ ہے کہ حضور قبلۂ عالم نے قنوج اور فرخ آباد وغیرہ میں بھی قیام فرمایا۔ کیونکہ اس دیار کے تاریخی مقامات کا اکثر ذکر کیا ہے۔ اور وہاں کے بعض باشندوں کا قدیم ارادتمندوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اور یہ تو خود حضور نے فرمایا ہے کہ "ہم مین پوری کے راستہ سے شکوہ آباد گئے تھے۔ اور چاند تمباکو فروش کے مکان میں رہے تھے۔

شیخ چاند تمباکو کے مشہور تاجر تھے۔ وہ بیان کرتے تھے۔ کہ میں اپنے چچا کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھ کر آرہا تھا۔ دیکھا کہ تالاب کے کنارے ایک نوجوان مگر فرشتہ صورت درویش تنہا بیٹھے ہیں چچا ان کے قریب گئے تو ممدوح نے عجیب دل فریب لہجہ میں فرمایا۔ "آگئے" چچا صاحب قدمبوس ہوئے تو ارشاد ہوا۔ "تم تو ازلی مرید ہو" میں نے عرض کیا کہ حضور میں ...... فرمایا اچھا آؤ تم بھی مرید ہو جاؤ" میں مرید ہوا تو فرمایا کہ "خدا کا طالب جھوٹ نہیں بولتا جاؤ ہمیشہ ایمانداری سے کام کرنا۔"

پھر ہم دونوں کے اصرار سے آپ مکان پر تشریف لائے اور اسی روز ہمارا کل خاندان داخل سلسلہ ہو گیا۔ اور شہر سے جو شخص آتا تھا خدا معلوم کیا دیکھکر بیعت کی استدعا کرتا تھا لیکن بعض سے حضور سے یہ فرماتے تھے کہ "تم جس کے مرید ہو اسی کو دیکھو تم کو اسی صورت میں خدا ملے گا" اور جس کو مرید کرتے اس کو کوئی نصیحت ضرور فرماتے تھے۔ کسی کو حکم دیا کہ "ماں باپ کی خدمت سے غافل نہ ہونا" کسی سے فرمایا "رشوت نہ لینا" کسی سے ارشاد ہوا۔ "خدا کے حکم کی تعمیل

محبت خدا کی دلیل ہے۔" مولوی احسان الٰہی صاحب جو شکوہ آباد کے مقتدر رئیس تھے۔ ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ "خلق اللہ کی خدمت ایمان کی نشانی ہے"۔ مولوی صاحب موصوف گو بہت منتظم شخص تھے مگر حضور کے اس ارشاد کا ایسا اثر ہوا کہ اسی روز سے خیرات کرنے لگے حتیٰ کہ اپنی کل جائداد مساکین کی امداد میں صرف کردی اور بعد فراغ حج بیت اللہ مدینہ منورہ میں قیام کیا اور وہیں انتقال ہوا۔

علیٰ ہذا ایک روز مولوی جلال الدین صاحب واعظ پنجابی شوق قدمبوسی میں حاضر ہوئے ہیں نے خدمت فی الامیں ان کو پیش کیا۔ حضور نے معانقہ کیا اور فرمایا "مولوی صاحب جناب شیر خدا علی مرتضیٰ کا قول ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں سوتیں ہیں ایک جس قدر راضی ہوگی دوسری اسی قدر ناخوش ہوگی"۔ مولوی صاحب رونے لگے اور بکمال عجز و انکسار عرض کیا کہ میں دنیا اور تعلقات دنیا سے دست بردار ہوتا ہوں میری رہنمائی فرمائیے۔ حضور نے ان کو مرید کیا۔ اور جلال شاہ خطاب مرحمت فرما کر حکم دیا کہ "بستی کے باہر رہا کرو۔ کسی سے سوال نہ کرنا اور خدا کی محبت میں مٹ جانا"۔

محمد بخش صاحب شکوہ آبادی قدیم حلقہ بگوش بارگاہ وارثی جو اکثر دیوی شریف بھی آئے ہیں کہتے تھے کہ حضور کی تشریف آوری کی خبر پاکر قرب و جوار کے لوگ روز آنہ آتے اور داخل سلسلہ ہوتے تھے۔ چنانچہ اسی دوران میں مجھ کو بھی شرف غلامی حاصل ہوا اور پہلی ہدایت مجھ کو یہ ہوئی کہ جو اپنے معاملات خدا کے سپرد کرتا ہے۔ خدا اسکی پوری مدد کرتا ہے"۔

اسی زمانہ میں منور خاں گوالیاری جو میرے مکان کے قریب رہتے تھے اور شکوہ آباد میں غلے کے بڑے تاجر تھے۔ حضور کی قدمبوسی کے شائق ہوئے۔ اور میرے ہمراہ حاضر ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضور قبلہ عالم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ خانصاحب، دنیا کی محبت انسان کو حیوان سے بدتر بنا دیتی ہے اور خدا کی محبت سے انسان فرشتہ صفت ہو جاتا ہے"۔

دوسرے روز خانصاحب نے حاضر خدمت ہو کر یہ عرض کیا کہ رات کو میں نے یہ خواب دیکھا کہ مر رہا ہوں اور ایک بوڑھی عورت جس کا لباس کثیف اور متعفن ہے میرے پاس کھڑی ہے اور

کوئی کہتا ہے۔ یہ تمہاری دنیا ہے۔

صبح کو میں نے پہلا کام یہی کیا کہ جملہ کاروبار لڑکے کے سپرد کئے اور میں قطعاً علیحدہ ہو گیا اب جو حکم ہو اس کی تعمیل کروں۔ ارشاد ہوا کہ "تم بغداد شریف چلے جاؤ۔ اور مدائن میں حضرت سلیمان فارسی کے مزار پر جھاڑو دیا کرو۔ اور بے طلب جو پہنچے کھایا کرو۔" اسی دن خانصاحب روانہ ہو گئے۔

حکیم امجد علی خاں صاحب وارثی رئیس فیروزآباد فرماتے تھے۔ کہ میری عمر سولہ سال کی تھی ایک تقریب میں شکوہ آباد گیا۔ وہاں حضور قبلہ عالم کی تشریف آوری کی غیر معمولی شہرت سنی میں بھی مشتاق زیارت حاضر خدمت ہوا لیکن آپ کے چہرہ کی شان حق نمائی دیکھ کر دل بیقرار ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ آؤ خانصاحب! اس کریمانہ شفقت سے یہ جرأت ہوئی۔ کہ دوڑ کر قدمبوس ہوا۔ اور دست بستہ عرض کیا کہ آپکے سایۂ عاطفت میں آگیا ہوں اب للہ تمہارے غلامی مرحمت ہو حضور نے مرید کیا اور یہ پرورش فرمائی کہ تصور کے ساتھ باقاعدہ درود شریف پڑھنے کی ہدایت کی۔

دوسرے روز میں رخصت طلب ہوا تو فرمایا۔ جاؤ خدا کو منظور ہے تو پھر ملاقات ہو گی۔ میں نے عرض کیا۔ حضور راستہ میں فیروزآباد ہے۔ بڑی بندہ نوازی ہو اگر آپ مجھ غریب کے جھونپڑے میں قیام فرمائیں۔ مسکرا کر ارشاد ہوا۔ اچھا ہم جمعہ کو آئیں گے۔

حضور قبلہ عالم نے شکوہ آباد کا یہ قصہ بھی اکثر فرمایا ہے۔ کہ ہم شکوہ آباد گئے۔ تو منشی تہور علی جو خوشحال شخص تھے۔ معہ بیوی بچوں کے مرید ہوئے۔ دوسرے روز ایک صاحب طالب حسین نامی جب مرید ہو چکے تو زار زار رونے لگے سبب پوچھا۔ تو کہا منشی تہور علی صاحب کی بیٹی پر عاشق ہوں اور اپنی غربت کے لحاظ سے شادی کا سوال نہیں کر سکتا۔ وہ آپ کے مرید ہو گئے ہیں۔ اگر آپ میری سفارش فرمائیں گے۔ تو میرا کام بن جائے گا۔ ہم نے کہا تم صرف شادی کے واسطے مرید ہوئے ہو۔ کہا ہاں میں اسی کو اپنا اوج کمال جانتا ہوں۔ اس وقت تو رخصت کر دیا۔ مگر ہم کو اس عاشق کی یہ سچائی پسند آئی دوسرے روز منشی تہور علی آئے اور اتفاق سے اس وقت تخلیہ تھا۔ منشی صاحب ہم کو پنکھا جھلنے لگے

کہ حضور آپ ناتجربہ کار ہیں۔ اس عمر میں اور اتنا بڑا سفر اور اس بے سروسامانی کے ساتھ کرنا مناسب نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہیں بود و باش اختیار فرمائیں۔ میں اپنی لڑکی کی شادی آپ کے ساتھ کر دوں گا۔ اور بعد میرے آپ میری کل جائداد کے مالک ہوں گے۔

ہم کو ہنسی آئی کہ یہ شفیق ناصح خوب ملے۔ مگر کچھ کہا نہیں۔ وہ سمجھے کہ راضی ہیں۔ فوراً مکان پر جاکر شادی کا سامان کرنے لگے اور بیٹی کو مانجھے بٹھا دیا۔ جب ہماری روانگی کی خبر سنی۔ تو گھبرائے ہوئے آئے۔ اور کہا۔ اب آپ کہاں جاتے ہیں۔ اس وقت ہم نے سمجھایا کہ ہماری شادی کا خیال نہ کرو۔ کہنے لگے اب کیا ہو سکتا ہے۔ لڑکی تو مانجھے بیٹھ چکی ہے۔ ہم نے کہا منشی صاحب اگر ہمیں شادی کرنا ہوتی تو ہم گھر سے کیوں نکلتے۔ تب پریشان ہوئے اور کہا۔ اب کیا کروں۔ کوئی معقول رائے بتائیے۔ ہم نے کہا۔ ہماری رائے مانو گے کہا ضرور مانوں گا۔ ہم نے کہا اب لڑکی کا عقد طالب حسین کے ساتھ کر دو۔ مجبوراً انھوں نے یہی کیا۔ طالب حسین اپنی طلب میں صادق تھے ان کا کام ہو گیا۔ اور ہم وہاں سے فیروز آباد چلے گئے۔

قیام فیروز آباد حکیم امجد علی خانصاحب کہتے تھے کہ مکان پر آکر اپنی بیعت کا قصہ جب اعزا اور احباب سے بیان کیا تو ہر شخص نظارۂ جمال وارثی کا مشتاق ہوا۔ چنانچہ جمعہ کے روز سینکڑوں آدمی بستی کے باہر بغرض استقبال پہنچ گئے۔ قریب مغرب دیکھا کہ قدرت الٰہی کی مجسم تصویر چلی آتی ہے جملہ مشتاقین قدمبوس ہوئے اور بعض ارادتمندوں نے وہیں بیعت کی جب حضور قبلۂ عالم غریب خانہ پر تشریف لائے تو پہلے میرے اہل و عیال اور اعزا کو داخل سلسلہ فرمایا۔ اور سب لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد ہوا کہ " تصدیق ہونا چاہیئے کہ جس طرح خدا سب کا خالق ہے اسی طرح سب کا رزاق بھی ہے۔ جیسا کہ بغیر کسی کے مشورہ کے ہم کو پیدا کیا ہے، اسی طرح بغیر کسی کی سفارش کے جملہ مخلوق کو روزی پہنچاتا ہے۔ اس لئے ہم کو لازم ہے کہ اسی پر بھروسہ کریں۔ اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں " اور میری جانب دیکھ کر فرمایا " خاں صاحب خدا اس کو دوست رکھتا ہے جو مخلوق خدا کی بے غرض خدمت کرتا ہے "

خانصاحب موصوف یہ بھی فرماتے تھے کہ میرے مکان کے قریب نہایت شریف خاندان کی ایک بی بی آسیب زدہ رہتی تھیں۔ جن کو اتوار کے روز زیادہ شدت سے دورہ ہوتا تھا۔ انکے شوہر جب حلقہ بگوش ہوئے۔ تو اپنی بی بی کی حالت کا بھی ذکر کیا۔ حضور نے فرمایا۔ ہم عامل نہیں ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ سرکار ان کا علاج فرمائیں۔ بلکہ استدعا یہ ہے کہ حضور ان کو داخل سلسلہ کرلیں۔ تاکہ ان کا خاتمہ بخیر ہو۔

دوسرے روز آپ ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اتفاق سے وہ دن اتوار کا تھا دیکھا کہ وہ بالکل وارستہ مزاج ہیں۔ آپ نے پوچھا۔ تم کون ہو۔ بی بی صاحبہ نے نہایت مہذب آواز میں کہا کہ میں جن ہوں آپ نے فرمایا یہاں کیوں آتے ہو۔ اس نے کہا۔ مجھے اس سے محبت ہے اس لئے ہر اتوار کو دیکھنے آتا ہوں۔ آپ نے متبسم لبوں سے فرمایا۔ تم کیسے عاشق ہو۔ شرم نہیں آتی آٹھ روز کے بعد معشوق کو دیکھنے آتے ہو۔ عاشق صادق اس کو کہتے ہیں۔ جو ایک ساعت بھی دید مطلوب سے غافل نہ ہو۔ پس اگر عاشق ہو تو اب نہ جانا۔ اس نے کہا یہ مشکل ہے میں ایسی محبت سے باز آیا۔ اب کبھی نہ آؤں گا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد ان بی بی کو ہوش آگیا۔ حضور قبلۂ عالم تو مرید فرما کر چلے آئے بقیہ زندگی اس عورت کو پھر دورہ نہیں ہوا۔ اور اس واقعہ کے دوسرے روز آپ آگرہ تشریف لے گئے۔

(نوٹ) اس قصہ کو اور اسی عنوان سے مگر بغیر صراحت جائے وقوع حضور قبلۂ عالم نے اکثر ارشاد فرمایا ہے جو آپ کے دیگر واقعات کے سلسلہ میں نقل ہوتا لیکن چونکہ حکیم امجد علیخاں صاحب وارثی نے چشم دید بیان کیا۔ اس لحاظ سے اسکا ذکر فیروزآباد کے تحت میں نگارش کیا۔

قیام آگرہ حافظ گلاب شاہ صاحب وارثی متوطن آگرہ محلہ کٹرہ مداری خاں نے (جن کا ذکر مخصوص فقرائے وارثی کے سلسلہ میں آئندہ بہ تصریح نگارش کروں گا) اپنی بیعت کا یہ عجیب و غریب واقعہ فرمایا۔ کہ تعلیم کے زمانہ میں میرا ہم مکتب ایک لڑکا کسی بزرگ درویش کا مرید ہوا۔ اور مجھ سے بھی اصرار کیا۔ کہ تم بھی دست بیعت ہوجاؤ۔ اس کے بار بار کہنے سے شوق تو ضرور ہوا۔ مگر اس کے ساتھ

خود بخود یہ تذبذب بھی پیدا ہوگیا۔ کہ ان کا مرید ہوں یا نہیں۔ شب کو خواب میں دیکھا کہ ایک معمر مگر نہایت خوش رو بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ اگر مرید ہونا چاہتے ہو تو انتظار کرو۔ عنقریب تمہارا خضر طریقت پورب سے آئے گا۔

اس خواب سے دل ایسا متاثر ہوا کہ طبیعت میں وارفتگی آگئی۔ تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اکثر اضطرار قلب کی وجہ سے راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ مگر جب بیقراری ناقابل برداشت ہو جاتی تھی۔ تو انھیں برگزیدہ بزرگ کو خواب میں دیکھتا تھا۔ اور ان کے نورانی چہرۂ اقدس کے دیکھنے سے چند روز کی واسطے گونہ تسکین ہوجاتی تھی۔

تین سال کے بعد انھیں معمر حق شناس کو خواب میں یہ فرماتے دیکھا کہ لے بیدار بخت خبردار رہنا۔ تیرا حقیقی اور ازلی دستگیر آگیا۔ سرائے میں مقیم ہے۔ فوراً جا کر تلاش کر۔ اور شرف بیعت سے مشرف ہو۔

یہ مژدہ سنا تو آنکھ کھل گئی۔ گو رات باقی تھی۔ مگر اضطراب قلب کی وجہ سے انتظار کی تاب نہ تھی اسی وقت گھر سے نکلا اور بغیر کسی غور و فکر کے ایک جانب چلا۔ کارکنان قضا و قدر کی رہبری سے ہینگ کی منڈی میں جو سرائے ہے اس کے صدر دروازہ پر پہنچا۔ اور چوکیدار سے دریافت کیا کہ پورب کے کوئی درویش یہاں مقیم ہیں۔ اس نے کوئی معقول جواب تو نہ دیا مگر پھاٹک کھول دیا۔ اور کہا آپ خود دیکھیں۔ میں نے ہر ایک کوٹھڑی میں دیکھا۔ مگر تاریکی کے باعث کچھ نظر نہ آیا۔ کہ ناگہاں ایک کوٹھڑی کے اندر سے آواز آئی۔ "گلاب شاہ تم آگئے" غور سے دیکھا تو خدا کی قدرتِ کاملہ کا یہ کرشمہ نظر آیا۔ کہ ایک فرشتہ صورت صاحبزادے توکّل کا تکیہ لگائے مسند آرائے فرش خاک ہیں۔ دوڑ کر قدمبوس ہوا۔ اور دست بستہ عرض کیا کہ اے مقتدائے خلق و رہنمائے عالم مجھ خطاکار و آوارۂ وادی ضلالت کو بھی اپنے حلقہ غلامی میں داخل فرمائیے۔ ارشاد ہوا۔ "ہم تو روز ازل سے تمہارے ساتھ ہیں۔ لیکن اگر یہی خواہش ہے تو آؤ بیعت بھی کر لو۔"

غرض بیعت سے کر دنیا کی مذمت کی۔ اور محبت الٰہی کی ہدایت فرمائی اور ارشاد ہوا کہ جاؤ خدا کو منظور ہے تو پھر ملاقات ہوگی۔

میں نے بکمال عجز ادب یہ عرض کیا کہ میرا اقتضائے عقیدتمندی یہ ہے کہ خدمت والا میں استدعا کروں کہ غریب خانہ کی موجودگی میں آپ کا سرائے میں قیام فرمانا بظاہر اچھا نہیں معلوم ہوتا حضور کے کریمانہ مزاج سے توی امید ہے۔ کہ غلام کو یہ فخر بھی مرحمت ہوگا۔ ارشاد ہوا کہ "مسافر کا گھر سرائے ہے۔ اور اگر تمہاری اسی میں خوشی ہے۔ تو چلو وہیں چلیں"۔

چنانچہ حضور قبلہ عالم کے اسباب سفر میں صرف ایک کمبل تھا اس کو میں نے سر پر رکھا۔ اور پا پیادہ آپ مکان پر تشریف لائے۔ اور علیحدہ ایک کمرہ میں قیام فرما ہوئے۔

اسی دن آگرہ میں حضور کی تشریف آوری کا شہرہ ہوگیا۔ جوق درجوق لوگ آتے۔ اور حلقہ غلامی میں داخل ہوتے تھے۔ ایک روز بعد عصر فرمایا کہ لاؤ پتنگ اڑائیں۔ اسی وقت انتظام کیا گیا۔ لیکن ڈور اور پتنگ لانے میں وہ دن تمام ہوگیا۔ مگر حضور نے رات ہی کو پتنگ اڑایا اور بے ساختہ مسکرا کر ارشاد فرمایا۔ یہ بھی الجھ گئے۔ اسی اثنا میں میر الطاف علی جو اس وقت نوعمر تھے۔ مگر بعد میں مشہور ڈاکٹر ہوگئے اپنے ماموں کے ہمراہ حاضر خدمت ہوئے۔ اور معلوم نہیں کہ پتنگ اڑانے میں کیا شان نظر آئی کہ دونوں بکیف ہوکر قدموں پر گر پڑے۔ جب گونہ افاقہ ہوا تو یکے بعد دیگرے حلقہ بگوش ہوئے حضور نے فرمایا "محبت کا خاصہ یہ ہے کہ محبوب کا عیب بھی ہنر معلوم ہوتا ہے"۔ پھر علاوہ دیگر نصائح کے دونوں کو نہایت تشریح کیساتھ تصور شیخ کی ہدایت فرمائی۔

یہ امر بھی قابل غور ہے جس سے حضور کی عظمت و شان کا اظہار ہوتا ہے کہ حافظ گلاب شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا۔ کہ حضور قبلہ عالم کے موئے مبارک جیسے سفید ہوگئے ہیں میں بغور دیکھتا ہوں تو اب صورت بالکل انہیں بزرگ کی ہم شکل ہے۔ جن کو قبل بیعت کے میں نے خواب میں دیکھا تھا۔

خلیفہ مولا بخش صاحب وارثی متوطن آگرہ اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز کٹرہ مدار خاں کی طرف سے نکلا۔ تو دیکھا کہ حافظ گلاب شاہ صاحب کے مکان میں غیر معمولی ہجوم ہے خیال

ہوا کہ شاید کوئی بارات آئی ہے اندر گیا۔ تو یہ کرشمہ نظر آیا۔ کہ بہت سادہ لباس پہنے ایک صاحب رونق افروز بیٹھے ہیں۔ مگر چہرۂ اقدس سے رعب حق نمایاں ہے۔ میں نے سلام کیا۔ تو نہایت اخلاق سے جواب دیا۔ اور مجھ کو قریب بلا کر ارشاد فرمایا۔ کہ تم دو روز سے کہاں تھے میں نے عرض کیا کہ بدنصیب تھا۔ جو اپنی زندگی کے دو دن خراب کیے۔ اب انشاءاللہ بقیہ عمر آپ ہی کے قدموں کے نیچے کٹے گی پھر ارشاد ہوا اچھا جاؤ۔ میں وہاں سے اٹھ کر اسی مکان کے ایک گوشہ میں بیٹھ رہا۔

بعد مغرب بلا کر فرمایا کہ اپنے مکان کیوں نہیں جاتے۔ عرض کیا۔ اب تو میرا مکان وہی ہے۔ جہاں آپ رونق افروز ہوں۔ حافظ گلاب شاہ صاحب نے بھی سمجھایا۔ مگر چار روز تک میں وہیں پڑا رہا۔ جب حضور آگرہ سے چلے تو میں بھی ساتھ چلا۔ کنکھر کے قریب پہنچ کر مجھے مرید کیا اور فرمایا تم جاؤ نائی کی منڈی میں شاہ ولایت صاحب کے مزار پر جاروب کشی کرو۔ اور خبردار کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا۔ بغیر طلب جو پہنچے اس میں بقدر حاجت رکھ لینا اور باقی مساکین کو تقسیم کر دینا۔ یہ حکم فرما کر فتحپور سیکری کی طرف آپ روانہ ہوئے۔

چنانچہ تیرہ سال تک خلیفہ مولابخش نے حضرت شاہ ولایت صاحب علیہ الرحمۃ کے آستانہ اقدس پر نہایت مستعدی سے خدمت جاروب کشی کی۔ جب حضور قبلہ عالم مکہ معظمہ کے تیسرے سفر سے واپس آئے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد آگرہ تشریف لے گئے۔ اس وقت خلیفہ مولابخش صاحب کی استدعا قبول ہوئی۔ اور حضور کے حکم سے پاپیادہ دیوی شریف آئے۔ اور آستانہ اقدس کے قریب ایک کمرہ میں مستقل قیام کیا۔ اور تقریباً پچیس سال کے بعد ۱۳۱۱ھ ہجری میں انتقال کیا اور رحیم شاہ صاحب خادم خاص بارگاہ وارثی کے احاطہ قیامگاہ میں تجہیز و تکفین ہوئی۔

قیام ہرداول منقول ہے کہ فتحپور سیکری سے آپ ہرداول تشریف لے گئے۔ یہ خبر علاوہ متواتر ہونے کے اس لحاظ سے مستند معلوم ہوتی ہے۔ کہ ایک روز جب کہ حضور قبلہ عالم ملادلی میں ٹھاکر پنجم سنگھ صاحب وارثی کے مہمان تھے۔ اور ٹھاکر صاحب موصوف کے چند راجپوت احباب جو اسی نواح کے مقتدر رئیس تھے حاضر خدمت ہوئے۔ اور بھرت پور وغیرہ کی ماتحت ریاستوں کا ذکر ہونے

لگا۔ تو حضور نے اسی سلسلہ میں ہرداول کا ذکر فرمایا۔ "کہ جے پور کے متصل یہ چھوٹی سی ریاست ہے لیکن رئیس ہرداول عالی خیال اور فقیر دوست ہے۔ اس وجہ سے مسلمان رعایا بھی اس کی مطیع اور جاں نثار ہے"۔ اس ارشاد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے ہرداول میں ضرور قیام فرمایا! اور اہل ہرداول آپ کے فیض سے مستفیض ہوئے۔

قیام جے پور ہرداول سے آپ جے پور تشریف لائے۔ چنانچہ بعض مؤلفین سیرت وارثی نے لکھا ہے کہ وہاں کے ہندو مسلمانوں نے غیر معمولی طور پر اپنی ارادت کا اظہار کیا۔ حتیٰ کہ راجہ بھی حلقہ بگوش ہوا۔ اور دوسرے روز رانی جب شرف بیعت سے مشرف ہوئی تو اس کے اصرار سے آپ نے اس کی دعوت قبول کی۔

حضور سے جے پور کے واقعات دریافت کئے تو فرمایا۔ "راجہ بہت منکسر مزاج تھا۔ رانی کے ملاقات کو آیا۔ اور کہا کچھ نصیحت کیجئے۔ ہم نے کہا۔ عدل و انصاف کیا کرو۔ اس نے کہا کچھ اور فرمائیے ہم نے کہا۔ پتھر کو نہ پوجنا اور جھٹکے کا گوشت نہ کھانا۔ رانی نے کہا مجھ کو بھی ہدایت فرمایئے ہم نے کہا تم خدا کو محبت کے ساتھ ہمیشہ یاد کیا کرو۔"

یہ مسلمہ ہے کہ جے پور کے قیام میں سینکڑوں ہندو اور مسلمان داخل سلسلہ اور توحید پرست ہو گئے۔ اور اکثر خدا پرستوں پر آپ کے فیضان صحبت کا یہ اثر ہوا کہ دنیا اور تعلقات دنیا سے دست بردار ہو کر محبت الٰہی کا دم بھرنے لگے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک روز چند مریدین مجتمع ہو کر حاضر خدمت ہوئے۔ اور جلیل خاں رسالہ دار نے سب کی جانب سے عرض کیا کہ کوئی ایسی ہدایت فرمائی جائے جس سے ہمارے قلوب میں محبت الٰہی کی صلاحیت آئے۔ ارشاد ہوا کہ "مخلوق خدا سے ہمدردی اور اچھا سلوک کیا کرو۔ صرف اس خیال سے کہ یہ خدا کے بندے ہیں۔ اور اسکی صنعت کی یادگاریں ہیں۔ اس عمل سے تم کو خدا کی محبت نصیب ہوگی اور یہی تصوف کی اصل ہے" بقول سعدیؒ

طریقت بجز خدمت خلق نیست   بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

یہ سن کر حاضرین کو جوش ہوا۔ اور بالاتفاق عرض کیا۔ کہ حضور کی تشریف آوری کے شکریہ

میں ہم لوگ بحیثیت مشترکہ ایک مسافرخانہ بناتے ہیں جس میں بلاتخصیص قوم اور قید مذہب ہر مسافر کی مہمانداری کی جائے۔ حضور ان کے اس ارادے سے خوش ہوئے۔ اور فرمایا ایسا کرد گے تو خدا کے دوستوں میں تمہارا شمار ہوگا"

اسی مجمع میں سے ایک خوشحال ہندو نے دست بستہ عرض کیا۔ کہ شرکت مسافرخانہ کے علاوہ میں آپ کے سامنے اس کا بھی عہد کرتا ہوں کہ تا زندگی ہر سال ایک غریب اور خدا ترس شخص کو حج بیت اللہ کے واسطے بھیجا کروں گا۔ اور خرچ سفر کے ساتھ اس کے اہل وعیال کے خورد ونوش کا بھی انتظام کردیا کروں گا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا "تم گھر بیٹھے حاجی ہونا چاہتے ہو"

ایک شخص نے عرض کیا کہ میرا مکان ... روپیہ ماہوار کی آمدنی کا ہے آپ کے روبرو اس کو اس لئے حسبۃً للہ وقف کرتا ہوں کہ اس کی آمدنی یتیموں اور محتاجوں کو تقسیم ہوا کرے۔

غرض حضور قبلۂ عالم کے تصرفات سے اہل ... کا حقہٗ مستفید ہوئے۔ اور ایک ہفتہ کے بعد آپ نے عزم سفر فرمایا۔ اور کشن گڑھ اور وہاں سے اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ چنانچہ چوہدری خدابخش صاحب وارثی ٹھیکیدار تعمیرات متوطن آگرہ بیان کرتے تھے کہ جب حضور قبلۂ عالم آگرہ میں قیام فرما تھے تو اسی دوران میں والد ماجد شرف غلامی سے مشرف ہوئے تھے۔ اور بصد عجز وانکسار یہ عرض کیا تھا کہ عرصہ سے حج بیت اللہ کا ارادہ ہے۔ لیکن اب یہ حسرت ہے کہ غلام اپنے آقا کے ہمراہ رکاب یہ فرض ادا کرے۔ مگر حضور نے ساتھ رکھنا پسند نہ کیا۔ اور فرمایا تم سیدھے راستے سے جاؤ ہم سیر کرتے آئیں گے۔ اگر خدا کو منظور ہے تو مکہ معظمہ میں ملاقات ہو جائے گی"

پھر حضور فتحپور سیکری کی جانب تشریف لے گئے۔ تو آپ کی مفارقت سے والد ماجد کے خیالات میں یہ انقلاب ہوگیا۔ کہ اپنے تمامی کاروبار سے قطعاً دست بردار ہوگئے۔ اور حالت یہ تھی کہ دیوانہ وار کبھی زار زار روتے تھے۔ اور کبھی گوشۂ تنہائی میں خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ مگر جب خواجہ غریب نواز کے عرس میں لوگ جانے لگے۔ تو والد نے معمولی اسباب سفر لے کر اجمیر شریف روانہ ہوئے اور بعد واپسی کے بیان کیا۔ کہ کشن گڑھ پہنچکر مجھ کو معلوم ہوا کہ حضور قبلۂ عالم کل یہاں سے اجمیر شریف

گئے ہیں یہیں ہی قیام کرنے کے بجائے اسی وقت وہاں سے چلا اور شب کو اجمیر شریف پہنچ کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سید احسان علی صاحبزادہ کے مکان میں آپ قیام پذیر ہیں۔

قیام اجمیر شریف صبح کو حاضر خدمت ہوا تو دیکھا۔ کہ حضور عزم سفر فرما رہے ہیں اور خدام آستانۂ اقدس و نیز چند دیگر ممتاز حضرات دست بستہ اصرار کر رہے ہیں۔ کہ عرس بہت قریب ہے اس قدر ضرور قیام فرمایئے۔ کہ ہم لوگ آپ کی معیت میں غریب نواز کے سالانہ دربار میں حاضر ہوں آخران کے عاجزانہ اصرار سے حضور نے اور دو ہفتہ قیام فرمایا اس دوران میں متعدد طالبین دست بیع ہوئے۔ از آنجملہ عبداللہ سنگ تراش جو بہت مشہور اور خوشحال تاجر تھے بسلسلہ وارثیہ میں داخل ہوئے۔ اور دوسرے روز اپنی بیٹی مسمی بی بن کو بھی مرید کرایا اس وقت حضور قبلۂ عالم نے ایسے دل گداز الفاظ میں دنیا کی حقارت اور محبت الٰہی کی ہدایت عام طور پر فرمائی کہ ہر شخص متاثر ہوا لیکن آپ کے تصرفات باطنی سے اس نصیحت کا پورا فائدہ مسمی بی بن نے اٹھایا۔ کہ اس سعید ازلی کا قلب اس قدر متاثر ہوا کہ جذب کی حالت رونما ہوئی۔ اور یار و اغیار کا فرق و امتیاز ذہن سے جاتا رہا حتیٰ کہ حضور کے حکم سے وہ غریب نواز کے آستانہ پر شب و روز رہنے لگی اور بی بن اللہ والی کے ممتاز خطاب سے مشہور ہو گئی۔ چنانچہ عرصہ تک اس حق شناس کے فیض و تصرف سے خلق اللہ مستفید ہوئی اور شاید ۱۲۸۰ھ میں یا بعد اس زاہدہ نے ہمیشہ کے لئے دنیا کو خیرباد کہا۔ اور جوار شاہد حقیقی کی سیر میں مصروف ہوئی۔ اور قبۂ انور کی مشرقی سمت تجہیز و تکفین ہوئی۔ اور عام طور پر مشہور ہے کہ یہ وارثی کنیز صاحب خدمت تھی۔

ایک روز کا ذکر ہے۔ کہ حضور قبلۂ عالم بعد زیارت مزار اقدس جھالرہ کے کنارے تشریف فرما تھے۔ کہ ناگاہ نوشاہیہ سلسلہ کے ایک مقدس درویش آ کر قدمبوس ہوئے۔ اور آبدیدہ ہو کر کچھ عرض کرنا چاہتے تھے۔ کہ حضور نے مسکرا کر ان سے معانقہ کیا۔ اور فرمایا۔" بس اسی کے واسطے رویا کرتے تھے۔" شاہ صاحب مکیف ہو کر کہنے لگے۔" داتا میرا کام ہو گیا۔"

جب شاہ صاحب کو افاقہ ہوا۔ تو ہم لوگوں نے ان کا حال دریافت کرنا چاہا تو کسی قدر تامل

کے بعد کہا۔ بھائی تم سے کیا پردہ کروں۔ میرے مرشد برحق کا نام سائیں نصر اللہ شاہ یک رنگی ہے۔ جو کوہ آبو پر مقیم تھے۔ جب ان کے وصال کا زمانہ قریب آیا۔ تو میں نے عرض کیا سائیں جی اس کتے کو بھی ایک ٹکڑا ڈال جائیے۔ فرمایا۔ تم اجمیر شریف چلے جاؤ۔ اس حلیہ کے ایک صاحبزادے ادھر سے آئیں گے۔ وہ تمہاری یہ گرہ کھول دیں گے لیکن جب تک وہ نہ آئیں انتظار کرنا چنانچہ بارہ سال سے داتا کا انتظار کر رہا تھا۔ آج اللہ نے مراد پوری کی۔ کہ بیٹوا کا دیدار نصیب ہوا۔ اور جو سائیں نے کہا تھا وہی ہوا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد حضور نے ان کو رخصت کیا۔ اور فرمایا۔ "اب یہاں لوگ تم کو پریشان کریں گے۔ اپنے پیر کے ڈھیر کی خدمت اور جوان کا حکم ہو تعمیل کرو۔ اور جس وقت فرصت پاؤ۔ بغیر کسی غرض اور معاوضہ کے خلق اللہ کو پانی پلاؤ۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ مرجانا مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا"۔

علیٰ ہٰذا محفل سماع کا وہ عجیب واقعہ جسکو بکمال صراحت صاحب مشکوٰۃ حقانیہ نے لکھا ہے۔ اور علاوہ اس کے آپ کے تصرفات کے متعدد واقعات ایسے ظاہر ہوئے جن کو دیکھ کر مشائخین عظام نے آپ کی عظمت و جلالت کا اعتراف کیا۔ اور بعض حضرات نے بحیثیت طالب آپ کے فیضان باطنی سے استفادہ حاصل کیا۔ اور خدمت میں رہنے کی استدعا کی۔ مگر حضور نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ اور بعد عرس شریف اجمیر سے روانہ ہو گئے۔

قیام ناگور یہ بھی تواترات سے ہے۔ کہ اجمیر شریف سے آپ ناگور تشریف لے گئے اور پہلا شخص جو ناگور میں آپ کا حلقہ بگوش ہوا۔ وہ مولوی حسین بخش صاحب وہاں کے مقتدر رئیس اور پیرزادے تھے۔ جنھوں نے نہایت اولوالعزمی سے آپ کی دعوت کی اور تین روز تک آپ انہیں کے مہمان رہے۔ اسی عرصے میں وہاں کے لوگ بکثرت شرف بیعت سے مشرف اور آپ کے روحانی برکات اور غیر معمولی تصرفات سے مستفید ہوئے۔ اور ہر وقت خاص وعام کا اژدہام رہنے لگا۔ مگر آپ نے زیادہ قیام نہیں فرمایا اور جانب بمبئی روانہ ہوئے۔

اسی سلسلہ میں صاحب مشکوٰۃ حقانیہ نے صفحہ ۱۷ میں بغیر کسی سند اور حوالہ کے شاید ذاتی خیال کی بنا پر تحریر فرمایا ہے۔ کہ حضور قبلۂ عالم نے مولوی حسین بخش (ناگوری) کو بیعت لینے کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

چونکہ اس باب میں حضور قبلہ عالم کی سیاحت کا تذکرہ ہے۔ اس لئے ان صفحات میں مشرح بحث بے محل ہوگی۔ اس لحاظ سے روایت مذکورہ کی نسبت اسی قدر عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ واقعہ آپ کے مذاق و مسلک کے صریح منافی اور یہ خبر کلیتہً منقولی اور غیر معروف ہے۔ اس اعتبار سے میرے خیال میں یہ روایت ناقابل اطمینان اور ترمیم طلب ہے، اور تصحیح کی محتاج ہے۔ انشاء اللہ حضور قبلۂ عالم کے مشرب و مسلک کے قیود و شرائط کے بیان میں اس مسئلہ کو شرح و بسط کے ساتھ نگارش کروں گا۔

اور اس کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا۔ کہ اب میری محدود معلومات قاصر ہے اور ناگور سے بمبئی تک کے واقعات کا مجھ کو بالکل علم نہیں۔ اس وجہ سے کہ نہ اس دیار کے غلامان ارشد سے ملاقات ہوئی اور نہ سرکار عالم پناہ کا کوئی ایسا ارشاد گوش گزار ہوا جس سے یہ معلوم ہوتا۔ کہ آپ نے کس کس مقام پر قیام فرمایا۔ اور کیا کیا واقعات وہاں ظہور پذیر ہوئے۔

لیکن یہ دیکھا ہے کہ بعض مؤلفین سیرت وارثی نے ناگور سے آگے بھی چند مقامات کا مجملاً ذکر کیا ہے۔ چنانچہ صاحب عین الیقین صفحہ ۹ میں نگارش فرماتے ہیں کہ ناگور سے، "بعد طے مراحل قصبۂ میرتا اور کوچڑا لا رونق افروز ہوئے۔ پھر آگے آپ لکھتے ہیں کہ الغرض بعد انقطاع مسافت گجرات تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے پیران پٹن اور احمد آباد تشریف ارزانی فرمایا اور دو ہفتے قیام فرما کر شہر بھکر تشریف لائے۔ بعد زیارت مزار حضرت فرید و شاہ ابراہیم بھکری سورت کی طرف تشریف لے گئے۔ آخر الامر بمبئی رونق افروز ہوئے۔

علیٰ ہذا مؤلف مشکوٰۃ حقانیہ بھی انھیں چند مقامات کی سیاحت کو اختصار کے ساتھ صفحہ ۱۱ میں لکھتے ہیں کہ" ناگور سے آپ شہر پیران پٹن اور احمد آباد بھکر وغیرہ مقامات سے ہوتے ہوئے

بمبئی پہونچے۔

میری محدود واقفیت اور ناتمام معلومات کے واسطے یہ بہت آسان اور نہایت اچھا موقع تھا کہ موصوف الصدر مؤلفین کی نقل کردہ عبارت سے فائدہ اٹھاتا اور ننکرنا گور کے بعد انہیں چند مقامات کے نام عین الیقین اور مشکوٰۃ حقانیہ کے حوالہ سے لکھدیتا اور یہ رکیک عذر کرنے کی بھی نوبت نہ آتی کہ ناگور سے بمبئی تک کے واقعات سے قطعی لاعلم ہوں۔

لیکن اس وجہ سے یہ جرأت نہیں کی کہ روایت مذکورہ کے طرز تحریر کو نظر غائر سے دیکھا تو اس کو سراپا بے ربط اور عام مشاہدہ کے صریح خلاف پایا اور خیال ہوا کہ مصنف ہوش ربا کے کسی لفاظ ہمعصر قصہ نویس نے جو مسلوب الحافظہ اور منتشر الحواس بھی تھا سلسلۂ سیاحت قائم رکھنے کے واسطے تاریخی حالات کے پردے میں واقعات کا جامہ پہنا کر چند مقامات کے نام لکھدیئے اور اپنی خامہ فرسائی سے یہ کرشمہ دکھایا ہے کہ شمال وجنوب کے ناموں کا قدیم تفرقہ مٹا کر دونوں سمتوں کو ایک بنا دیا ہے اور لائق مؤلفین نے بغیر کسی سند اور حوالہ کے اس ناموزوں اور بے معنی روایت کو پسند کرلیا اور آنکھ بند کر کے لکھدیا کہ بعد قطع مسافت گجرات تشریف لے گئے اور احمدآباد اور بھکر ہوتے ہوئے بمبئی پہونچے۔

افسوس یہ ہے کہ ممتاز مؤلفین نے یہ غور نہ کیا کہ یہ ترتیب مقامات جغرافیہ کے بالکل خلاف ہے اس لئے کہ گجرات اور احمدآباد وغیرہ راجپوتانہ کے آگے جنوبی مقامات ہیں اور بھکر صوبہ پنجاب میں ملتان کے قریب ڈیرہ غازی خاں کا ضلع ہے اور ان دونوں مقامات میں تقریباً بارہ چودہ سو میل کا فصل ہے لیکن راوی کے زور قلم نے پنجاب کو کھینچکر گجرات سے ملا دیا اور گجرات کو کھینچکر پنجاب کے عمیق دریائے چناب میں ڈبو دیا اور "چہ خوش گفت ست سعدی در زلیخا" کا مضمون صادق آیا۔

پہلی مرتبہ یہ روایت جب عین الیقین اور مشکوٰۃ حقانیہ میں دیکھی اور یہ انقلاب عظیم نظر آیا کہ پنجاب اور سندھ میں سرحدی نہیں بلکہ حقیقی الحاق ہوگیا اور یہ دونوں صوبے ایسے متحد ہوگئے

کہ پنجاب کے اضلاع سندھ میں اور سندھ کے قصبات کا پنجاب میں شمار ہونے لگا کیونکہ سندھ کے ایک مشہور مقام بھکر شریف کا نام نواح گجرات میں دیکھتا ہوں تو خیال ہوا کہ ایسے لائق مؤلفین سے اور ایسی فاش غلطی ہونا تو محالات سے ہے کہ شمالی سندھ کے ضلع کو گجرات کا جنوبی قصبہ بنادیں بلکہ قرینہ یہ ہے کہ نواح گجرات میں احمد آباد کے قریب بھی شاید مقام کا نام بھکر ہوگا جو غیر معروف ہونے کے لحاظ سے زیادہ شہرت پذیر نہیں ہے۔

مگر پھر غور کیا تو معلوم ہوا کہ میرا یہ شبہ کرنا غلط ہے کیونکہ خود صاحب عین الیقین نے نہایت وضاحت اور استدلال کے ساتھ صاف الفاظ میں لکھدیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے جس مقام بھکر کا ذکر حوالی گجرات میں کیا ہے وہ درحقیقت وہی بھکر ہے جو صوبۂ سندھ کے شمالی حصّہ میں سکھر کا مشہور اور مقدس ضلع ہے چنانچہ موصوف تحریر فرماتے ہیں " (حضور) احمد آباد سے بھکر میں تشریف لائے اور بعد زیارت مزار حضرت فرید شاہ ابراہیم بھکری سورت کی طرف تشریف لے گئے اور آخر الامر بمبئی میں رونق افروز ہوئے "

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اسی بھکر کا نواح سکھر میں ذکر کیا گیا ہے جس بھکر میں حضرت فرید شاہ ابراہیم بھکری کے مقدس مزارات ہیں اور یہ نہایت واضح اور مسلمہ ہے کہ وہ بھکر ملتان کے قریب اور سندھ کا مشہور ضلع ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مؤلف موصوف اگر تھوڑا غور فرماتے تو یقینی اس روایت کا موضوع ہونا ان پر ضرور ظاہر ہو جاتا۔ کیونکہ ممدوح بہت قابل اور خبردار شخص تھے۔ مگر بمصداق الانسان مرکب من الخطاء والنسیان۔ یہ غلطی ہوگئی کہ راوی کے بیان پر بھروسہ کیا اور سیاق عبارت کو ملاحظہ نہ فرمایا

علی ہذا مولف مشکوٰۃ حقانیہ نے بھی اس روایت کو نظر غائر سے دیکھنے کی تکلیف گوارا نہ فرمائی۔ شاید سابق مؤلف سیرت دائی کی پیروی کی اور جوش تقلید میں آنکھ بند کر کے لکھ دیا کہ "(سرکار عالم پناہ) شہر پیران پٹن واحمد آباد بھکر ہوتے ہوئے بمبئی پہنچے"۔

بلکہ زیادہ افسوس اس کا ہے کہ مشکوٰۃ حقانیہ کی بعض وسیع النظر حضرات نے تصحیح فرمائی۔ اور بعد کو

یہ کتاب ایسے مقتدر اور ذی علم نفوس کے زیر اہتمام بصرف زر کثیر طبع ہوئی جن کو مغربی تعلیم کا عالم اور فن جغرافیہ کا ماہر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ مگر انھوں نے بھی صحت کتاب کی جانب توجہ نہ کی۔ اور اس روایت کو درایت کی نظر سے ملاحظہ نہ فرمایا۔ ورنہ یہ انقلابی صورت پیش نہ آتی کہ پنجاب کا ایک مقدس اور تاریخی مقام گجرات میں شامل ہو جاتا۔

بہرکیف مولفین موصوف الصدر کی یہ بہت بڑی فروگذاشت اور قلت غور و فکر کی دلیل ہے کہ بغیر تنقید و تنقیح ایک موضوع عبارت کو کشادہ پیشانی سے اپنی تالیف میں درج کر دیا جو تاریخ نویسی کے شفاف دامن کے واسطے بدنما داغ ہے۔

قیام بمبئی چنانچہ اسی خیال سے میں نے اپنی عدم معلومات کا اعتراف کرنا پسند کیا۔ اور پھر یہی عرض کروں گا۔ کہ بوجہ قلت واقفیت یہ نہیں لکھ سکتا۔ کہ ناگور کے بعد بمبئی تک کیا واقعات پیش آئے۔ لیکن یہ روایت متواترات سے ہے کہ جب حضور بمبئی کے بہت قریب پہنچے تو حاجی یعقوب سیٹھ سے ملاقات ہوئی۔ اور وہ اس قدر گرویدہ ہوئے کہ بیصد اصرار اپنے مکان پر لے گئے۔ اور اسی روز مع اہل و عیال حلقہ بگوش ہوئے اس لئے کہہ سکتے ہیں۔ کہ بمبئی میں پہلے حضور کی غلامی کا اعزاز اور مہمانداری کا شرف سیٹھ حاجی یعقوب صاحب کو حاصل ہوا۔ بعدہٗ وہاں کے مشہور تاجر حاجی یوسف ذکریا میمن نے ایک جماعت کثیر کے ساتھ آپ کی بیعت کی۔ اور بہت وسیع پیمانہ پر آپ کی دعوت کا سامان کیا۔ اور تا انتظار جہاز آپ انہی کے مہمان رہے۔ اور یہ سلسلہ جاری رہا کہ ہر روز خاص و عام آتے اور آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے۔

اس روایت کی تصدیق حضور کے بعض ارشادات سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور قبلۂ عالم بانکی پور میں خان بہادر مولوی سید فضل امام صاحب بہاری کے مہمان تھے کہ مسٹر ابراہیم میمن جو وہاں عہدۂ منصفی پر مامور تھے۔ اپنا قومی لباس پہنکر آئے اور حلقہ بگوش ہوئے حضور کو معلوم ہوا۔ کہ یہ میمن ہیں۔ تو فرمایا تمہارا کیا نام ہے انھوں نے کہا ابراہیم ذکریا فرمایا کیا تم حاجی ذکریا کے بیٹے ہو عرض کیا ان کا نواسہ ہوں۔ فرمایا تم ہم کو جانتے تھے۔ کہا نام سنا تھا پھر مجھ حقیر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ شیدا جب

ہم پندرہ برس کے تھے اس وقت ان کے نانا معہ اہل عیال ہمارے مرید ہوئے تھے اور انہوں نے ہماری بڑی خاطر کی تھی۔

حضور کے اس ارشاد سے ظاہر ہو گیا کہ تا انتظار جہاز آپ نے حاجی یوسف ذکریا کے یہاں قیام فرمایا اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بمبئی کے یہ واقعات آپ کے پہلے سفر حجاز کے ہیں کیونکہ آپ نے فرمایا کہ اس وقت ہماری عمر پندرہ سال کی تھی اور یہ سفر پندرہویں سال فرمایا ہے۔

واقعاتِ جہاز غرض حضور تو جہاز کے انتظار میں قیام فرما تھے۔ اور بعض ارادتمندوں نے آپ کی ظاہری بے سرو سامانی دیکھکر آرام و راحت کا بہت قیمتی اسباب سفر فراہم کیا اور اسکا بھی انتظام کیا کہ چند خدمتگزار ملازم آپ کے ہمراہ جائیں تاکہ راستہ میں تکلیف نہ ہو مگر جب حضور کو اس اہتمام کی خبر ہوئی تو نہ آپ نے اس تمائشی سامان کو پسند کیا اور نہ خدام کا ساتھ رکھنا منظور فرمایا بلکہ اسی سادگی سے صرف اپنا کمل لیکر بادبانی جہاز پر سوار ہوئے اور جملہ مسافروں سے علیحدہ ایک تاریک گوشہ میں بستر لگایا۔

اکثر مؤلفین سیرت وارثی نے جہاز کا ایک عجیب واقعہ جس سے سرکار عالم پناہ کی رفعت و عظمت کا اظہار ہوتا ہے بکمال صراحت نگارش فرمایا ہے اور اسباب توقع وہ ہیں جن کی اہمیت پر نظر کرنے کے بعد بجز تصدیق کے اس واقعہ سے کوئی پرستار بارگاہ وارثی انکار کر ہی نہیں سکتا مگر افسوس روایت کے اسناد کا علم نہیں نہ راویوں کا سلسلہ معلوم نہ حضور قبلۂ عالم کے کسی ارشاد سے استنباط کر سکتا ہوں بلکہ جن مؤلفین نے یہ روایت نقل کی ہے وہ بھی مثل میرے لاعلم ہوئے ہیں ورنہ حوالہ ضرور دیتے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔

علیٰ ہذا قرینہ ہے کہ صاحب تحفۃ الاصفیا نے بھی اس روایت کو قرین قیاس دیکھ کر درج فرمایا ہے اور چونکہ موصوف قدیم سیرت نگار ہیں۔ اس لئے دیگر مؤلفین نے بہ لحاظ التقلید ان کے رسالہ سے یہ روایت نقل فرمائی۔

اور نظر غائر سے دیکھا جائے تو بہ اقتضائے درایت ہم اس روایت کو صحیح مان سکتے ہیں

کیونکہ قدیم غلامان بارگاہ وارثی کا بالاتفاق بیان ہے اور میں نے اپنے والد ماجد سے بھی یہی سنا ہے کہ جب حضور نے پہلا سفر حجاز فرمایا تو اس زمانہ میں آپ صوم وصال رکھتے تھے جو تیسرے روز افطار ہوتا تھا۔ اور بوجہ کمال تحمل و استقلال مزاج ہمایوں کی کیفیت تھی کہ انتظام افطار کا خیال بھی ناپسند تھا بلکہ عادت یہ تھی کہ عین وقت پر جو چیز میسر ہوتی تھی اسی سے آپ افطار فرماتے تھے

چنانچہ میرے خیال میں جہاز کا یہ واقعہ آپ کی اسی زاہدانہ روش و احتیاط کی وجہ سے وقوع پذیر ہوا کہ جہاز پر حالت صوم میں سوار ہوئے اور سامان افطار وغیرہ ہمراہ نہیں لیا حتیٰ کہ تین روزا اور بروایتے سات روز بے آب و دانہ گذر گئے تو من جانب اللہ یہ خطرناک حادثہ رونما ہوا کہ دفعتاً جہاز کی رفتار معطل ہو گئی اور اسی شب میں یہ صورت پیش آئی کہ بمبئی کے متمول تاجر محمد ضیاء الدین سیٹھ نے جو اسی جہاز پر سوار تھے حضرت رسالت مآب صلعم کو خواب میں یہ ارشاد فرماتے دیکھا کہ اے ضیاء الدین تم کھاتے ہو اور ہمسایہ کا خیال نہیں کرتے۔

وہ خوش نصیب تاجر جب خواب سے بیدار ہوا تو حسب ہدایت حضرت مخبر صادق اس کا یقین ہو گیا کہ کوئی ایسا برگزیدہ حق اس جہاز پر سوار ہے جس کی گرسنگی نے حبیب پروردگار کو بیقرار کر دیا لیکن مشکل یہ ہے کہ مجھ ایسا ظاہر بیں اس مقدس صاحب باطن کو تلاش کیونکر کرے۔ اس لئے مناسب حال اور بہترین تجویز یہ ہے کہ کل جملہ اہل جہاز کی بغیر کسی امتیاز کے دعوت کر دوں جس میں وہ محترم ہستی بھی شریک ہو جائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو تاجر نے مزید احتیاط کی نظر سے خود دیکھنا شروع کیا کہ کوئی شخص باقی تو نہیں رہ ناگاہ قدرت ایزدی کا یہ کرشمہ نظر آیا کہ تہ خانہ میں ایک ایسی غیور ذات مستغنی عن الصفات کو دیکھا کہ گوشۂ عزلت میں توکل کا تکیہ لگائے شاہد حقیقی کے خیال میں محو و مستغرق ہے۔

یہ دیکھ کر تاجر موصوف فوراً واپس آیا اور نہایت ادب و اہتمام سے ایک طبق میں لذیذ اور پر تکلف کھانے لے گیا اور دست بستہ عرض کیا کہ مجھ بے بضاعت کی دعوت قبول ہو حضور نے بہ آداب تمنائے خلق محمدی دو چار لقمہ تناول فرمائے اور باقی کھانا واپس کر دیا اور قدرت الٰہی سے

تھوڑے عرصہ کے بعد وہ جہاز چلنے لگا۔

بعض مؤلفین نے یہ لکھا ہے کہ تاجر موصوف کو متواتر دعوت کا انتظام کرنا ہوا اس لئے کہ پہلے روز حضور قبلہ عالم نے بہ ہزار صبر و شکیب جادۂ استقلال سے جنبش نہیں فرمائی اور دعوت پر گرسنگی کو ترجیح دی کیونکہ سیر شکمی سے اگر قوائے جسمانی کو تقویت حاصل ہوتی ہے تو ماتھ نعمت الٰہی اور روح کی غذائے خوشتر ہے یا یہ کہ فاقہ درحقیقت شاہد بے نیاز کا ایک کرشمۂ ناز ہی بمصداق "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ"

اور ممکن ہے کہ اس خیال سے پہلے روز حضور قبلۂ عالم نے دعوت میں شرکت نہ فرمائی ہو کہ تاجر نے ہماری گرسنگی کی وجہ سے اپنا زر کثیر صرف کیا ہے تو لازم ہوا کہ ہم بھی کوئی ایسا فائدہ اس کو پہونچائیں جو اس کے مصارف سے بہت زیادہ قیمتی ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس روز دعوت میں صرف آپ کی شرکت نہ ہونے سے تاجر نے دوسری شب کو پھر وہی خواب دیکھا اور حبیب پروردگار کے جمال باکمال کا نظارہ نصیب ہوا اور یہ ایسی دولت ...... لازوال پائی جس کی قدر و قیمت وہی خالق حقیقی جانتا ہے جس نے اس محبوب محترم ذوالفضل والکرم کو پیدا کیا ہے۔

غرض اس مکرر فائدہ کثیر کے بعد سوداگر کا شوق ضیافت دوافزوں ہوا اور صبح کو دوبارہ اہل جہاز کی دعوت کا سامان کیا۔ اس کا یہ صدق و خلوص دیکھ کر حضور کے جوش عنایت نے بھی حجاب استتار اٹھایا یعنی تاجر کی مراد پوری ہوئی اور اس کے پیش کردہ کھانوں سے آپ نے صوم ہفت روزہ افطار کیا اور زمین گرفتہ جہاز خود بخود چلنے لگا۔

لیکن مؤلف جلوۂ وارث کی صائب رائے سب سے جدا ہی اوّل تو بجائے تین یا سات روز افطار نہ کرنے کے آپ نے چودہ روز کا فاقہ لکھا ہے۔ دوم بڑا اختلاف یہ فرمایا ہے کہ جس جہاز کا یہ واقعہ ہے وہ بمبئی سے نہیں روانہ ہوا تھا بلکہ حضور محیط اعظم کے کنارے اس جہاز پر سوار ہوئے تھے اور ضیاء الدین کی دعوت کا واقعہ پیش آنے کے بعد آپ سرزمین یمن میں اس جہاز سے اُتر گئے۔

چنانچہ آپ صفحہ ۸۷ میں صراحت کے ساتھ ارقام فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور
عراق و حجاز کی سیر کرتے ہوئے پاپیادہ محیط اعظم کے کنارے پہنچے اور وہاں سے جہاز پر سوار ہوئے
اور چودہ روز تک افطار کے واسطے کوئی چیز نہ ملی۔ دفعتاً جہاز رک گیا۔ اور محمد ضیا الدین تاجر
نے خواب دیکھا اور صبح کو اہل جہاز کی دعوت کی۔ جب حضور نے افطار کر لیا۔ تو جہاز چلنے لگا اور
کنارے شہر عدن کے پہنچا۔ اس مقام سے آپ پاپیادہ مزار حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ پر گئے
اور وہاں سے بیت اللہ شریف روانہ ہوئے۔

مؤلف ممدوح کا یہ اختلاف ایسا مخصوص اور محققانہ اختلاف ہے۔ جو نہ کسی سند اور حوالہ
کا محتاج ہے۔ اور نہ کسی کو تنقیح و تنقید کا اختیار ہے کیونکہ جناب ممدوح صفحہ ۲۴ میں اعلان
عام فرما چکے ہیں کہ "صرف وہ واقعات ضروری اور مصدقہ قلمبند کئے جاتے ہیں جن سے لوگ نا علم ہیں"۔
پس معلوم ہو گیا کہ آپ کے رسالے کے جملہ واقعات مصدقہ خاص ہونے کے ساتھ ہمارے علم کے
محدود احاطے کے باہر ہیں۔ لہٰذا کسی کو چون و چرا کرنے کا حق نہیں چار و ناچار تصدیق کرنا ہوگی۔
اور بے دلیل ایمان لانا ہوگا۔ ع :۔ شرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب :

حقیقت یہ ہے کہ مؤلف ممدوح کے زیادہ مضامین میں ایسا اضطرار اور انتشار پایا جاتا ہے
جن سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ فن تالیف و تصنیف سے آپ کی طبیعت کو مناسبت کم ہے جیسا کہ
اسی جہاز کے واقعہ کو اگر اوپر کے چند صفحات پڑھنے کے بعد نظر غائر سے دیکھا جائے تو مجبوراً یہی
کہنا پڑے گا کہ سفر حجاز کے اس شفاف میدان سیاحت کو آپ کے پریشان مضامین نے
سراپا پیچیدہ اور تاریک کر دیا۔

جدّہ پہونچنا | بہر کیف میں اس سلسلہ میں وہی صورت اختیار کرتا ہوں۔ جو دیگر مؤلفین،
سیرت وارثی کا نظریہ ہے۔ یا اوپر جو لگارش کر چکا ہوں کہ بمبئی سے روانہ ہونے کے بعد راستہ میں
مگر عدن سے پہلے کسی مقام پر دعوت کا واقعہ پیش آیا۔ اور سرکار عالم پناہ کی یہ رفعت و عظمت
دیکھ کر آپ کی گرویدگی کا خیال حضرت محبوب ذی الجلال نے فرمایا۔ اہل جہاز اس قدر متاثر ہوئے

کہ اس روز سے سیٹھ ضیاء الدین خاص طریق سے اور دیگر اہل جہاز عام طور پر آپ کے گرویدہ ہو گئے اور مقدس اور خدا رسیدہ سمجھنے لگے اور ارادتمند شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور حضور قبلۂ عالم بہزار عزم و جلال جدہ پہونچے۔

بعض مؤلفین نے لکھا ہے کہ جب جہاز بندرگاہ عدن میں پہونچا تو وہاں سے جہاز چھوڑ کر بیت اللہ تک حضور قبلۂ عالم نے پاپیادہ سفر فرمایا لیکن میرا خیال یہ ہے کہ وہ قول صحیح ہے کہ جدہ تک جہاز پر تشریف لے گئے۔ کیونکہ سرکار عالم پناہ کے ارشاد سے آپ کا جدّہ تک جہاز پر جانا ظاہر ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ بعض عشاق کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ اسی سلسلہ میں حضور قبلۂ عالم نے فرمایا۔ "جب ہم جدّہ اترے تو سیٹھ ضیاء الدین جو جہاز پر ہم سے بہت محبت کرنے لگے تھے وہ بھی اترنے لگے۔ ہم نے کہا بہتر یہ ہے کہ تم پہلے مدینہ منورہ ہو آؤ کیونکہ حج کا ابھی چار مہینے انتظار کرنا ہوگا۔ اور زندگی کا اعتبار نہیں، انہوں نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ دل تو یہی چاہتا ہے کہ آپ کی معیت میں رہوں مگر حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ہم سے مکّہ میں کسی نے کہا کہ "ضیاء الدین جب روضۂ اقدس پر پہونچے اور آستانہ بوسی کے واسطے جھکے تو اسی حالت میں اس طالب صادق کا دم نکل گیا۔"

علیٰ ہٰذا حضور کے قدیم حلقہ بگوش نعمت اللہ شاہ صاحب وارثی ۱۳۱۹ھ میں جب سفر حجاز سے واپس آئے اور حضور نے بعض مقامات کے حالات پوچھے تو موصوف نے عمال جدّہ کے انتظامات کی کچھ شکایت کی۔ حضور نے ظہور اشرف شاہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "ظہور اشرف جہاز پر سب لوگ ہمارے ایسے یار ہو گئے تھے کہ جدّہ میں اترتے ہی تو سب نے اصرار کیا کہ آپ کا اونٹ آگے اور ہمارے اونٹ پیچھے چلیں گے۔ تاکہ ظاہر ہو کہ ہمارے قافلہ سالار آپ ہیں۔ ہم نے کہا کہ یہ جھگڑا ہے۔ بس جب وہ لوگ کھانے پکانے میں مشغول ہوئے تو ہم وہاں سے مکّہ تک پیدل چلے گئے

اور راستہ میں کسی بدو نے ہم کو نہیں ستایا۔"

داخلہ حرم محترم الحاصل ان ارشادات سے جدہ تک جہاز پر آپ کا جانا ثابت ہوتا ہے اور یہ بالاتفاق منقول ہے کہ آپ ۲۹ شعبان کو شب کے وقت مکہ معظمہ پہونچ گئے اور عبداللہ حسن مکی کے مکان میں قیام فرمایا۔ دوسرے روز یکم رمضان کو مطوف موصوف کے ہمراہ بغرض طواف جا رہے تھے کہ باب السلام کے قریب ایک جلیل القدر بزرگ نے جو مکہ معظمہ میں صاحب دوائر کبریٰ مشہور تھے آپ سے معانقہ کیا اور بشارت دی کہ صاحبزادے مبارک ہو۔ آج وہ انوار حضرت احدیت مشاہدہ کروگے جن کے دیکھنے کی اہلیت اور استعداد صدیوں کے بعد خدا نے تم کو مرحمت فرمائی ہے۔" ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔"

الغرض حضور قبلۂ عالم بکمال خضوع اور بصد نیاز دیدار شاہد بے نیاز کے شوق میں داخل حرم محترم ہوئے۔ عنایت وہبی سے حقیقت کعبہ منکشف ہوئی اور جو دیکھنا چاہتے تھے وہ بے حجاب دیکھا۔

بعض مؤلفین سیرت وارثی نے لکھا ہے کہ حرم محترم کے قریب ایک خدا رسیدہ بزرگ انتظار میں کھڑے تھے۔ آپ سے معانقہ کیا اور فرمایا آنے میں بہت دیر کی۔ اور جاں بحق تسلیم ہوگئے۔ حضور نے ان کی تجہیز و تکفین فرمائی اور اسی روز سے آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قبل افطار حرم میں تشریف لاتے اور بعد فراغ تراویح تھوڑا انتظار کرتے جب رات زیادہ جاتی اور چیدہ چیدہ لوگ رہ جاتے۔ اُس وقت مقام ابراہیم میں بہ نیت نفل کھڑے ہوکر نہایت خوش الحانی کے ساتھ مصری لہجہ سے دو رکعت میں آپ پورا قرآن ختم کرتے، اور بعد نماز صبح بستر پر تشریف لاتے تھے اور تمام دن تاریخی مقامات اور مقدس یادگاروں کی سیر اور زیارت میں گزر جاتا تھا۔

چنانچہ آپ کے یہ اخلاق حسنہ دیکھ کر خلق کی رجوعات بڑھنے لگی۔ حالانکہ آپ کے اوقات اس قدر منضبط اور منقسم تھے کہ جائے قیام پر لوگوں کو ملاقات کا موقع نہیں ملتا تھا لیکن طالبان حق

اور اہل ارادت شب و روز سرگرداں رہتے جہاں کہیں قبلۂ عالم مل جاتے۔ وہیں آپ سے فیوض و برکات حاصل کرتے حتیٰ کہ مکہ معظمہ میں اکثر مقتدر اور ممتاز حضرات حلقہ بگوش ہوئے اور رفتہ رفتہ تمام شہر میں آپ کے تصرفات روحانی کا شہرہ ہو گیا اور بعض ایسے واقعات رونما ہوئے جن کو بقدر معلومات ضرور اس رسالہ میں نقل کرتا۔

لیکن مکہ معظمہ کے واقعات کا ذکر کرنے میں ایک اور اہم دشواری پیش آتی ہے کہ شرائعہ کے ساتھ اس کا زمانہ اور اس کی جائے وقوع اور اسکے اظہار کا خاص سبب بھی نگارش کرنا لازما ہے اور میرے واسطے ان باتوں کا علم ناممکنات سے ہے۔ کیونکہ اگر ان واقعات کا تذکرہ اپنے دید سے سنتا تو ان کی تفصیل بھی معلوم ہوتی اور ان کا نگارش کرنا بھی آسان ہوتا۔

مگر اس کا اعتراف کر چکا ہوں کہ سفر حجاز کے حالات صحیح روایات سے معلوم کرنے کا شرف مجھ کو نہیں ملا۔ اس لئے کہ اس مقدس دیار کے قدیم غلامان وارثی سے ملنے کا اتفاق بہت کم ہوا جو شامل نہ ملتے۔ کے۔ ہے۔

لہٰذا میری محدود معلومات اور ناتمام واقفیت کا انحصار صرف اس پر ہے کہ حضور قبلۂ عالم کے ارشادات سے اگر کسی واقعہ کا کوئی حصہ ظاہر ہوتا ہو تو اس کا حوالہ دوں۔ حالانکہ سرکار عالم پناہ کے اکثر ایسے ارشادات بھی ضرور ہیں کہ جن میں تھوڑا بہت سفر حجاز کے واقعات کا ذکر ہے مگر وہ بالاجمال ہیں نہ بالتفصیل۔

مزید برآں یہ بالاتفاق ثابت ہو چکا ہے کہ حجاز کا سفر آپ نے تین مرتبہ کیا اور ہر مرتبہ کے سفر میں کبھی تین اور کبھی چار سال تک حضور قبلۂ عالم نے اس جوار رحمت کے دیار و امصار میں سیاحت فرمائی اور اس سیاحت کے دوران میں ہر سال ایام حج میں آپ مکہ معظمہ میں ضرور تشریف لائے اور اسی طرح سات یا بروایتے گیارہ حج ادا کئے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شہر مکہ معظمہ میں سات یا گیارہ مرتبہ کچھ عرصہ کے واسطے آپ کا آنا مسلمہ طور پر ثابت ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضور کے کسی ارشاد میں مکہ معظمہ کے کسی واقعہ کا ذکر تو ہے لیکن

ہیچمیرز ہیچمدان کیونکریہ عرض کرسکتا ہے کہ پہلے یا دوسرے یا تیسرے دورۂ سفر میں حج کیلئے جب آپ تشریف لائے تھے اس وقت یہ واقعہ رونما ہوا لہٰذا اس قید کیساتھ کسی واقعہ کا ذکر کرنا جبکہ حضور قبلۂ عالم کے کسی ارشاد میں اسکی صراحت کافی نہ ہو میرے خیال میں دشوار تر بلکہ محال ہے۔

اسکے ساتھ ایک اور ضروری احتیاط کا خیال پیش نظر ہے کہ اگر سفر حجاز و عراق کے ایسے واقعات جن کا حضور کے ارشادات سے اظہار ہوتا ہے اور جن کو آپ کے تصرفات سے واقعی تعلق ہے اور حقانیت و روحانیت سے پورا سروکار ہے اور جو میرے حافظہ میں محفوظ ہیں۔ وہ جملہ ملفوظات ان بے پرده اوراق میں نہ مسطور ہونگے بلکہ ان میں زیادہ ملفوظات اور اکثر واقعات ایسے ہیں جن کو حقائق و معارف کے رموز سے گہرا تعلق ہے اور جن کو عالم جوش اور حالت وجد میں فرمایا ہے اور ان کے بلند معنی و دقیق مضامین عام فہم نہیں ہیں ان کو بلحاظ ان کی اہمیت کے نگارش کرنے کی جسارت نہ کروں گا۔ بلکہ سفر حجاز کے وہی واقعات و ارشادات لکھوں گا جو عقلاً و نقلاً تحریر میں آسکتے ہیں لیکن پھر بھی اسکا وعدہ نہیں کرونگا کہ وہ سوانح اپنے وقوع کے اعتبار سے بقید زمانہ اور تقدم و تاخر کی غلطی سے محفوظ ہونگے کیونکہ اس کا تحقیق کرنا محال ہے کہ مکہ معظمہ کے کس سفر میں اور کس سال یہ واقعہ وقوع پذیر ہوا

مثلاً حضور کے قدیم خدمتگار جناب شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین حضرت شاہ ولایت محمد عبدالمنعم قادری کنز المعرفت علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ میں جب مکہ معظمہ پہونچا اور بجہت سوئے قدم جناب سیدنا شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر (علیہ الرحمۃ) کا مہمان ہوا اور جب طواف کرنے گیا تو یہی دیکھا کہ حرم شریف کے دروازہ پر چاہ زمزم کے قریب ایک معمر بزرگ جن کے نورانی چہرہ سے تبحر علمی کی شان نمایاں تھی۔ کھڑے ہیں اور یا عبدالحی کی ضرب لگا رہے ہیں یہ جا بیدا و عبیر مانوس ذکر سن کر مجھ کو تعجب ہوتا تھا آخر ایک روز جناب مولانا علیہ الرحمۃ سے ذاکر صاحب کی شخصیت اور حالت دریافت کی۔ ممدوح موصوف نے مسکرا کر فرمایا کہ ان کا نام مولوی عبدالحی صاحب ہے۔ اور مجذوب الحال ذاکر تمہارے ہم سلسلہ میں اور ان کا واقعہ معتبر حضرات سے یہ سنا ہے کہ یہ کسی مقتدر خاندان کے رکن ہیں قبل اس حالت کے بھی ان کو اہل مکہ محقق اور وسیع النظر عالم سمجھتے تھے۔

مگر اب جامع اخلاق حسنہ اور صاحب مقامات عظمٰی بلکہ مقرب بارگاہ حضرت احدیت جانتے ہیں یہ حضرت بحیثیت مہاجر اس زمانہ میں یہاں آئے تھے جب آپ کے مرشد برحق سیدنا ظلہ العالی یہاں تشریف فرما تھے۔ مولوی صاحب بھی ان کی خدمت میں بہ نظر طلب جانے لگے۔ ایک روز کچھ ذکر آگیا تو مولوی صاحب موصوف نے مسئلہ وحدت وجود سے قطعاً انکار کیا۔ سیدنا ظلہ نے عنایت فرمائی اور اپنے کمل میں ان کو چھپا لیا۔ تھوڑے وقفے کے بعد جب باہر آئے تو خدا کو علم ہے کہ مولوی صاحب نے اس پردہ میں کیا دیکھا اور اپنی حقیقت کے رازِ مکنون کو کیا سمجھا۔ مگر اسی وقت سے انکی یہ کیفیت ہے کہ ہمہ دم پرکیف رہتے ہیں اور اکثر چاہِ زمزم کے قریب کھڑے ہو کر با آواز بلند یا عبدالحی کی ضرب لگاتے ہیں بقیہ اور حالات اگر دریافت کرنا ہو تو وہ مرشد برحق سے پوچھنا بلکہ یہ ضرور عرض کرنا کہ اس غریب مولوی کو کیا دکھا دیا جو خودی سے بے خود ہو گیا اور اپنے نام کی آپ ضرب لگانے لگا۔

اس قصہ سے یہ تو ضرور معلوم ہو گیا کہ مکہ معظمہ میں مولوی عبدالحی صاحب مہاجر حضور قبلہ عالم کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے لیکن باوجود اس صراحت کے اس کا انکشاف نہیں ہوا کہ یہ واقعہ کس سفر میں پیش آیا کیونکہ سرکار عالم پناہ سات یا گیارہ مرتبہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے ہیں اور قریب قریب جملہ واقعات سفر حجاز کے تذکروں میں زمانہ کی قید نہ ہوگی۔

اور میں نے جو پہلے سفر حجاز میں اس واقعہ کو نقل کیا تو محض اس خیال سے کہ اوّل تو تمثیلاً اس کا ذکر کرنا تھا۔ دوسرے یہ کہ واقعہ چونکہ صحیح ہے لہٰذا اگر زمانہ کا اختلاف بھی ہو گا تو وقوع واقعہ کے منافی نہیں کیونکہ یہ مسلمہ ہے کہ حضور کے فیض سے مولوی عبدالحی مہاجر فائز المرام ہوئے۔

علیٰ ہٰذا شیخ محمد اسمٰعیل صاحب وارثی رئیس بلیھی مضافات بہار جب حج بیت اللہ سے واپس آکر حضور کی قدمبوسی کے لئے دیوی شریف حاضر ہوئے۔ اور مکہ معظمہ کے بعض مقامات متبرکہ کا ذکر آیا تو سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ اسمٰعیل ہم بھی ایک روز غارِ حرا کی

جانب گئے تھے۔ دیکھا کہ ایک صاحب آنکھیں بند کئے مراقبہ میں بیٹھے ہیں جب اس مشغلہ سے وہ فارغ ہوئے تو ہم نے پوچھا کہ آپ کس خیال سے یہ ریاضت کرتے ہیں انہوں نے کہا آپ سے کیا پردہ کروں. طلب میری یہ ہے کہ مطلوب حقیقی کو دیکھوں لیکن عرصہ سے یہ شغل کرتا ہوں اور ہنوز مراد پوری نہیں ہوئی. ہم نے کہا. جب آپ آنکھیں بند کر لیتے ہیں تو دکھائی کیا دے. مشہور ہے کہ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمٰى۔ اگر آنکھیں کھول کر محبت کی نظر سے آپ دیکھیں تو انہیں موجودات کے پردہ میں وہ مطلوب حقیقی دکھائی دے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب مشاہدۂ مطلوب کے واسطے پہاڑ کو مستقر بنایا تو تجلیات انوار شاہد حقیقی کی دید نصیب ہوئی۔

یہ کہہ کر ہم چلے آئے مگر تھوڑے عرصے کے بعد وہ بزرگ مکہ معظمہ میں ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے مرشد میں بیعت کرونگا. آپ کی توجہ سے میری برسوں کی مراد پوری ہوئی ہم نے کہا۔ بیعت کی ضرورت نہیں ہے سنا ہوگا کہ دونا ؤں پر سوار ہونے والا ہمیشہ ڈوبتا ہے جس کا ہاتھ پکڑ چکے ہو اس کا دامن نہ چھوٹے وہی صورت ہمیشہ رہنمائی کرے گی۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک روز غار ثور کی طرف جو ہم گئے تو دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت نہایت دردناک آواز سے رو رہی ہے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ابھی اسکا جوان بیٹا مر گیا ہے ہم نے اسکو صبر کی ہدایت کی تو اس نے کہا حکیم صاحب صبر اس ویرانہ میں کہاں ملے گا اور نہ میرے پاس پیسہ ہے جو مول لاؤں تمہارے پاس اگر کوئی دوا ہو تو اللہ کی راہ پر اس کو کھلا دو کہ زندہ ہو جائے یہی میرا ایک لڑکا ہے ہم نے لڑکے کے منہ پر سے کپڑا ہٹا کر ٹھنڈا پانی چھڑک دیا. اتفاق سے اس نے آنکھ کھول دی اور بات کرنے لگا. بڑھیا تو جوش محبت میں اس سے لپٹ گئی اور ہم وہاں سے آگے چلے گئے شاید اسکو سکتہ ہو گیا تھا۔

ایک مرتبہ تعلیم طریقت. کا کچھ ذکر ہو رہا تھا۔ اسی سلسلہ میں آپنے فرمایا کہ طائف میں ایک خوشحال شخص علی بن حافظ نامی ہمارا مرید ہوا اور ہاتھ جوڑ کر اس نے کہا کہ خدا کو خوش کرنیکا کوئی ایسا آسان طریقہ تعلیم فرمائیے جس کی تعمیل کر سکوں. ہم نے کہا اچھا اگر تم کو یہ شوق ہو کہ خدا

ہم سے خوش ہو۔ تو اَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ جیسی خدا نے تمہارے ساتھ نیکی کی ہے تم اس کی مخلوق کے ساتھ ویسی ہی نیکی اور احسان کرو اس نے کہا کہ بہت اچھا ایسا ہی کرونگا ہم چلے آئے۔

آٹھ روز کے بعد وہ مکہ شریف میں ہمارے پاس آیا اور کہا کہ حسب ہدایت میں نے خدا کے بندوں پر وہی احسان کیا جو خدا نے مجھ پر کیا تھا کہ اپنا کل مال عند اللہ فقرا اور مساکین کو تقسیم کر دیا اور سمجھا کہ فراغت ہو گئی۔ اور خدا کے احسان کا بدلہ کر چکا مگر دوسرے روز سے بغیر طلب خدا پھر مجھ کو لذیذ غذا پہونچاتا ہے تو آپ سے پوچھنے یہ آیا ہوں کہ اب اس احسان کے عوض اس کے بندوں کے ساتھ میں کیا بدلہ کروں کیونکہ اب تو میرے پاس مال بھی نہیں ہے۔

ہم نے کہا کہ اگر وہ کریم کارساز روز تم کو غذائے لذیذ کھلاتا ہے تو اس کا بدلہ تم یہ کرو کہ روز اس کے بندوں کو بلا خیال معاوضہ پانی پلایا کرو۔ کیونکہ پانی بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔

چنانچہ اسی وقت اس کو ایک مشک منگادی گئی اور اسی دن سے وہ خدا کو خوش کرنے کے شوق میں خدا کے بندوں کو پانی پلانے لگا۔

کچھ عرصہ کے بعد وہ پھر آیا اور کہا اب دوسری پریشانی میں مبتلا ہوں وہ یہ کہ خدائے کریم غذائے لذیذ تو اسی طرح مجھ کو روز پہونچائے جاتا ہے مگر میری آنکھوں میں یہ مرض پیدا ہو گیا ہے کہ ماسوائے اللہ کوئی دوسرا مجھ کو نظر نہیں آتا پانی کس کو پلاؤں۔

ہم نے کہا کہ اب مشک پھینک دو اور غار ثور میں جاکے اس طرح بیٹھو کہ مرکے اٹھو تمہارا کام ہو گیا یہ اللہ کی دین ہے۔ جاؤ۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک روز طائف کے نخلستان میں ہم نے دیکھا کہ ایک اونٹ مجنون ہو گیا ہے اور اس کا مالک رو رہا ہے۔ سبب پوچھا تو اس نے کہا میرے اور میرے اہل و عیال کے رزق کا سہارا یہی اونٹ تھا۔ چند روز سے اسکی یہ حالت ہے کہ سب کو کاٹتا ہے

اور ہم لوگ نانِ شبینہ کو محتاج ہو گئے ہیں ہم نے ببول کے کانٹے سے اس کی پیشانی پر جو آبلہ پڑ گیا تھا اس کو توڑ دیا اور وہ اونٹ اچھا ہو گیا یہ نسخہ ہم کو ایک عرب نے بتایا تھا۔

غرض حضور قبلہ عالم نے تین مہینے سے زیادہ مکہ معظمہ میں قیام فرمایا اور گرد و نواح کے مشہور مقامات کی خوب سیر کی اور اس عرصہ میں متعدد حضرات داخلِ سلسلہ ہوئے اور ہر ایک کو اس کی حالت اور استعداد کے لحاظ سے ہدایت فرمائی۔ چنانچہ کسی کو یہ حکم ہوا کہ اہل و عیال کی ضروریات کے واسطے تجارت کرو اور دل بیار دست بکار کے مصداق بنو کسی کو دائم الصوام کسی کو قائم اللیل رہنے کی ہدایت ہوئی کسی کے واسطے زہد و توکل تجویز کیا۔ کوئی بادۂ محبت سے سرشار ہو گیا۔

مدینہ منورہ | الحاصل ہر شخص کی اہلیت کے لحاظ سے اس کو ہدایت فرمائی اور ذالحجہ کے دوسرے ہفتے میں پہلا قافلہ جب تیار ہوا اور شریف مکہ نے آپ کی سواری کے واسطے ایک اونٹ کا انتظام کیا حکام بھی ہمراہ رکاب تھے مگر مکہ معظمہ سے آپ پا پیادہ مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔

راستہ میں ایک روز قافلہ جا رہا تھا کہ بدوؤں سے مقابلہ ہوا جو لوٹنے پر آمادہ نظر آئے اہل قافلہ نے اس پریشانی میں حضور کو اپنا پشت پناہ بنا لیا اور امداد طلب ہوئے کہ للہ اس آفت ناگہانی سے بچائیے۔ آپ نے سب کو تسکین دی اور خود ان مسلح بدوؤں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ افسوس کا مقام ہے کہ تم کو نسلاً جس کا رضاعی بھائی ہونے کا شرف حاصل ہے اس کے زائرین کو بجائے مہمان نوازی کے لوٹنے آئے ہو۔ بدوؤں کے سردار نے کہا کہ اس قافلہ کی محافظت کے صلہ میں ہم کو سو روپیہ ملتے تھے جو شریف نے نہیں دیئے آپ نے فرمایا۔ وہ ہم سے لو اور بمبئی کے اس تاجر کو حکم دیا جو آپ کا ارادتمند تھا کہ تم دو سو روپیہ ان کو دے کر اپنے قافلہ کو تکلیف سے بچاؤ۔ وہ تاجر روپیہ لے کر حاضر خدمت ہوا۔ بدو یہ دیکھ کر بہت محجوب ہوئے اور روپیہ لینے سے انکار کیا۔ اور ان کے دو سردار ندامت سے گردن جھکائے خدمت والا میں حاضر ہوئے اور آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ آپ کی ہدایت سے متاثر

ہوکر ہم آئے ہیں اور آپ کے سامنے اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ آج سے تا زندگی کسی قافلہ کو تکلیف نہ پہنچائیں گے آپ نے خوش ہوکر ان کو رخصت فرمایا اور قافلہ آگے چلا۔

یہ پُر مذاق قصہ بھی اکثر حضور قبلۂ عالم نے متبسم لبوں سے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ کے راستہ میں ایک روز ہم اونٹ پر سوار ہوئے اور ایک ضعیف مولوی صاحب تھے ان کو اپنے ساتھ بٹھا لیا مولوی صاحب بار بار آیۂ کریمہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ پڑھتے تھے ہم نے پوچھا کہ مولوی صاحب اس آیت کی یہ تکرار تلاوت آپ کیوں فرماتے ہیں۔ کہا صاحبزادہ تم کیا جانو یہ آیۂ کریمہ صابرین کے لئے بشارت ہے اور ہمارا صابرین میں شمار ہے۔ کیونکہ اس دشوار گزار راستہ میں مصیبت پر مصیبت اٹھاتے ہیں اور صبر کرتے چلے جاتے ہیں۔ اتفاق سے شتربہ کا پانی ختم ہوگیا اور قریب نصف النہار گرم ہوا جو چلی تو مولوی صاحب کو پیاس لگی۔ گھبرا کر اپنے ہمراہیوں سے پانی مانگا۔ انہوں نے بھی سوکھا جواب دیا۔ آخر جب مولوی صاحب شدت تشنگی سے بہت پریشان ہونے لگے۔ تب ہم نے کہا۔ " اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ "۔ یہ سنکر مولوی صاحب کو غصہ آگیا اور کہا۔ صبر کی ایسی تیسی ہماری جان جاتی ہے آپکو اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ کی پڑی ہے اگر ہم پیاس سے مرگئے تو مع الصابرین کو قبر میں لے جائیں گے

اس عرصہ میں ایک شخص آیا اور اُس نے مولوی صاحب کو کچھ کھلا کر ٹھنڈا پانی پلایا۔ جب مولوی صاحب کے حواس درست ہوئے تو کہا آج سے اس آیت کو میں کبھی نہ پڑھوں گا۔ زبان سے کہنا تو آسان ہے مگر واقعی صبر کرنا بڑے مردوں کا کام ہے۔

اسی سلسلہ میں حکیم صفدر علی صاحب وارثی مؤلف جلوۂ وارث صفحہ ۵۰ میں لکھتے ہیں کہ "راہ میں ایک مسجد ملی جس میں محمد صالح مجذوب رہا کرتے تھے جب آپ وہاں پہونچے تو مجذوب موصوف نے یہ فرما کر آپ کو سینہ بہ سینہ کیا کہ اپنی امانت لیجئے اور خود جاں بحق تسلیم ہوئے حضور نے مستانہ روش اختیار کی جب دربار حضرت رسالت صلعم میں پہونچے تو آپ کو سلوک حاصل ہوا اور سالک مجذوب کے بعد مجذوب سالک کا درجہ اپنے نانا جان سے پایا۔

مؤلف موصوف کی نقل کردہ اس روایت کے بعض حصص باوجود غیر معروف ہونے کے قابل اعتراض بھی اس وجہ سے نہیں ہیں کہ حضرات مشائخین کے تذکروں میں عموماً مؤلفین ایسے مضامین کی روایتیں نقل فرماتے ہیں۔ لہٰذا روایت مذکور کے اس فقرہ سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ "محمد صالح مجذوب نے آپ سے ملاقات کی" بلکہ میں تو یہ عرض کرونگا کہ مولفین سیرت وارثی نے حضور کے حالات سفر حجاز میں ایک یا دو مجاذیب کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ شاید یہ انکی اختصار پسندی کا تقاضا تھا۔ ورنہ خیال یہ ہے کہ خدا کی اس چھپی ہوئی فوج سے جس میں متعدد کاملین عارفین مجاذیب سالکین شامل ہونگے اپنے اپنے مقام پر حضور قبلہ عالم سے ملاقات کی ہوگی جس سے ہم ظاہر بیں بے خبر ہیں۔

لیکن بہ کمال ادب یہ عرض کروں گا کہ روایت مذکور کے دو جملے قابل غور اور لائق تنقید ہیں۔ جن کا مفہوم آداب حضرت شیخ کے منافی ہے۔ کہ ارشادات قبلۂ عالم سے کھلا ہوا اختلاف ہے۔ اول یہ کہ مولف موصوف نے لکھا ہے کہ محمد صالح مجذوب نے آپ کو سینہ بہ سینہ کیا اور امانت روحانی تفویض فرمائی۔

بظاہر یہ ایسا واقعہ ہے جس پر اکثر مشائخین فخر کرتے ہیں۔ مگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو آپ کی یہ در پردہ تنقیص ہے۔ چنانچہ خود حضور نے فرمایا ہے۔ کہ " سیاحت عرب میں ایک ابدال سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا۔ تعال یا سیدی ہم قریب گئے تو کہا آؤ ستر سال کی ریاضت کا ثمرہ تم کو تفویض کردوں۔ ہم نے کہا کہ نظر ولی الیک یا شیخ ہمیں نہیں چاہیئے یہ بھی فرمایا ہے کہ " مرد وہ ہے جو اپنی کمائی دوسروں پر تقسیم کرے اور نامرد وہ ہے جو دوسروں کے مال سے فائدہ اٹھائے" یہ بھی فرمایا ہے کہ " شیر اپنا شکار کھاتا ہے۔ اور دوسرے درندوں کے شکار کو سونگھتا بھی نہیں" یہ بھی فرمایا ہے کہ " عرب میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا صاحبزادے کیا تلاش کرتے ہو جو خواہش ہو میں پوری کردوں۔ ہم نے کہا۔ ہمارے گھر میں کیا نہیں تسلیم رضا اہلبیت کی لونڈی فقر

شیر خدا کا غلام ہے اس نے کہا سچ کہتے ہو۔

ان ارشادات سے حضور کی سیر چشمی اور مزاج ہمایوں کی غیوری اور احتیاط صاف ظاہر ہوتی ہے اور ثابت ہے کہ حضور نے کسی کے کمالات روحانی سے فائدہ نہیں اٹھایا اور جو کچھ آپکو ملا ہے وہ عنایت وہبی سے ملا ہے یا آبا و اجداد سے بطریق اویسیہ افادہ ہوا ہے مگر افسوس مؤلف موصوف نے اپنے خیال اور حوصلہ کے لحاظ سے یہ لکھدیا کہ محمد صالح مجذوب نے آپ کو نعمت تفویض فرمائی جو صریح حضور کے مدارج علیا کی تنقیص اور آپکی شان غیوری کے منافی ہے۔

دوسرا جملہ جو یقینی قابل تنقید ہے وہ یہ کہ مؤلف موصوف نے اپنی دید و یافت کے اعتبار سے پیشوائے کامل کے حق میں یہ نگارش فرمایا کہ محمد صالح مجذوب کی عنایت سے آپنے مستانہ روش اختیار کی یعنی مجذوب ہوگئے اور بارگاہ رسالت سے آپ کو مجذوب سالک کے بعد سالک مجذوب کا درجہ ملا۔ گویا ممدوح نے اپنے خیال میں مرتبۂ سالک مجذوب کو مدارج علیا میں شمار کیا اور اس کا زرین سہرا ایسے جلیل القدر اور ممتاز عاشق کے سر پر باندھا جس نے جملہ منازل عشق اہتمام کے ساتھ طے فرمائے اور اپنے وقت کا مجدد ہوا۔

جناب مؤلف کا یہ صوفیانہ اندازہ اور روحانی تجزیہ بالکل اس قدیم اور مشہور مثل کا ہم معنی ہے کہ نیپال کے ایک دیہاتی اور معمولی شخص نے ہندوستان کے بڑے مقتدر رئیس کا عالیشان مکان دیکھا اور اس کے تمول کا حال سُنا تو بے ساختہ کہا کہ یہ تو روز گڑ کھاتے ہونگے۔

چونکہ مؤلف موصوف بصورت مشائخین زمانہ صاحب کیف و حال شخص ہیں۔ اس لئے اپنے خیال میں مرتبہ سالکِ مجذوب کو صوفی کا منتہائے کمال تصوّر فرمایا اور اس کو ایک کامل و مکمل ہستی کے اوج و رفعت کی آخری حد قرار دیا اور شاید آپ کو یہ نہ معلوم ہوگا کہ مجذوب کے حال و مقام کی نسبت حضور نے کیا فرمایا ہے۔

چنانچہ ایک روز حضور قبلہ عالم نے اپنے ایک خادم کو چشم نمائی فرمائی اور دیر تک اس کی تنبیہہ کرتے رہے۔ مگر خادم خاموش رہا۔ حضور نے حاجی اوگھٹ شاہ صاحب سے مخاطب

ہو کر فرمایا کہ یہ (خادم) اس قدر خاموش کیوں ہے ادگھٹ شاہ صاحب نے دست بستہ عرض کیا کہ سرکار یہ چُپ اس وجہ سے ہیں کہ شاید انہوں نے سن لیا ہے کہ اکثر عورتیں آپ کو مجذوب کہتی ہیں۔ یہ سن کر پہلے آپ دہن مبارک پر ہاتھ رکھکر مسکرائے پھر تنفر آمیز طریقہ سے سر اقدس کو جنبش دیکر فرمایا۔ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں ہم مجذوب نہیں ہیں بلکہ یہ لنگوٹ بندھنے کا اثر ہے۔ کہ غصہ آجاتا ہے۔ اور مجذوب تو مسلوب الحواس، مغلوب الحال کو کہتے ہیں جو خود اگر کامل بھی ہو لیکن دوسروں کی تکمیل نہیں کر سکتا۔

اسی طرح دیگر ارشادات سے بھی مجذوب کے حال و مقام کا اظہار ہوتا ہے مگر میرے خیال میں یہی ایک ارشاد اس اطمینان کے واسطے کافی اور بس ہے کہ سرکار عالم پناہ مجذوب نہ تھے۔ کیونکہ دنیا جانتی ہے بلکہ خود مؤلف موصوف نے اپنے رسالے میں مختلف مقامات پر تحریر فرمایا ہے کہ حضور قبلہ عالم کے فیض و تصرف سے غیر محدود مخلوق الٰہی مستفیض ہوئی اور آج بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر آپ مجذوب، یا مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہوتے تو آپ سے دوسروں کی تکمیل ظہور پذیر نہ ہوتی۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ حضور قبلہ عالم مشتاق دیدار حبیب مدینہ منورہ میں اپنے جد علی کے مزار پُر انوار پر پہونچے ہیں تو درد فراق سے یقینی مضطرب اور بے قرار تھے۔ اور اس وقت آپ کے قلب مصفا کی جو حالت بیان کی جائے وہ بالکل قرین قیاس ہے جس کو دیکھکر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نوعمر نبیرہ کو ایک نظر عنایت سے قرب الٰہی میں اس مقام ارفع تک پہونچا دیا جس کے اثرات سے صدیوں کے بعد دنیا کے ہر گوشہ میں عشق و محبت کے چشمے جاری ہو گئے۔

علیٰ ہذا حضرت خاتون جنت کی آرامگاہ میں جب آپ کا گزر ہوا ہوگا۔ تو اس جدّ ماجدہ کی جناب سے کیا انعامات پوتے کو تفویض ہوئے اس کا بھی علم اس مبدء فیاض کو ہے جس نے اس مطہرہ کو یہ شرف و اعزاز مرحمت فرمایا کہ رسول کریم کی وہ لاڈلی بیٹی جملہ عورتوں کی سردار

اور صاحب مقام رضا و تسلیم ہے۔

چنانچہ حضور قبلۂ عالم نے اکثر فرمایا ہے کہ "بی بی فاطمہ کی منزل رضا و تسلیم کی تھی"۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "صبر و رضا کا مرتبہ جس کو ملا۔ اہلبیت کے گھر سے ملا۔" اور یہ بھی فرمایا کہ "صبر و رضا کا مرتبہ جس کو خاتون جنت نے تفویض فرمایا وہ ضرور فائز المرام ہوا۔"

یہی سبب ہے کہ حضور نے بکمال ثبات و استقلال رضا و تسلیم کی ایسی تکمیل تام فرمائی۔ کہ اٹھاسی سال تک گرمی، سردی، بھوک، پیاس حتی کہ بیماری کی تکلیف کا ذکر کبھی نہیں فرمایا اور کسی وقت اور کسی حالت میں حرف شکایت سے زبان آشنا نہیں ہوئی۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے تو شاید بے محل نہ ہوگا کہ حضور کو رضا و تسلیم آپ کی جدۂ ماجدہ نے تفویض فرمائی۔

نجف اشرف اسی صورت سے دیگر اجداد کے مزارات کی زیارت کا شرف حاصل فرما کر بر دولتے تین مہینے مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں متعدد طالب علم شرف بیعت سے مستفید ہوئے جب شوق زیارت نجف اشرف نے زیادہ بے چین کیا تو آپ نے عزم سفر فرمایا۔ اور بعد قطع مسافت نجف اشرف پہونچے اور جد نامدار کے مزار اقدس سے لپٹ کر زار زار روتے رہے اور اسی حالت میں عنایت حضرت مرتضوی سے آپ کا سینہ فیوض و برکات سے معمور ہو گیا۔ اور جو دیکھنا تھا وہ دیکھا۔

چنانچہ مولائے کائنات کے فیوض و برکات سے آپ کا بلا واسطہ مستفیض ہونا اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس حقیر کو ۱۳۱۲ھ میں حضور نے سفر عراق کی جب اشارت فرمائی تو یہ بھی حکم ہوا کہ نجف اشرف پہونچنا تو وادی السلام میں در نجف ڈھونڈنا۔ اور بادن نگینے در نجف اور بادن موئے نجف کے ہمارے واسطے لانا حسب ہدایت ایسا ہی کیا۔ اور بعد واپسی جب ہر دو قسم کے نگینے پیش کئے تو حضور نے مسکرا کر فرمایا کہ موئے نجف تو لائے مگر تصویر نجف بھی دیکھی تھی میں نے عرض کیا کہ دیکھنا کیسا تصویر نجف کا نام بھی نہیں سنا۔ اور نہ تصویر نجف کی حقیقت معلوم ہے فرمایا جس طرح موئے نجف میں بال دکھائی دیتے ہیں اور اس

کو موئے نجف کہتے ہیں۔ اسی طرح نگینے میں شیر خدا کی شبیہ دکھائی دیتی ہے کہ آپ کھڑے ہیں اور ذوالفقار ہاتھ میں ہے اور اسی کو تصویر نجف کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور نے تصویر نجف دیکھی تھی اس وقت جناب حضرت نے نیچی نظر کر کے آہ سرد کے ساتھ بیساختہ فرمایا کہ "اسی کو دیکھکر تو یہ حال ہوا!"

بلکہ میرے والد ماجد بھی کہتے تھے کہ بعد مراجعت سفر حجاز حضور قبلۂ عالم نے وقتاً فوقتاً زیارت نجف اشرف کا جب ذکر فرمایا تو آپ کی تقریر کے اکثر اشارات سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ آپ کی تکمیل بطریق اویسیہ نجف اشرف میں مولائے کائنات کے روحانی تصرفات سے ہوئی اور اس کا بھی اشارہ ہوا کہ کربلا میں تمھارے دادا صاحب رضائے اتم و تسلیم کامل ہیں ان کی تعمیل سے مستفید ہو۔

کربلائے معلّٰی حضور قبلۂ عالم نے بہ تعجیل اس حکم کی تعمیل فرمائی اور کربلائے معلّٰی میں آکر امام عالی مقام حضرت سید الشہدا علیہ السّلام کے آستانہ اقدس کی زیارت سے شرف اندوز ہوئے اور فقر و فنا کی تاکید کے بعد یہ راز منکشف ہوا کہ تشنگی اور گرسنگی شاہد بے نیاز کے ادا و ناز کے دو کرشمے ہیں جن پر صبر کرنا سیادت کی مخصوص شان اور عاشقین کا عین مسلک ہے۔

جب زمین کربلا کی تاثیر آب دہول سے خیالات کا رخ بدل گیا تو آپ کاظمین اور سامرہ ہوتے ہوئے بغداد شریف پہونچے۔ اور خانقاہ حضرت غوث پاک میں کچھ روز قیام کیا اور طریقہ یہ اختیار کیا کہ دن کو مزارات صوفیائے متقدمین کی زیارت کرتے اور رات کو مزار حضرت غوث الثقلین کے قریب مسجد میں عبادت فرماتے تھے۔

چنانچہ یہ حقیر ۱۳۱۲ھ کے سفر میں اس وقت بغداد شریف پہونچا۔ جس زمانہ میں پیر سید مصطفٰے صاحب خدمت سجادگی سے دست کش ہو کر خلوت نشین ہو چکے تھے۔ مگر آپ کے پوتے سید ابراہیم صاحب کی عنایت سے یہ سعادت نصیب ہوئی کہ حضرت ممدوح

کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ جب حضرت کو یہ معلوم ہوا کہ یہ ناچیز جناب حاجی صاحب قبلہ کا غلام ہے تو فرمایا۔ حاجی صاحب بھی یہاں عرصہ ہوا آئے تھے۔ اور تمام رات عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ اور آپ کے اکثر محامد بیان کئے۔ اور بعض واقعات کا خرق عادات کے طور پر ذکر فرمایا۔

مکہ معظمہ | منقول ہے کہ بغداد شریف سے روانہ ہو کر آپ یکم ذالحجہ کو مکہ معظمہ پہنچ گئے حج میں شریک ہوئے یہ حج دوشنبہ کو ہوا جسکو عرف عام میں حج النبی کہتے ہیں۔ اور بعد ادائے مناسک حج مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر بیت المقدس تشریف لے گئے! اور انبیاء علیہم السلام کے مزارات کی زیارت کی اور اسی سفر میں آپنے افریقہ کی سیاحت فرمائی اور واپس ہیں کہ معظمہ آئے اور بعد ادائے حج مدینہ منورہ میں زیادہ قیام کیا اور وقتاً فوقتاً شام اور حلب وغیرہ کی سیر فرمائی۔

مراجعت وطن مالوف | الحاصل پہلے سفر حجاز میں حضور قبلہ عالم نے تین یا بر دلیتے چار حج کئے اور چار مرتبہ مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہو کر جدامجد سے رخصت ہوئے اور بہ سواری جہاز بمبئی پہنچے۔ اور اندور، اجین، ٹونک، اجمیر، دہلی وغیرہ ہوتے ہوئے ۱۲۵۷ھ میں لکھنو آئے اور ایک ہفتہ قیام فرما کر دیوی شریف میں رونق افروز ہوئے۔

حضور قبلہ عالم کو اس شان سے کہ تہبند پوش پا برہنہ ننگے سر دیکھ کر پہلے لوگوں نے پہچانا نہیں بعد کو شہرت ہوگئی کہ مٹھن میاں تشریف لائے۔ ہر شخص کو مسرت ہوئی۔ اعزا نے دعوتیں کیں۔ اکثر اقربا کو آپ کی شادی کا خیال ہوا چنانچہ سید اعظم علی صاحب نے باصرار تمام چاہا کہ اپنی دختر سیدہ رجبن بی بی صاحبہ کا جو پیدائش کے وقت سے آپ کے ساتھ منسوب تھیں نکاح ہو جائے۔ مگر حضور قبلہ عالم نے بحوالہ آیۃ کریمہ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ ۔ انکار فرمایا۔ اور دوسرے روز لکھنو چلے گئے۔

دوسرا سفر حجاز | حضور قبلہ عالم کا یہ سفر حجاز بھی اسقدر ممتاز ہے کہ باوجود اس احتیاط

کے کہ ان مخصوص واقعات اور پر اسرار ارشادات کا ذکر نہیں کیا جن کا بے پردہ الفاظ میں اظہار کرنا منظور نہ تھا۔ بلکہ چند حالات وہ بھی عام فہم مضامین میں اختصار کے ساتھ لکھے گئے لیکن تھوڑا غور کرنے سے یہ شان نظر آتی ہے۔ کہ جسطرح آپکی ذات بابرکات..... اپنے زمانہ میں بےمثل و یگانہ سمجھی گئی۔ اسی طرح آپکا یہ سفر حجاز بھی اپنی نوعیت میں فرد ہے۔

لیکن مؤلف جلوۂ وارث نے اپنی ذہانت سے اس میں بھی غیر ضروری جدت فرمائی کہ آج تک جملہ مؤلفین سیرت وارثی نے پہلے سفر حجاز کو بسواری جہاز لکھا ہے۔ مگر موصوف الذکر نے یہ نگارش کیا ہے کہ پہلا سفر حضور نے خشکی کے راستہ سے طے فرمایا۔ حالانکہ وہ دوسرا سفر ہے جو کابل و قندھار کی طرف سے آپ تشریف لے گئے۔ اور یہی حضور کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے پہلا سفر دریا سے اور دوسرا خشکی سے فرمایا۔

چنانچہ ایک مرتبہ بر سبیل تذکرہ سفر مکہ معظمہ کا ذکر آگیا تو آپ نے فرمایا کہ " ہم نے ایک سیاح سے سنا ہے کہ ناتجربہ کار کو جہاز سے جانا چاہیئے۔ تجربہ ہو جائے تو خشکی سے سفر کرے۔ کیونکہ دریا کا سفر آسان ہے اور خشکی کی راہ سے جانا ہر ایک کا کام نہیں۔"

علاوہ اس کے مؤلف موصوف نے صفحہ ۸۳ میں از روئے نقشہ راستہ کے مشہور شہروں کا ذکر کیا ہے۔ اس کی ترتیب بھی آپ کی جودت طبع کا ایک دلچسپ کرشمہ ہے کہ جو مقام پہلے ملنا چاہیئے تھا۔ اس کا نام بعد کے شہروں سے آگے ہے۔ اور جو آگے کے شہر ہیں۔ ان کا نام پہلے مقامات سے پہلے مذکور ہے۔

مثلاً راستہ میں یکے بعد دیگرے جو شہر ملے ان کے نام اندر روئے نقشہ آپنے اس ترتیب سے نقل فرمائے ہیں۔ لکھنؤ، رامپور، سہارنپور، پٹیالہ، لاہور، امرتسر، جموں، سری نگر، راولپنڈی، پشاور، کابل، قندھار، کوئٹہ، چمن، سیستان، ہرات، مشہد مقدس، ایران، خراسان وغیرہ وغیرہ!

اس تحریر میں مؤلف موصوف نے ان شہروں کا ذکر کیا ہے۔ جن مقامات سے گزر کر

حضور پا پیادہ لکھنیہ سے مکہ معظمہ تک تشریف لے گئے تھے۔ مگر جس نقشہ سے مقامات کی یہ فہرست ترتیب دی گئی ہے وہ نقشہ جغرافیہ کی تقلید سے مستغنی تھا۔ کیونکہ اس فہرست میں دیکھتے یہ ہیں کہ لاہور کے آگے جو مقام حضور کے زیر سیاحت آیا ہے اس کا نام امرت سر لکھا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ امرتسر کے بعد لاہور ہے۔ مزید برآں سری نگر کے بعد راولپنڈی کا نام ہے مگر ہندوستان کے نقشہ میں پہلے راولپنڈی ہے اور تقریباً دوسو میل آگے سری نگر ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ قندھار کے بعد آپ کوئٹہ تشریف لے گئے۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ کوئٹہ بلوچستان میں بلوچستان کا دارالخلافہ ہے اور قندھار کابل کے آگے ہے۔ پھر مشہد مقدس سے ایران اور وہاں سے خراسان جانا مرقوم ہے۔ افسوس مولف کو اتنا بھی نہیں معلوم تھا کہ مشہد خراسان کے ایک مقام کا نام ہے جو ملک ایران میں مشہور شہر ہے۔

غرض یہ مختلف مقامات کی فہرست صورتاً دیوانی ہانڈی کی حقیقی بہن معلوم ہوتی ہے کہ لکھ تو یہ رہے ہیں کہ حضور قبلۂ عالم فلاں شہر سے فلاں مقام پر تشریف لے گئے اور قلم سے بالمعنی یہ نکلتا ہے کہ قندہار سے آگے چلے تو کوئٹہ پہونچے یعنی سات آٹھ سو میل پیچھے واپس آئے حقیقت یہ ہے کہ لائق مولف کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ کون شہر آگے کون پیچھے ہے بلکہ چند مشہور مقامات کے ناموں کی ایک فہرست تالیف کرنا آپ کا عین مقصود تھا وہ کردی۔

پھر یہ ہنگام مراجعت صفحہ ۹۰ میں اسی انداز کی ایک دوسری فہرست میں موصوف نے یہ لکھا ہے کہ (حضور قبلۂ عالم نے) "جانب وطن مالوف عزم بالجزم فرمایا اور مدینہ طیبہ سے روانہ ہو کر بصرہ اور جدہ ہوتے ہوئے بمبئی پہونچے"۔ شاید یہ واقعہ انہیں مصدقہ واقعات میں سے ہوگا جس کا اعلان آپنے صفحہ ۴۶ میں کر دیا ہے کہ "لوگ ان سے لاعلم ہیں"۔

آخر میں اس تاریخ نویسی پر اور تاریخ بھی وہ جو مرشد برحق کی سیرت ہے اور اس قدر بے سر و پا مضامین کہ مدینہ طیبہ سے بصرہ یعنی جانب شمال ہزار بارہ سو میل آئے اور پھر جس طرف سے آئے تھے اسی طرف ہزار میل واپس جا کر جدہ پہونچے کجا مدینہ کجا بصرہ۔ مارے گھٹنا پھوٹے آنکھ

کا مضمون ہے کہ مدینہ حجاز کا مقدس مقام اور بصرہ دریائے دجلہ کے کنارے عراق کا شہر اور جدہ بحر عرب کی بندرگاہ، کاش ایک سمت بھی اگر یہ مقام واقع ہوتے تو سرسری حالت میں نگاہ نہ پڑتی۔

مگر لائق مؤلف کی اس بعید العقل جغرافیہ دانی پر حیرت ہے کہ بعد المشرقین کو اپنے زور قلم سے ایک دائرہ میں محدود کر دیا۔ ہمارے ممتاز مؤلف کا یہ کارنامہ ہمیشہ تعجب کی نظر سے دیکھا جائے گا لیکن یہ ہیچمیرز مجبوراً بخیال اظہار حق یہ عرض کرے گا۔ کہ جناب مؤلف کے یہ طبع زاد مضامین ہمارے پیشوائے کامل کے نہ مستند سوانح ہیں۔ نہ مصدقہ واقعات کہ آپ مدینہ سے بصرہ گئے اور بصرہ سے جدہ۔

بہرکیف لائق مؤلف نے سیرت وارثی کی ترتیب میں جو کچھ جدت فرمائی اور حضور کے پہلے جہاز کے سفر کو خشکی کا سفر بنا دیا۔ اس کے ذمہ دار خود وہ ہی ہیں مگر میں اپنی معلومات کے لحاظ سے یہ عرض کروں گا۔ کہ حضور قبلہ عالم نے دوسرا سفر جو خشکی کے راستہ سے بہت جلد فرمایا۔ تو علاوہ دیگر اسباب کے شاید اسکا ایک ظاہری سبب یہ بھی ہو۔ کہ آپکے اقربا جب عقد نکاح کیلئے کوشاں ہوئے تو حضور کے مہذب خیال نے بزرگوں کے مکرر اصرار سے بار بار قطعی انکار کرنا بھی خلاف ادب متصور فرمایا۔ اور لکھنؤ میں چند روزہ قیام کے بعد پھر سفر حجاز کا عزم کیا اور اسی سال یعنی ۱۲ ربیع الثانی ۱۲۵۷ھ میں آپ کی ہمت خداداد نے یہ تہیہ کیا کہ یہ سفر پاپیادہ اس طرح کیا جائے جو جہاز کی سواری کا بھی محتاج نہ ہو۔

چنانچہ منقول ہے کہ کابل و قندھار کی طرف سے بعد قطع مراحل ذیقعدہ کے تیسرے ہفتہ میں آپ مدینہ منورہ پہنچے اور آرامگاہ جد اعلیٰ کی زیارت سے شرف اندوز ہو کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور بعد ادائے مناسک حج ترکی قافلہ کیساتھ قسطنطنیہ تشریف لیگئے اور عبداللہ صاحب جو اسی سفر میں آپ کا ارادتمند ہو چکا تھا اس کے مکان میں قیام فرمایا۔ اور ایک روز اس کے ہمراہ آپ باغ سلطانی کی سیر میں مصروف تھے کہ سلطان عبدالمجید خاں سے ملاقات

ہو گئی وہ آپ کے چہرۂ حق نما کی شان جلالت دیکھکر ایسے گرویدہ ہوئے کہ بہ اصرار تمام منزل سلطانی میں لے گئے اور اپنی ارادتمندی کا باقاعدہ اقرار کیا۔ بعدہ دیگر اراکین سلطنت بھی حلقہ بگوش ہوئے اور کچھ عرصہ تک آپ نے مضافات ٹرکی کے مشہور اور تاریخی مقامات کی سیر کی۔ اور طالبان حق کو فیض معنوی سے مستفیض فرمایا چنانچہ رومی شاہ صاحب وارثی جن کا پہلا نام حسین بک تھا اسی زمانہ کے گرفتار دام محبت تھے۔ جو حضور کی قدمبوسی کے شوق میں ٹرکی سے ہندستان آئے اور چند سال زاہدانہ زندگی بسر کرنے کے بعد کوہ آبو پر جاں بحق تسلیم ہوئے۔

اس خوش نصیب ترکی النسل کا واقعہ یہ ہے کہ حضور قبلۂ عالم جس وقت دردانیال کی سیر میں مصروف تھے اتفاق سے آپ کو تشنگی معلوم ہوئی تو اس افسر نے سرد پانی کا گلاس نہایت ادب سے یہ آیۂ کریمہ پڑھ کر پیش کیا۔ یاسیّدی ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ اسکے صلہ میں آپ کی چشم عنایت نے یہ کرشمہ دکھایا کہ اس جنگجو ترک کی قلب ماہیت ہو گئی۔ اور خدا کی محبت میں دنیا کے تعلّقات سے سبکدوش ہو کر آپ کا تہبند پوش فقیر ہو گیا۔

الغرض قسطنطنیہ میں آپ اس قدر ہر دلعزیز ہو گئے کہ کسی کو مفارقت گوارا نہ تھی مگر آپ نے جب حج کا ارادہ ظاہر کیا تو سب لوگ مجبور ہوئے اور اس حساب سے آپ نے مراجعت فرمائی کہ عین ایّام حج میں مکہ معظمہ پہونچ گئے اور بعد ادائے ارکان حج بیرالالم وغیرہ کے عجائب و غرائب ملاحظہ فرمائے اور اسی سفر میں بوقت واپسی سندگلدیپ بھی گئے اور ۱۲۵۹ھ یا ۱۲۶۰ھ میں آپ لکھنؤ واپس تشریف لائے اور چندروز قیام فرما کر دیوی شریف رونق افروز ہوئے اور تھوڑے عرصے کے بعد حضور قبلۂ عالم نے تیسرے سفر کا مصمم ارادہ کیا چنانچہ اکثر حضرات نے نقل فرمایا ہے کہ یہ سفر بھی آپ نے خشکی کے دشوار گزار راستہ سے پاپیادہ فرمایا لیکن قدیم غلامان وارثی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ رجب ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء میں بمبئی تک آپ پاپیادہ تشریف لے گئے اور وہاں سے دخانی جہاز پر سوار ہو کر بندرگاہ ینبوع میں اُترے اور بعد قطع مسافت مدینہ طیبہ کی زیارت سے مستفیض ہو کر جماعت انصار کی معیت میں یکم ذلحجہ کو

مکہ مکرمہ پہونچے اور آخر ذی الحجہ میں عجمی قافلہ کے ساتھ ایران تشریف لے گئے۔

سفر یورپ مؤلفین سیرت وارثی نے ایران کے بھی بعض دلچسپ واقعات لکھے ہیں۔ اور اس کو مستند سمجھا ہے کہ حضور قبلۂ عالم محمد عارف کے ہمراہ ایران سے بغرض سیاحت روس روانہ ہوئے اور اسی سفر میں بعض حصص دیگر ممالک یورپ اور چند مقبوضات جرمنی کی بھی سیر فرمائی جہاں اکثر عیسائی آپ کے برکات صحبت سے ایسے متاثر ہوئے کہ انکا خیال تثلیث ایقان توحید سے مبدل ہوگیا اور جن کو محبت الٰہی کے صفات سے آگاہ کیا۔ وہ خدا پرست ماسوائے اللہ سے بے نیاز ہوکر پہاڑوں کی چوٹیوں پر بیٹھے اور زہد عبادت میں زندگی بسر کی بلکہ حضور قبلۂ عالم کی سیاحت یورپ کا اظہار اکثر آپ کے ارشادات سے بھی ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ جسٹس سید شرف الدین ارئی رئیس پٹنہ نے ممالک یورپ کا مجملاً ذکر کیا۔ تو حضور نے جرمنی کے ایک مشہور مگر چھوٹے شہر کا نام لیکر فرمایا کہ بیرسٹر تم وہاں بھی گئے تھے جسٹس موصوف نے عرض کیا کہ گیا تھا ارشاد ہوا کہ کہاں ٹھہرے تھے عرض کیا ہوٹل میں فرمایا۔ اس ہوٹل میں جو گرجا کے پاس ہے۔ عرض کیا۔ حضور ہاں فرمایا۔ وہاں ہم بھی گئے تھے اور مسٹر بیسن جو اس وقت وہاں کے رکن اعظم تھے ان کے مکان میں تین روز رہے تھے۔ لوگ وہاں کے بہت خلیق ہیں۔

علیٰ ہذا ایک مرتبہ حضور قبلۂ عالم اسٹیشن بارہ بنکی سے رودولی جانے کے لئے مع خدام کے ریل پر سوار ہوئے۔ اتفاق سے اس گاڑی میں ایک مقتدر یورپین کو بھی بیٹھے دیکھا میں نے مہذب طریق سے کہا کہ اگر ہم لوگوں کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہو تو ہم آپ کا اسباب دوسرے کمپارٹمنٹ میں پہونچادیں۔ صاحب موصوف نے اس کو شکریہ کیساتھ منظور کرلیا اور فوراً اترکر دوسرے درجہ میں بیٹھ گئے۔ جب گاڑی چلی تو حضور نے ترش لہجہ میں فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کہا کہ دوسرے درجہ میں چلے جاؤ۔ جو ٹکٹ تمہارے پاس ہے وہی اوّل درجہ کا ٹکٹ ان کے پاس تھا۔ میں نے دست بستہ عرض کیا کہ قصور ہوا۔ جب گاڑی دوسرے اسٹیشن یعنی صفدر گنج میں ٹھہری تو ارشاد ہوا کہ صاحب کو بلا لاؤ۔ حسب الحکم میں نے اترکر اطلاع کی و

فوراً چلے آئے۔ حضور نے ان کو اپنے پاس بٹھالیا اور پہلے چند سنگترے دیئے۔ پھر خادم سے ارشاد ہوا کہ ادنی تہبند ان کو دے دو۔ پھر فرمایا کہ سیب اور انگور کی ٹوکری ان کو دیدو ایک بڑی ہانڈی میں کسی نے دہی بڑے پیش کئے تھے حکم ہوا کہ یہ بھی ان کو دیدو۔ غرض مختلف چیزیں ان کو دے کر پوچھا کہ تمہارا مکان کہاں ہے۔ انہوں نے انگریزی میں اپنے وطن کا نام بتایا۔ جو جرمنی کا ایک خوش منظر مقام تھا۔ فرمایا۔ فلاں شخص کو جانتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ وہ میرے دادا تھے دو سال ہوئے کہ مر گئے۔ وہ ہمیشہ زمین پر سوتے تھے اور ایک کتاب پڑھا کرتے تھے فرمایا "وہ ہمارے یار تھے جب ہم گئے تھے تو انھوں نے بڑی خاطر کی تھی"۔

اگر بہ نظر تامل دیکھا جائے تو اس قصہ سے ہم بہترین اخلاق کے سبق لے سکتے ہیں لیکن اس کی صراحت چونکہ اس موقع پر بے محل ہے اس لئے میں اس قدر عرض کردں گا۔ کہ علاوہ دیگر خوبیوں کے ان قصوں سے بغیر کسی تاویل کے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور قبلہ عالم حدود یورپ میں تشریف لے گئے اور جرمنی کے بعض مقبوضات کی سیاحت کی اور وہاں کے ممتاز باشندوں نے جو خلوص کے ساتھ خدمتگزاری کی یہ ان کی ارادتمندی کی بین دلیل اور ان کے عقیدت شعار ہونے کا کافی ثبوت ہے۔

الحاصل اسی سلسلہ میں آپ نے مصر کی بھی سیر فرمائی اور بیت المقدس ہوتے ہوئے مدینہ طیبہ میں آکر چند روز کے بعد مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور بعد ادائے حج چونکہ طبیعت ناساز ہو گئی تھی۔ اس لحاظ سے عمائدین مکہ نے آپ کو سفر کرنے سے روکا جب صحت ہو گئی تو آپ عدن تشریف لے گئے اور واپسی میں یمن کے یادگار ملاحظہ فرما کر رمضان المبارک میں مکہ معظمہ پہنچ گئے اور تاایام حج قیام فرمایا۔ جب زیارت بارگاہ حضرت رسالت کے شوق نے بے چین کیا تو آخر ذی الحجہ میں غیر معمولی طور پر اہل مکہ سے رخصت ہو کر محرم کی ابتدائی تاریخوں میں مدینہ طیبہ پہنچے اور دو ہفتہ حاضر رہ کر بعد نماز جمعہ جد بزرگوار کے مزار پرانوار سے رخصت ہوئے اور اسی طرح جنت البقیعہ میں جاکر دیگر اجداد کو رخصتی سلام کیا اور جدہ ماجدہ حضرت خاتون

جنت کے سنگ آستاں کو بوسہ دیکر الوداع کہتے ہوئے جانب وطن مالوف روانہ ہوئے اور بمبئی کے قیام کے بعد اجمیر شریف ہوتے ہوئے ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۸۵۳ء میں سرزمین دیوی کو شرف پابوسی سے ایسا مشرف کیا کہ آخر میں دنیا نے اس کی شرافت کا اقرار کیا۔ اور لفظ شریف اس کے نام کے ساتھ ضم ہو گیا چنانچہ سرکاری ڈاک خانہ کی مُہر میں بھی دیوی شریف ہی تحریر ہے۔

منقول ہے کہ حضور قبلہ عالم نے دائم علی شاہ جو حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحبؒ کے مرید اور اہالیان قصبہ میں متوسط طبقہ کے شریف تھے۔ ان کے مکان میں اور بروایتے اس کے قریب مساۃ راجن کے مکان میں عارضی قیام کیا۔

خصوصیاتِ حج الغرض خلاصہ اس تفصیل کا یہ ہے کہ حضور قبلہ عالم نے چودہ سال کی مسلسل سیاحت میں ہندوستان سے تین مرتبہ سفر حجاز فرمایا۔ اور سات یا بروایتے گیارہ حج ادا فرمائے لیکن مؤلفین سیرت وارثی نے تعداد سفر اور حج میں اختلاف کیا ہے چنانچہ صاحب مشکوٰۃ حقانیہ نے صفحہ ۱۸ میں ایک روایت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "حضور نے سترہ ۱۷ حج ادا کئے۔ بارہ سال تک ملک عرب و عجم کی آپ نے سیاحت فرمائی اور اس دوران میں دس ۱۰ مرتبہ حج میں شریک ہوئے اور واپسی کے بعد پھر ہندوستان سے سات مرتبہ تشریف لیگئے۔ اس میں تین حج خشکی کے راستہ سے براہ کابل و قندھار کئے اور ۲ دو حج دخانی جہاز سے اور ۲ دو حج بادبانی جہاز کے ذریعہ سے، اور یہ سفر حضور نے مختلف مقامات سے کئے۔ کبھی اجمیر سے کبھی دہلی سے، کبھی ملتان سے اور ایک حج کے لئے دیوی شریف سے تشریف لے گئے"۔

حالانکہ یہ روایت غیر معروف ہے یا میرے کان اس سے نا آشنا ہیں لیکن علی الاختلاف الروایات اگر سترہ ۱۷ حج مان بھی لئے جائیں۔ تو یہ ما و شما کے مبالغت کا مقام ہے۔ نہ کہ حضور کے واسطے، کیونکہ تلاش کیا جائے۔ تو اکثر اہل دنیا حجاج ایسے ملیں گے کہ سترہ یا سترہ مرتبہ سے بھی زیادہ شرف حج سے مشرف ہوئے ہوں گے۔ اور برعکس اس کے اگر درحقیقت آپ نے سات

ہی حج ادا فرمائے ہیں۔ تو بھی کوئی وجہ تنقیص نہیں۔ کیونکہ ہزاروں مقربین بارگاہ احدیت ایسے نظر آتے ہیں کہ جنھوں نے ایک یا دو حج ادا کرنا کافی سمجھا۔

لہٰذا اگر تبصرہ ہی کرنا ہے۔ تو سات اور ستر کے لفظی اور عددی فخر و مباہات کے بجائے اور اس باطنی خیال کو بھی اٹھا دینے کے بعد کہ جناب حضرت احدیت میں آپکی جد و جہد اور ایثار عافیت کی حقیقی قدر و قیمت کیا ہے۔ ہم کو بغیر غلو اور انہماک کے انصاف کی آنکھ سے صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ بظاہر وارثِ ارث مصطفوی و حامل علم مرتضوی نے عنفوان شباب میں کس قابل قدر عنوان سے متواتر ایسے حج ادا فرمائے جن سے آپکے غیر معمولی صدق و خلوص ثبات و استقلال، وفور شوق اور جوش محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور خدا کے حکم کی تعمیل میں جانثاری اور جفاکشی اور ایثار عافیت قدم قدم پر نظر آتی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو ایمان یہی کہتا ہے کہ حضور کا ایک حج ہمارے ہزار بلکہ لاکھ حجوں سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے۔ اسلئے کہ ہمارا حج ہمیشہ اور ہر حالت میں تھوڑا یا بہت اغراض دینوی سے وابستہ ضرور ہوتا ہے اور آپکے حج دنیوی خیال و مفاد سے بھی پاک اور منزہ اور کلیتہً عشق و محبت سے مملو اور آراستہ ابتغاءً بوجہ اللہ ہوئے جو یقینی اپنی نوعیت میں فرد اور بے مثل ہیں۔

چنانچہ بظاہر آپکے حجوں کی شان فردانیت کا اس سے بھی اظہار ہوتا ہے کہ عام حجاج کا دستور ہے کہ حج بیت اللہ سے فائز ہونے کے بعد فخریہ اپنے نام کیساتھ لفظ "حاجی" بھی لکھتے ہیں، اور بعض حجاج بے محل اپنے حج کا تذکرہ کیا کرتے ہیں۔ مگر نہ ان کے حج کا عام طور پر شہرہ ہوتا ہے اور نہ سوائے اہل خوشامد کے لوگ ان کو حاجی کہتے ہیں۔ البتہ حضرات صوفیہ کرام کے واسطے یہ ہوتا ہے کہ ان کے ارادتمند یا ان کے شہر کے مہذب باشندے بغیر حاجی کا لفظ اضافہ کئے ان کا نام نہیں لیتے۔

مگر حضور قبلۂ عالم کے حج میں قدرتاً یہ غیر معمولی خصوصیت ہے کہ باوجود اس کے کہ آپنے حج اس سادگی سے کئے کہ نہ مریدوں کا قافلہ ساتھ تھا نہ بظاہر اور کوئی سبب شہرت کا ہوا

اور اس کا تو کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا کہ آپ نے کبھی اپنے نام کے ساتھ لفظ حاجی لکھا ہو۔ کیونکہ خصوصیات عادات میں ہے کہ آپ نے کتابت نہیں فرمائی بلکہ برخلاف اس کے آپکی طبیعت اس قدر گمنامی پسند تھی کہ مزاج ہمایوں ہمیشہ نمود و شہرت سے محترز رہا حتیٰ کہ اپنا نام بھی اپنی زبان سے کبھی نہیں لیا۔

لیکن آپکے حج ادا کرنے کی منجانب اللہ شہرت ہوئی اور منادی غیب نے چار دانگ عالم میں ڈنکا بجا دیا اور بغیر کسی تحریک کے خلق اللہ آپ کو حاجی کہنے لگی۔ بلکہ ہندوستان کے باہر بھی آپ کے نام نامی کے ساتھ حاجی کا خطاب ایسا مشہور ہے جو محتاج بیان نہیں۔

علاوہ اس غیر معمولی شہرت کے ایک لطیف خوبی اور بین خصوصیت اس میں یہ بھی ہے کہ صرف لفظ حاجی ہی آپ کے نام کے ساتھ ضم نہیں ہوا۔ جس سے آپکے نام کی عظمت و منزلت کا اظہار ہوتا بلکہ آپ مجسم حاجی ہو گئے۔ یعنی اس کی ضرورت ہی نہ رہی کہ آپ کا نام بھی لیں۔ تب آپ مقصود متکلم سمجھے جائیں۔ چنانچہ دیکھتے رہیں کہ دنیا میں جب کوئی کہتا ہے کہ حاجی صاحب بڑے بزرگ تھے۔ یا فلاں شخص حاجی صاحب کا مرید ہے۔ تو مخاطب کو اسکی ضرورت نہیں باقی رہتی کہ وہ دریافت کرے۔ کون حاجی صاحب بلکہ مجرد اسی قدر کہنے سے وہ سمجھ جاتا ہے کہ دیوی شریف کے حاجی صاحب کی طرف اشارہ ہے اور یہ سمجھنا آپکے مقبول اور بے مثل حج کی عین خصوصیت ہے۔

اس سے صریح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کعبۃ اللہ کے ساتھ آپ کو ایسی گہری نسبت اور روحانی تعلق تھا اور حقیقت کعبہ کا ایسا اظہار کامل اور انکشاف بین ہوا کہ دیگر صفات جسمانی پر یہ صفت غالب ہو گئی اور روح پر فتوح کو عین ذات سے سروکار ہو گیا۔ جو حصول مقصود اصلی کی خاص دلیل اور فنائے اتم کا آخری نتیجہ ہے کہ جس کے شوق دید میں گئے تھے اس کو دیکھا اور جوش اشتیاق میں جس کی جستجو تھی اس کو پایا۔ بصورت عوام اینٹ چونہ کا طواف منظور نہ تھا بلکہ اس پردہ میں صاحب خانہ کی تلاش تھی وہ ملا اور شاہد حقیقی کا وصل مطلوب تھا وہ ہوا چنانچہ

اکثر آپ حضرت مولانا کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

حج زیارت کردن خانہ بود　　　　حج رب البیت مردانہ بود

علیٰ ہذا یہ عرض کرنا بھی شاید ناموزوں نہ ہوگا کہ حضور قبلۂ عالم کا کعبۃ اللہ سے گہرا تعلق اور حقیقت کعبہ سے کما حقہ آگاہی کا اظہار اس سے بھی ہوتا ہے کہ اسی نسبت کی یہ کشش ہے کہ جناب والا کے زیادہ حلقہ بگوش حج بیت اللہ سے فائز ہوئے اور ہوتے ہیں اور سفر دور دراز کی اہمیت کو برداشت اور دشوار گزار راستہ کی صعوبت کو برضا و رغبت گوارا کرتے ہیں۔ بعض نے متواتر حج کئے بعض وطن مالوف کو چھوڑ کر سرزمین حجاز میں پناہ گزیں ہوئے۔ اور ایک یا دو حج تو عموماً غلامانِ وارثی نے کئے بلکہ یہ خصوصیت ہے کہ جماعت پرستاران وارثی میں اگر دیکھا جائے تو ہر مقام میں بہ لحاظ اپنی تعداد کے حاجی زیادہ ہیں اور یہ شرف اسی نسبت کی جہت سے ہے کہ ہمارے رہنمائے کامل پر حقیقت کعبہ منکشف ہوئی۔

لہٰذا بہزار فخر و مباہات ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے حاجی الحرمین سرکار عالم پناہ نے ہم غلاموں کو کعبۃ اللہ سے نسبت تفویض فرمائی اور بہ پرورش بے طلب ہوئی۔ ورنہ یہ تو روزمرہ کا قصہ تھا کہ جس نے جو مانگا وہ مرحمت ہوا چنانچہ منقول ہے کہ بعد واپسی سفر حجاز دیویٰ شریف کے قیام میں حضور قبلہ عالم کو معلوم ہوا کہ وہ معمرا قربا جو آپ کی جائداد زمینداری پر آپ کی عدم موجودگی میں قابض ہو گئے تھے اس اندیشہ سے پریشان ہیں کہ شاید اپنی ملکیت آپ واپس لے لیں۔ مگر ایک روز وہ ملاقات کو آئے تو آپ نے یہ فرما کر ان کا اطمینان کر دیا کہ "اہلبیت کرام کے مشرب میں چھوڑی ہوئی چیز کو واپس لینا حرام ہے"۔

صرف سیاحت اندرون ہندوستان کا وعدہ!

یہ روایت بھی مستند ذرائع سے منقول ہے کہ ایک روز دائم علی شاہ صاحب نے جو اس وقت حضور کے میزبان تھے۔ آپ کے مخصوص ارادتمندوں سے تذکرہ کیا کہ شاید پھر حضور نے کسی دور کے سفر کا ارادہ کیا ہے۔ اس وحشت ناک خبر سے سب کو انتشار ہوا کہ ہنوز ایک ہفتہ نہیں

ہوا ہے اور پھر مفارقت کا سوال پیش ہے۔ چنانچہ چند مخصوص حلقہ بگوش ہم خیال اور ہم آواز ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور آبدیدہ ہو کر دست بستہ عرض کیا کہ بندہ نواز ہمیشہ آپ کی بارگاہ عالی سے ہماری ایسی پرورش ہوئی ہے کہ جو مانگا وہ ملا۔ آج بھی در دولت پر ایک التجا لیکر آئے ہیں اور مستدعی ہیں کہ حضرات پنجتن پاک کے صدقے میں ہماری یہ التماس قبول کی جائے ارشاد ہوا کیا چاہتے ہو؟ ان میں جو زیادہ مسن اور مقرب تھے انہوں نے رو رو کر عرض کیا کہ اب ہم لوگ برسوں کی جدائی کا صدمہ برداشت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا گزارش یہ ہے کہ اگر حضور سفر دور دراز فرمائیں گے تو ہم غلاموں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ معہ اہل و عیال آپ کے ہمراہ رکاب ہوں گے اور چونکہ بے سروسامان چلیں گے تو یقینی راستہ میں فاقے کر کے مر جائیں گے۔ مگر آپ کے قدموں کی قسم آپ کا دامن نہ چھوڑیں گے۔ بس اگر تباہ و برباد کرنا اور ہماری عورتوں کو دربدر پھرانا منظور ہے تو بہتر۔ چلیئے ہم بھی ساتھ چلیں گے۔ ورنہ اس کا وعدہ فرمایئے کہ ہندوستان کے باہر نہ جائیں گے۔ زیادہ سے زیادہ سو دو سو کوس کے اندر سیر و سیاحت فرمائیے تاکہ مہینہ دو مہینے کے بعد تو قدمبوسی نصیب ہو۔

غلاموں کی یہ پر درد مگر خلوص آمیز التماس سنکر سرکار عالم پناہ کھڑے ہو گئے اور فرداً فرداً سب کو سینے سے لگا کر فرمایا کہ "تم ہمارے یار ہو اور تمہاری عورتیں ہماری ماں بہنیں ہیں۔ تنگی تکلیف کا خیال بھی ہماری غیرت کے خلاف ہے اگر تمہاری محبت اجازت نہیں دیتی ہے تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہندوستان کے باہر نہ جائیں گے۔ مطمئن رہو۔"

اس کے بعد حضور قبلۂ عالم نے وفادار ادتمندان کے ہر فرد کو نصف تہبند اور شیرینی دیکر رخصت کیا وہ نیازمند خوش ہو گئے اور دعائیں دیتے ہوئے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

شاید اسی سلسلہ میں یا اس کے بعد کسی موقع پر مقرب ارادتمندوں نے عرض کیا کہ اب سفر و حضر میں ایک قابل وثوق خادم آپ کی خدمت میں رہے اور اس کے لئے دائم علی شاہ زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ جنھوں نے ہمیشہ آپ کی خدمت کی ہے۔ حضور نے

بعد صد اصرار یہ درخواست بھی منظور فرمائی اور دائم علی شاہ صاحب کو خادم خاص کا عہدہ تفویض فرمایا۔

اس روز سے حضور قبلۂ عالم کی سیر و سیاحت محدود ہو گئی لیکن سفر کرنا چونکہ آپ کے مشرب خاص کا لازمہ لاینفک ہے اس لئے ترک تو نہیں فرمایا لیکن روزمرہ کی تفریح کے واسطے ادھر ادھر ممالک مغربی و شمالی کو کافی سمجھا۔ دو تین سال کے بعد جب پرستاران بہار مکرر اصرار کرتے تھے تو آپ عظیم آباد تشریف لے جاتے تھے اسی طرح برسوں کے بعد آگرہ جایا کرتے تھے۔

لیکن اس قید کے ساتھ کہ تین روز سے زیادہ کہیں قیام نہیں فرماتے تھے اور اگر کسی خاص وجہ سے کہیں ایک یا دو روز زیادہ رہنے کا اتفاق ہوا تو نقل مکان کے ساتھ دوسرے شخص کی دعوت قبول فرماتے تھے تاکہ سلسلہ مسافرت منقطع نہ ہو چنانچہ حضور اکثر فرماتے تھے کہ "ہم مسافر ہیں"۔

آپ کو اس کا بھی بہت زیادہ لحاظ تھا کہ ہماری مہمانداری کا بار کسی شخص کو دشوار نہ ہو اسی خیال سے ابتدا میں ایک خادم آپ کے ہمراہ ہوتا تھا۔ بعد دو رہنے لگے اور خادم کو تاکید یہ ہوتی تھی کہ میزبان سے کسی چیز کی فرمائش کا اشارہ بھی نہ کیا جائے اور اگر اس کے خلاف معلوم ہوا تو خادم کو سزا دی بلکہ بعض کو اس جرم میں خدمت سے معزول کر دیا۔

علاوہ اس کے غذا آپ کی اس قدر قلیل اور بالکل سادہ اور بے تکلف تھی جس کا انصرام معمولی حیثیت کا آدمی بھی بغیر کسی تردد کے بہ آسانی کر سکتا تھا جس کی صراحت آئندہ نگارش کروں گا لیکن اس موقع پر اپنے غریب نواز مقتدا کی مہمانداری کا ایک قصہ تمثیلاً نقل کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ حضور قبلۂ عالم نے بہ لحاظ پابندی وضع قصبہ ستر کہ سے واپسی کے وقت نواب گنج میں اپنے قدیم حلقہ بگوش حافظ رمضانی کے نہایت چھوٹے اور بوسیدہ مکان میں ایک شب کے لئے قیام فرمایا حافظ صاحب موصوف قلیل البضاعت شخص تھے۔ مگر بکمال مسرت انتظام مہمانداری میں مصروف رہے اور شب کو دسترخوان پر مٹی کے کونڈے میں جوش کئے ہوئے چنے اور نمک پیش کر کے دست بستہ عرض کیا کہ بندہ پرور آپ کی دعوت کا اور کچھ سامان نہ کر سکا۔ آج میرے پاس آپ کی قدم بوسی جو

لایا ہوں اور آپ کی قدیم غربا نوازی سے اُمید ہے کہ ما حضر قبول فرمائیں گے. قبلہء عالم نے نہایت خوشی سے دو چنے تناول فرمائے اور حافظ صاحب کی اس پرخلوص ہمت کی تعریف فرمائی۔

لیکن ایسی مہمانداری جس کو عرف عام میں دعوت شیرازہ کہتے ہیں. اسی حالت میں زیادہ پر لطف اور خوشگوار ہو سکتی ہے جب کہ حضور قبلہء عالم سا مہمان تارک لذات اور نفسانی خواہشات پر غالب اور متصرف ہو اور میزبان کو حافظ رمضانی کے صدق و خلوص کی مثل اس مقلب القلوب نے جوش محبت اور شوق مہمانداری بھی مرحمت فرمایا ہو۔

آپ کے میزبان کو سواری کا تردد اور انتظام کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہ تھی. اس لئے کہ آپ پا پیادہ سفر فرماتے تھے بلکہ ۱۲۹۵ھ تک بجز جہاز کے آپ نے کوئی سواری پسند نہیں فرمائی جب شکوہ آباد میں آپ علیل ہوئے اور بعد صحت مگر ضعف کی حالت میں آپ کے اہل وطن امرادتمندوں نے جو خبر علالت سنکر پہونچ گئے تھے. دیوی شریف لانا چاہا. تو ان کو خیال ہوا کہ ایسی ناتوانی میں پاپیادہ سفر کرنا صرف دشوار ہی نہیں بلکہ آپ کی صحت کے لئے مخدوش بھی ہے اس لئے ان جاں نثاروں نے دست بستہ عرض کیا کہ خداوند آپ کو اس قدر ضعف ہے کہ معمولی تکان سے نبض میں ہیجان ہوتا ہے. ایسی حالت میں اتنا بڑا سفر اور وہ بھی پا پیادہ کرنے میں اندیشہ ہے کہ خدانخواستہ پھر تپ نہ آجائے. اگر ایسا ہوا تو ہم منہ دکھلانے کے قابل نہ رہیں گے. قطع نظر اس کے راستہ میں جو دیکھے گا. وہ ہم کو یہی کہے گا کہ تمہاری ارادت پر لعنت ہے کہ سواری نہیں کرتے اور اپنے رہنما کو ایسی ناتوانی میں پیدل لئے جاتے ہو معہذا اگر دیوی شریف پہونچ بھی گئے تو مینڈا بی بی صاحبہ کو اس کا کیا جواب دینگے جب وہ یہ فرمائیں گی کہ تم نے روپیہ کا لالچ کیا اور ایسے ضعف میں میرے بھائی کو پا پیادہ لائے. لہٰذا اگر ہم کو دُنیا کی پھٹکار سے بچانا منظور ہے تو حکم دیجئے کہ ہم سواری کا انتظام کریں۔

حضور قبلہء عالم نے تھوڑے تامل کے بعد بکراہت فرمایا کہ ایسا ضعف نہیں ہے. جو ہم چل نہ سکیں یا چلنے سے بیمار ہو جائیں لیکن تمہاری خوشی اسی میں ہے تو سواری بھی کر لو۔

لیکن بعد صحت کامل پھر بھی آپ نے پاپیادہ ہی سفر فرمایا۔ البتہ ۱۳۳۶ھ سے باقتضائے عمر و ناسازیٔ مزاج جب مستقل طور پر ضعف بہت زیادہ ہو گیا۔ اس وقت سے پالکی پر سوار ہونا منظور فرمایا۔

آپ کی مہمانداری کے واسطے اسکی بھی ضرورت نہ تھی کہ مکان وسیع اور پختہ اور اسباب آرائش سے آراستہ ہو بلکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ اگر آج حضور کسی مقتدر رئیس کی عالیشان کوٹھی میں جہاں ہر قسم کے آرام و آرائش کے اسباب مہیا تھے قیام پذیر ہوئے۔ تو دوسرے روز ایک غریب بوریا باف کے چھپر میں اسی خندہ پیشانی سے استراحت فرمائی مگر واللہ غور کرنے سے بھی یہ کبھی محسوس نہ ہوا کہ کوٹھی اور چھپر کی راحت اور تکلیف کا آپ نے کیا اثر لیا۔

ارباب طریقت نے بکمال صراحت لکھا ہے کہ صاحب مقامات علیا کی یہی شان ہوتی ہے کہ تعلقات موجودات سے دستبردار ہونے کے ساتھ اثرات عالم اسباب سے بھی تعلق نہیں رکھتے۔ جس کو عرف صوفیہ میں ترک قطعی کہتے ہیں۔ مثلاً زبان سے گرمی و سردی کی شکایت نہ کرنا رضا کا پہلا مقام ہے لیکن حقیقی تعریف رضا و تسلیم کی یہ ہے کہ راضی تعمیل رضائے محبوب میں ایسا محو و مستغرق ہو کہ گرمی اور سردی کی حرارت و برودت سے اس کا قلب مطمئن منتشر و متاثر نہ ہو شاید اس کا ذکر حضور قبلۂ عالم کے باب ترک تعلقات میں آئندہ بصراحت آجائے لیکن اس موقع پر اسی قدر عرض کروں گا۔ کہ حضور قبلہ عالم نے امارت اور غربت کو ایک نظر سے دیکھا اسباب تکلیف و راحت سے متاثر نہیں ہوئے۔

چنانچہ تمثیلاً یہ واقعہ نگارش کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ حضور قبلۂ عالم صوبہ بہار سے گورکھپور ہوتے ہوئے حسب وعدہ شیخ صمصام علی صاحب تعلقدار گندارہ کے ایک شب کے لئے مہمان ہوئے اور جسٹس سید شرف الدین وارثی معہ چند اعزا کے اور صفدر حسین خاں صاحب رئیس گورکھپور آپ کے ہمراہ رکاب تھے۔ چونکہ شیخ صمصام علی صاحب اولوالعزم ہونے کے ساتھ نفیس مزاج بھی تھے اور اسی اعتبار سے ان کا عالیشان مکان قیمتی اسباب آرائش سے آراستہ تھا۔ اور

اسی انداز سے موصوف نے سامان مہمانداری بھی کیا۔ صبح کو حضور رخصت ہوئے اور دریائے چوکا عبور فرما کر جس وقت ناؤ سے اترے تو ایک شخص کثیف لنگی باندھے قدمبوس ہوا اور ہاتھ جوڑ کر دیہاتی زبان میں عرض کیا کہ اس کے قبل جب آپ گنڈارہ تشریف لائے تھے تو واپسی میں ایک شب میرے یہاں قیام فرمایا تھا۔ اس لئے امیدوار ہوں کہ اس مرتبہ بھی غلام کو سرفراز کیا جائے۔ ارشاد ہوا کہ سامان کر لیا ہے ہمارے ساتھ آدمی زیادہ ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ حضور نہ پہلے میں نے سامان کیا تھا نہ اب کیا ہے۔ سامان کرانے والے تو آپ ہیں آپ نے متبسم لبوں سے فرمایا۔ "اچھا چلو"!

تھوڑے فاصلہ پر جا کر دیکھا کہ میدان میں نیچی نیچی دیواروں پر چھوٹا سا چھپر پڑا ہے اس میں حضور کو لے گیا اور اسی حیثیت کا ایک بستر تھا۔ اس پر آپ بیٹھ گئے جب اس خدمت سے فراغت ہوئی تو میزبان نے اسی ناہموار میدان میں ٹاٹ بچھایا اور اس پر جسٹس سید شرف الدین اور صفدر حسین خاں کو بٹھایا اور بقدر استعداد سب کی مدارت کی۔ شب کو چند متوسط طبقہ کے مسلمان سر پر خوان رکھے آئے اور کہا سرکار کا کھانا آگیا۔ دسترخوان بچھا۔ کھانے میں مونگ کی دال، تمئی کی ترکاری، چاول، گندہ روٹیاں تھیں۔ جب حضور خاصہ تناول فرما چکے تو دیگر مہمانوں کے آگے کھانا لگایا گیا جس میں بجائے مونگ کی دال کے ماش کی دال تھی۔

اور یہ دیکھا کہ جس قدر وہ میزبان حضور کی تشریف آوری سے مسرور تھا۔ اسی قدر قبلۂ عالم اس چھپر میں خادموں سے خوش مزاجی کی باتیں کر رہے تھے۔ اور اس نسبت کا یہ اثر تھا کہ اس میدان میں یہ مقتدر مہمان آرام سے سوئے اور صبح کو حضور کی معیت میں بارہ بنکی روانہ ہوئے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ناآشنا میزبان سے بھی روشناس کرا دوں سنئے کہ ان کا نام میاں رجب تھا اور قوم کے لال بیگی مہتر تھے۔ مگر اس کے ساتھ بارگاہِ وارثی کے قدیم حلقہ بگوش تھے اور بالآخر ہمارا وہ حق شناس بھائی ۱۳۶۷ھ میں بموقعہ میلہ کاتک

حضور کا تہبند پوش فقیر ہو کر احمد شاہ کے ممتاز خطاب سے سرفراز ہوا اور اسی روز حکم ہوا کہ حج کرنے جاؤ چنانچہ حسب الحکم وہ گئے اور بعد ادائے حج مدینہ طیبہ کے راستہ میں وہ جاں بحق تسلیم ہوئے۔

اگر توفیق الٰہی شامل حال ہو تو اسی واقعہ سے اخلاق حسنہ کے بہترین سبق ہم حاصل کر سکتے ہیں مگر بغیر کسی تشریح کے بھی اس قدر سمجھنا تو زیادہ دشوار نہیں معلوم ہوتا ہے کہ واقعی جو حقیقت شناس ہیں وہ دنیا کی فانی اور ناپائدار چیزوں پر نظر نہیں کرتے۔ کیونکہ امیر اور غریب ہونا انسان کی صفت اضافی ہے۔ جسمیں ہمیشہ تغیر اور انقلاب ہوا کرتا ہے۔

البتہ خلوص اور محبت کی قدر و قیمت عاشقان رب العزت ہی جانتے ہیں جس کی مثال کے لئے یہی کافی ہے کہ ہماری آنکھیں شاہد ہیں کہ ایک بے بضاعت بھنگی کی ایسی پرورش اور عزت افزائی صرف اس کے خلوص و محبت کی وجہ سے شہریار اقلیم سیادت نے فرمائی جو بڑے بڑے شرفائے اہل ثروت کو نصیب نہیں ہوئی۔

یہ بھی حضور کی مخصوص عادت تھی کہ دوران سفر میں کسی شہر یا قصبہ یا گاؤں میں پہلی مرتبہ جس کے مکان میں ایک شب کے لئے بھی قیام پذیر ہوئے پھر جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو اسی کے یہاں قیام فرمایا بلکہ اکثر مقامات پر یہ ہوا ہے کہ حضور قبلہ عالم ایسے شخص کے مہمان ہوئے جو غریب یا چھوٹے طبقہ کا آدمی تھا اور بعد میں وہاں کے شرفاء اور سربرآوردہ حضرات حلقہ بگوش ہوئے اور انہوں نے ان الفاظ کے پردہ میں التجا کی کہ اس مکان میں آپ کو تکلیف ہوتی ہے حضور ہمارے مکان میں قیام فرمائیں۔ مگر سرکار عالم پناہ نے کبھی اس کو پسند نہیں کیا اور یہی فرمایا کہ وضع کے خلاف ہے۔

چنانچہ ایسے متعدد واقعات میں سے میرے سامنے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ شاید ۱۳۱۳ھ میں ہجری میں بمقام بہرائچ حافظ پیارے صاحب نے نہایت اولوالعزمی سے آپ کی دعوت کی جس میں چند اچھے بھی ان کے مہمان تھے۔ واپسی کے وقت حضور قبلۂ عالم کے قیام

حلقہ بگوش محمد سلیم مستری نے جو معمولی تنخواہ پر ریاست پیاگپور میں ملازم تھے آپ کو یہ تھا
دکھا کر مدعو کیا کہ قبل اس کے مجھے یہ سعادت نصیب ہو چکی ہے کہ بہرائچ سے واپسی میں
ایک شب کے لئے آپ نے میرے غریب خانہ پر قیام فرمایا تھا۔ جب یہ خبر راجہ صاحب
پیاگپور کو ہوئی جو اسی جلسہ میں موجود تھے۔ تو حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر دست بستہ
ملتجی ہوئے کہ محمد سلیم غریب آدمی ہے اور اس کا مکان بھی اسٹیشن سے دور ہے۔ اور خاکسار کی
کوٹھی گویا اسٹیشن پر ہے۔ لہٰذا آپ کوٹھی میں قیام فرمائیں تو میری عین عزت افزائی ہو۔ راجہ
صاحب کا یہ اظہار کرنا کہ مستری غریب آدمی ہے قبلہ عالم کو ناپسند ہوا اور ترش لہجہ میں فرمایا کہ ہم کو نہ
کسی امیر سے غرض ہے نہ غریب سے۔ مستری کو محبت ہے اور اس کے یہاں ہم ٹھہر چکے ہیں اب
دوسری جگہ رہنا وضع کے خلاف ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ محمد سلیم کے خس پوش مکان پیا
اسٹیشن سے دور جا کر قیام فرمایا اور باوجود اصرار بلیغ راجہ صاحب کی رفیع الشان کوٹھی میں
رہنا گوارا نہ کیا۔

انتہا یہ کہ حضور قبلۂ عالم کو وضع کا لحاظ اس قدر تھا کہ دیہات کے سفر میں اگر کسی مقام
پر استنجا کیا یا کسی درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر کے واسطے قیام فرمایا یا کسی کنوئیں کا پانی پیا
تو جب کبھی اس راستہ سے گزر ہوا تو اسی مقام پر ضرور استنجا کیا جہاں پہلے کیا تھا اور اسی درخت
کے سایہ میں وقفہ کرنا لازمی تھا اور اسی کنوئیں کا پانی نوش فرماتے تھے۔

غرض اس زمانہ میں حضور قبلۂ عالم زیادہ اضلاع لکھنؤ یا اطراف بارہ بنکی میں سیر فرماتے
تھے اور گاہ گاہ آگرہ وغیرہ کی طرف جانا ہوتا تھا اور اس سیاحت میں دائم علی شاہ اکثر شان
سے ہمراہ رکاب رہتے تھے کہ حضور کا سیاہ کمل کاندھے پر اور کنگھا و سرمہ دانی ہاتھ میں۔

لیکن اوائل میں سرکار عالم پناہ کی آمد اور روانگی میں یہ شان محبوبیت تھی کہ نہ تاریخ
تشریف آوری سے میزبان مطلع ہوتا تھا اور نہ اس کی خبر ہوتی تھی کہ آپ کس قدر قیام فرمائیں گے
طریقہ یہ تھا کہ جب اس عقیدت شعار کے مکان کی جانب سے آپ کا گزر ہوتا تھا جس کو خدمتگزاری کا

استحقاق پہلے سے حاصل ہے تو آپ اس کے یہاں ضرور قیام پذیر ہوتے تھے اور جس وقت دل گھبراتا تھا تو عزم روانگی فرماتے تھے۔

چنانچہ میں نے اپنی صغر سنی میں دیکھا ہے کہ جناب والا کی تشریف آوری عموماً دن میں دو دفعتاً ہوتی تھی۔ اور زنانہ مکان کے اس کمرہ میں آپ چلے جاتے تھے جو ہمیشہ سے آپ ہی کے قیام کے واسطے مخصوص تھا اور دائم علی شاہ کا بستر مردانہ مکان میں ہوتا تھا اور ایک یا دو دن کے بعد یا اسی روز اگر عزم روانگی فرمایا تو اس کی بھی خبر میزبان کو پہلے سے نہیں ہوتی تھی۔ اور نہ کسی کی یہ مجال تھی کہ روکنے کا خیال کرے۔

خلاصہ یہ کہ مشربی نسبت کے لحاظ سے آپ کی آمد و روانگی بھی انتظام سے قطعاً معرا تھی اگرچہ ایک طور پر آپ کی تشریف آوری کی یہ غیر معمولی صورت دیکھکر ہم ظاہر بینوں کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ دفعتاً ایسے جلیل القدر مہمان کے آجانے سے میزبان فوراً سامان کرنے کی وجہ سے ضرور متردد اور پریشان ہوتا ہوگا۔

مگر جب اس تصویر کا دوسرا رُخ دیکھتے ہیں تو ہمارا خیال بدل جاتا ہے اور اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حضور کی یہ غیر منتظم تشریف آوری بھی مفاد و خوبی سے مملو و معمور اور نہایت بکار آمد تعلیم ہے۔ بلکہ آپ کے خدمت گزاروں کے واسطے اس لاعلمی کو اگر روحانی مجاہدہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

کیونکہ حضور قبلہ عالم کے وہ خدمتگزار ارادتمند جن کے غریب خانہ پر آپ قیام پذیر ہوتے تھے۔ تاریخ تشریف آوری سے لاعلم ہونے کے باعث ہر روز آپ کا انتظار کرتے تھے۔ اور ہمہ وقت اسی خیال میں رہتے تھے کہ اگر حضور ابھی آجائیں تو ہم ان کی خدمات کے لئے تیار رہیں۔ جو ہمارا فرض منصبی ہے۔

چنانچہ میں نے اپنی والدہ کو حضور کی تشریف آوری کے خیال میں اس طرح مصروف دیکھا ہے کہ ان کا معمول تھا۔ ہر روز بعد نماز فجر اس کمرہ کو صاف کرتی تھیں جس میں آپ کا بستر

ہمیشہ بچھا رہتا تھا جب لوبان یا اگر کی بتی جلا کر کمرہ کا دروازہ بند کر دیتیں تو پھر آپ کی افطاری کا سامان آلو، اردی، شکر قند وغیرہ کو دیکھتیں جو چیز خراب ہو جاتی اس کو نکال کر دوسری منگا کر رکھ دیتیں گھر کے پلنگ جو پیش نظر آ سکتے تھے ان کو ہٹا دیا جاتا۔ کیونکہ حضورؐ کو پلنگ کا دیکھنا بھی ناگوار تھا۔ اکثر سہ پہر کو حضورؐ کے واسطے افطاری اس سرگرمی سے پکاتیں کہ معلوم ہوتا تھا آپ تشریف فرما ہیں۔ اور یہ ان کی خدمت میں مصروف ہیں۔ جب رات ہو جاتی تو مایوس ہو جاتیں اور کہتیں کہ اب سرکار نہیں آئیں گے۔

اس اعتبار سے سمجھتا ہوں کہ جملہ خدمت گزاروں کا یہی طرز عمل یا اس سے زیادہ غلو اور انہماک ہو گا اور شبانہ روز اسی خیال میں محو و مستغرق رہتے ہوں گے۔ لہٰذا غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا دفعتاً آنا مصلحت سے خالی نہ تھا بلکہ اس پردہ میں حضور قبلہ عالم نے اپنے ہر خدمتگزار کو اس ممتاز ریاضت میں شب و روز مشغول رکھا جو محبت کامل کی مخصوص علامت ہے اور جس کو اصطلاح صوفیہ میں تصوّر کامل کہتے ہیں اور یہ وہ حالت ہے جو صاحب دید و یافت اور فائز المرام حضرت کو نصیب ہوتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ خدمتگزار یقینی معمولی دنیادار تھے جنکی روحانی استعداد کا معیار بھی ادنیٰ اور محدود ہونا لازم ہے پس اپنی حیثیت کے خلاف اور اہلیت سے بہت زیادہ ایسی رفیع المرتبت رُوحانی ریاضت کے وہ عامل اور متحمل کیونکر ہوئے۔

اس کے جواب میں ہم سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ واقعی ان خدمتگزاروں کی بظاہر یہ طاقت ہرگز نہ تھی کہ ایسا جلیل القدر شغل اور اس آسانی سے کرتے بلکہ درحقیقت اس صاحب قوت تصرفات کا یہ کرشمہ تھا جس کی خدمت کے اثرات و برکات نے اپنے ادنیٰ غلاموں سے وہ کام کرا لیا جو صاحب مدارج و مراتب کرتے ہیں بلکہ اس سے زیادہ تعجب خیز واقعات بعض غلامان وارثی کے حالات میں آئندہ ایسے منقول ہوں گے کہ تصرفات وارثی نے ان سے خلاف فطرت انسانی مجاہدہ کرا یا۔

لیکن کچھ عرصہ کے بعد حضور قبلۂ عالم نے اس طرز سیاحت میں اس جہت سے تھوڑی ترمیم فرمائی کہ مختلف مقامات کے مشتاقین زیارت اور طالبین بیعت نے جب متواتر یہ استغاثہ پیش کیا کہ فلاں مقام پر جناب والا کی تشریف آوری کی خبر ہم کو آپ کی روانگی کے بعد ہونے سے ہماری حسرت قدمبوسی دل کی دل ہی میں رہی۔ لہٰذا آئندہ کے لئے کوئی صورت ایسی تجویز فرمائی جائے کہ ہم گنہگار بھی زیارت سے محروم نہ رہا کریں۔

چونکہ ارادتمندوں کی یہ شکایت جو زبان حال سے ان کے جوش محبت کی شہادت دے رہی ہے قابل لحاظ ضرور تھی کہ ان کے قرب وجوار میں آپ تشریف لے گئے۔ اور وہ مشتاق دیدار اپنی لاعلمی کی وجہ سے حاضری سے محروم رہے مگر اسی کے ساتھ خبر کرنے والا بھی اپنی مجبوری کے باعث بے قصور تھا۔ کیونکہ دیکھا یہ ہے کہ جس خدمتگزار کے یہاں آپ دفعتاً تشریف لیجاتے تھے۔ وہ میزبان بلکہ اس کے اہل وعیال بھی حضور کی خدمات میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے تھے۔ اور یہ اندیشہ ان کو اور زیادہ بدحواس کر دیتا تھا کہ ہماری کوئی بات خلاف مزاج اقدس نہ ہو جائے۔ پس ایسی حالت اضطراری میں قرب وجوار کے اخوان ملت کو آپ کی تشریف آوری سے خبردار کرنا وہ بھی فوراً یقینی دشوار تھا۔

بلکہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اگر آپ نے روانگی میں کبھی عجلت فرمائی تو اسی بستی کے بعض لوگ بے خبری کی وجہ سے قدمبوس نہیں ہو سکتے تھے اور بعد کو جب معلوم ہوتا تھا کہ حضور قبلۂ عالم آئے تھے اور چلے بھی گئے تو ان کو بہت زیادہ افسوس ہوتا تھا۔

چونکہ اہل ارادت کی یہ التماس قابل لحاظ متصور ہوئی۔ اس لئے ہمارے بندہ نواز دستگیر نے ان کی آسانی کے واسطے اس روز سے یہ احتیاط فرمائی کہ جس طرف کی سیاحت کا ارادہ ہو اس جانب کے عقیدتمندوں سے دو چار ہفتہ قبل آپ وعدہ کر لیتے تھے کہ فلاں تاریخ کو فلاں مقام سے ہم تمہارے یہاں آوینگے۔ اس عرصہ میں آپ کی آمد کی خبر اس نواح میں منتشر ہو جاتی تھی اور جملہ حلقہ بگوش وقت کے منتظر رہتے تھے۔

چنانچہ اس معمولی ترمیم کے بعد آپ کی سیاحت کا یہ طریقہ ایسا مفید ثابت ہوا کہ پھر کبھی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہوئی اور آخر زمانہ تک اسی قاعدہ پر عملدرآمد ہوتا تھا۔

بلکہ اسی دوران میں بعض غلاموں سے ہمیشہ کے لئے بھی وعدہ کر لیا کہ فلاں تاریخ کو ہر سال تمہارے یہاں آیا کریں گے۔ مثلاً شیخ عنایت اللہ صاحب رئیس تعلقدار سیدنپور پر جناب والا نے یہ عنایت فرمائی۔ کہ ان سے وعدہ کر لیا کہ ہمیشہ بقرعید تمہارے ہاں کیا کریں گے۔ یا راجہ دوست محمد خاں صاحب وارثی تعلقدار موہنہ ضلع سلطان پور سے یہ وعدہ فرمایا کہ ۲۹ رمضان کو آیا کریں گے اور عید تمہارے یہاں ہوا کرے گی۔

پابندی وضع حضور قبلۂ عالم نے اُن مستقل وعدوں کو بھی ہمیشہ پورا کیا کیونکہ مزاج ہمایوں کا یہ انداز تھا کہ اتفاقیہ طور پر اگر کوئی کام ایک مرتبہ بھی آپ نے کیا تو بلحاظ وضع ہمیشہ اس کا خیال رکھا اور اسکی پوری پابندی کی۔ جیسا کہ شرائط سفر کے تحت میں بعض واقعات کا ذکر آگیا ہے لیکن اس سلسلہ میں بھی مجملاً جناب والا کے بعض عادات تمثیلاً نگارش کرتا ہوں جنکے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ حضور نے روزمرہ کی معمولی باتوں میں بھی ایسی مستقل پابندی فرمائی جسکی نظیر نہیں ملتی۔

چنانچہ آپ کے ترک عادات میں سے ہے کہ نشست چارزانو قطعاً ناپسند تھی۔ گو یہ نشست اداب فقر کے بھی خلاف سمجھی جاتی ہے لیکن بلحاظ وضع دیکھا جائے تو حضور نے اس نشست سے ایسا احتراز فرمایا کہ کبھی اور کسی خاص ضرورت کے وقت بھی اس نشست کو اپنے لئے جائز نہیں رکھا۔

چنانچہ ہر روز سر اقدس و ریش اطہر میں شانہ ہوتا تھا۔ اس وضع کا ایسا خیال تھا کہ ہمیشہ وقت معینہ پر ضرور شانہ کیا بلکہ وقت مقررہ پر اگر خادم کسی دوسری خدمت میں معروف ہوا تو آپ نے اس کو یاد دلایا۔

علیٰ ہذا سرمہ لگانے میں بھی یہی پابندی دیکھی کہ ہمیشہ داہنی آنکھ میں تین سلائیاں اور بائیں آنکھ میں دو لگاتے تھے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سرمہ لگانے کا جو وقت مقرر تھا اس میں وقفہ ہوا ہو یا کسی حالت میں سلائیوں کی تعداد میں کمی یا زیادتی ہوئی ہو۔

یہ بھی وضع میں داخل تھا کہ اگر ایک مرتبہ کسی محتاج کی حاجت روائی کی تو جب وہ دوبارہ

حاضر ہوا اس کی اسی کشادہ پیشانی سے اسی قدر پرورش کی گئی جو پہلے کی تھی۔

خاصہ تناول فرمانے کے بعد آپ خلال کرتے تھے۔ اس میں یہ وضع کی پابندی تھی کہ اسی جگہ اور اسی قدر عرصہ تک خلال ضرور کرتے تھے اور جو خادم خلال پیش کرتا تھا اسی کے ہاتھ سے لیتے تھے۔ اس کی موجودگی میں دوسرے خادم کی مجال نہ تھی کہ خلال پیش کرے۔

ہمیشہ جمعہ کے روز قبل چاشت آپ غسل فرماتے تھے۔ تو موسم سرما میں بلکہ عین بارش میں بھی اسی وقت اور اسی قدر پانی سے ہمیشہ آپ نے غسل کیا۔ وہ بھی اس پابندی کے ساتھ کہ خدام کو غسل کے خدمات میں تفویض ہوئے تھے کہ کوئی سر اقدس کے بالوں کو بیسن سے صاف کرتا تھا۔ کوئی ہاتھ کوئی پاؤں کوئی پیٹھ ملتا تھا اور اگر ان میں سے کوئی خادم نہ ہوا تو اسکی خدمت دوسرے خادم سے کبھی نہیں لی بلکہ خود اس کو انجام دیا۔

اور جس طرح حضور قبلۂ عالم نے بکمال احتیاط عادات محمودہ کی پابندی فرمائی اسی طرح جو امور غیر ضروری یا خلاف آداب فقر متصور ہوئے ان سے بکمال احتیاط احتراز کیا نہیں کلا متروکات عادات میں شمار ہوا مثلاً نشست چار زانو شاید اسلامی لحاظ یا مشرقی اعتبار سے ایسی ناپسند تھی کہ اس کا ترک قطعی داخل وضع تھا چنانچہ آپ نے احتیاط فرمائی اور بھی اور کسی خاص ضرورت کے وقت بھی اس نشست کو اپنے لئے جائز نہیں رکھا یا پلنگ تخت۔ کرسی۔ مونڈھا وغیرہ کی نشست بجہت کمال زہد خلاف وضع تھی بلکہ مخصوص متروکات میں انکا شمار تھا حتیٰ کہ کسی ارادتمند کے گھر میں اگر آپ تشریف لے گئے۔ اور پلنگ پر نظر پڑ گئی تو واپس آئے اور اس کے گھر میں جانا ہمیشہ کے لئے ترک فرمایا۔

علیٰ ہذا مچھلی آپ نے کبھی استعمال نہیں فرمائی مگر اس ترک کا واقعی سبب نہیں معلوم ہوا۔ مگر مچھلی کا کھانا ایسا خلاف وضع سمجھا جاتا تھا کہ حضور کے بعض خدمتگزاروں نے بہ نظر احتیاط اس مطبخ میں کبھی مچھلی نہیں پکائی جس میں آپکا خاصہ تیار ہوتا تھا۔

بعض قصبات میں جانا کسی وجہ سے اس طرح ترک فرمایا تھا کہ سرحد قصبہ میں بھی کبھی قدم نہیں رکھا بلکہ ایک قدیم اور مخصوص خدمتگزار آپکے بہ سلسلہ ملازمت ایسے ایک قصبہ میں رہنے لگے جو آپکی گزرگاہ سے خارج ہو چکا تھا۔ انھوں نے بہت کوشش کی مگر حضور نے ان کی دعوت صرف اسوجہ سے قبول نہیں فرمائی کہ

قصبہ میں جانا ترک عادات میں ہے۔ جب انہوں نے حدود قصبہ سے دو کوس فاصلہ پر ایک
مکان آپکی قیام گاہ کے نام سے بنایا۔ تب آپکی مہمانداری کا شرف ان کو حاصل ہوا۔

معہذا سر سے پانک لباس آبائی آپ نے قطعاً ترک فرمایا اور ستر پوشی کیلئے احرام باندھنا اختیار کیا حالانکہ اس ترک کو آپکے مسلک سے خاص تعلق ہے جسکا ذکر آئندہ آئیگا لیکن پابندی وضع کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کبھی اور کسی مجبوری سے بھی حضور کے لباس کی اس خاص وضع میں سر مو فرق نہیں آیا۔ اور ۱۲۵۳ھ میں اول بار جو لباس پہنکر حضرت مالک الملک کے سالانہ دربار میں حاضر ہوئے تھے وہی لباس اور اسی عنوان سے یکم صفر ۱۳۲۳ھ وقت وصال تک زیب جسم رہا۔ بلکہ اسی لباس سے آراستہ ہو کر بہنگام وصال شاہد حقیقی جلوت عام سے خلوت خاص میں تشریف لے گئے۔

الغرض آپنے بکمال احتیاط وضع کی پابندی فرمائی اور ہر قسم کی ترمیم و اضافہ سے آپکا مقدس لباس ہمیشہ محفوظ رہا۔ چنانچہ ایک مرتبہ صوبہ بہار کی سیاحت میں آپکے پاؤں کی انگلیاں متورم ہو گئیں اور گو حضور نے زبان مبارک سے کچھ نہیں فرمایا مگر انداز رفتار دیکھکر خیال ہوا کہ درد بھی ہے طبیب کی یہ رائے ہوئی کہ روغن سرخ مشکی کی مالش ہو اور سرد ہوا سے بچایا جائے۔ شب کو میں نے روغن سرخ کی مالش کی اور چاہا کہ روئی رکھکر کپڑے سے باندھ دوں اس کو حضور نے ناپسند کیا تب میں نے اونی پیتابا اس التماس کے ساتھ پیش کیا کہ موسم کے اعتبار سے طبیب کی یہ رائے ہے کہ سرد ہوا سے حفاظت کیجائے اسلئے اگر مضائقہ نہ ہو تو یہ پیتابا پہن لیجئے۔ مسکرا کر فرمایا کہ ہم نے کبھی پیتابا پہنا نہیں ہے۔ علاوہ اس کے جب برہنہ پائی اختیار کرچکے تو پیتابا پہننا بھی وضع کے خلاف ہے۔ تم نے روغن مل دیا ہے اسی سے خدا کو منظور ہے تو اچھا ہو جائیگا۔

وضع استراحت انداز استراحت یہ تھا کہ ہر وقت حضور قبلۂ عالم داہنے پہلو سے آرام فرماتے تھے اور کبھی کسی حالت میں چت یعنی زمین سے پشت لگانا متروکات قطعیہ میں داخل تھا۔ اور سرکار عالم پناہ نے اپنی اس دشوار ترین وضع کی تاحیات ظاہری کما حقہٗ پابندی فرمائی۔

اس طرز استراحت کا ذکر پابندی وضع کے باب میں اس وجہ سے آگیا کہ حضور کی یہ ادائے عادت پابندی وضع کے پردہ میں اپنی نظیر آپ ہے، بلکہ یہ عرض کروں تو بھی شاید کسی کو اختلاف نہ ہوگا کہ نظر غائر

سے دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس انداز استراحت سے حضور قبلۂ عالم کے مسلک عشق کی اہمیت اور ہمہ وقت خیال شاہد حقیقی میں آپ کی محویت نمایاں ہوتی ہے۔

کیونکہ اس طرز استراحت میں۔ دو ناقابل برداشت مجاہدے نظر آتے ہیں۔ اور یہ دونوں مجاہدے آپ کے مدارج علیا کی دلیل اور آپ کے عشق کامل کے شاہد صادق ہیں۔

اس لئے کہ ایک پہلو سے ہر وقت استراحت فرمانا۔ اسی عاشق جانباز کا طرۂ امتیاز ہے جو صاحب مقام فنائے اتم ہو اور میدان توحید میں اپنی ہستی کو حضرت واجب الوجود کی ہستی کے سامنے نیست و نابود کر چکا ہو اور دوسری ریاضت شاقہ نہایت دشوار اور قوت بشری سے باہر یہ ہے کہ اٹھاسی سال تک زمین سے پشت نہ لگائے جو درحقیقت غیر معمولی نفس کشی اور خلاف فطرت انسانی مجاہدہ ہے۔ جس کو اپنی نظیر آپ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ بقول "آفتاب آمد دلیل آفتاب"

لیکن ؎ ہر کس از دست غیر نالہ کند   سعدی از دست خویشتن فریاد

کا مضمون ہے کہ میں نے جس انداز استراحت کو فخریہ لہجہ میں ریاضت شاقہ اور ناقابل برداشت مجاہدہ کہا ہے۔ مؤلف جلوۂ وارث نے اس طرز استراحت کے وجود ہی سے انکار کیا۔ اور بجائے زمین سے پشت لگانے کے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضور قبلۂ عالم چت لیٹتے تھے چنانچہ ۱۲۰ باب ذکر استراحت میں آپ لکھتے ہیں کہ "جب احیاناً کبھی تھوڑی دیر کے واسطے چت یعنی پشت پر لیٹتے تو ایک پیر کو دوسرے پیر پر رکھ لیتے تھے تاکہ ستر عورت نہ کھل جائے۔"

لائق مؤلف کا یہ دل آزار مضمون جو سراپا بے بنیاد اور میرے پچپن سال کے چشم دید واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ نظر سے گزرا تو واللہ حیرت ہو گئی کہ ایسا شخص جس کو خاندانی شرف غلامی حاصل ہے۔ اس نے یہ جسارت کیونکر کی کہ آفتاب ہدایت کی مخصوص جلوہ گری کو صریح اور تاریک اتہام کی مکروہ خاکستر سے پوشیدہ کرنا چاہا اور پیشوائے برحق کے اس انداز استراحت سے جس کا زمانہ معترف ہے قطعی انکار کیا اور اپنے قلم سے یہ لکھ دیا کہ آپ چت لیٹتے تھے۔

الحمد للہ کہ بجائے اشتعال کے خدا نے یہ سمجھ دی کہ اس نا اہل نے اپنے علم اور حافظہ پر بھروسا نہیں کیا۔ بلکہ بہ نظر تصحیح قدیم حلقہ بگوش بارگاہ وارثی اور معمر حضرات دیوی شریف اور حضور کے خادم خاص فیض شاہ صاحب سے مؤلف موصوف کی اس معلومات کا ذکر کیا۔ سب نے بالاتفاق جب لائق محقق کی اس جدید تحقیقات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا اس وقت مجھ کو اطمینان ہوا اور اپنے علم اور حافظہ پر اعتبار کیا۔ اور یقین ہوا کہ مؤلف ممدوح کی جدت پسند طبیعت کا یہ بھی ایک کرشمہ ہے۔

معلوم نہیں کہ اس میں دینی یا دنیوی کیا فائدہ تھا کہ جس حالت میں قریب جملہ حلقہ بگوش جانتے ہیں کہ یہ فعل حضور کے متروکات میں داخل ہے اُس کو کشادہ پیشانی سے آپ کے عادات میں لکھ دیا اور اس کا بھی خیال نہ کیا کہ ہمارے رہنمائے کامل پر یہ بہتان صریح ہے۔

لہٰذا اب بآواز بلند یہ شہادت دیتا ہوں کہ ہمارے سرکار عالم پناہ کی خصوصیات میں ہے کہ بخیال مجاہدہ یا بہ لحاظ وضع تاحیات ظاہری زمین سے پشت نہیں لگائی۔

بہر کیف یہ مسلمہ ہے کہ حضور قبلۂ عالم نے بکمال ضبط و استقلال وضع کی پابندی فرمائی بلکہ بعض ملفوظات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صفت آپکی خاندانی تھی چنانچہ اکثر یہ فرمایا ہے کہ "سید بڑے میں سب وضعدار تھے۔ جو کہتے تھے وہ کرتے تھے" یہ بھی فرمایا ہے کہ "ہمارے خاندان میں ایسے پابند وضع تھے کہ چچا ہمارے والد سے ناخوش ہو کر بریلی چلے گئے اور کہہ گئے کہ جب مرجاؤ گے تو آؤنگا۔ وہی کیا کہ جب انتقال کی خبر سُنی تو آئے اور فاتحہ میں بہت روپیہ صرف کیا"

شاید اسی مناسبت سے حضور قبلۂ عالم نے اپنے غلاموں کو بھی پابندی وضع کی ہدایت فرمائی اور جس خوش نصیب نے تعمیل کی اس سے آپ خوش ہوئے جیسا کہ مولوی محمد یحیٰی صاحب وارثی وکیل و رئیس عظیم آباد جن کو سرکار عالم پناہ نے وضعدار کا خطاب مرحمت فرمایا تھا کیونکہ مولوی صاحب موصوف نے جو طریقہ اختیار کیا تھا۔ اس کے پابند رہے۔ حتیٰ کہ میلہ کاتک میں جس تاریخ کو وہ پہلی

مرتبہ آئے تھے۔ اسی تاریخ کو ہمیشہ حاضر ہوتے رہے۔ بلکہ ایک مرتبہ ان کو یہ دشواری پیش آئی کہ ان کی لڑکی عارضہ ہیضہ میں مبتلا تھی اور تاریخ حاضری آگئی۔ مولوی صاحب اس کو احتضار کی حالت میں چھوڑ کر دیوی شریف چلے آئے۔ جس کے دوسرے روز مریضہ کے معالج ڈاکٹر اسد علی خانصاحب کا تار آیا کہ لڑکی کا انتقال ہوگیا۔ جب یہ خبر حضور قبلۂ عالم نے سنی تو مولوی صاحب کو بلاکر فرمایا کہ "مولوی صاحب تم نے تو اپنی وضعداری دکھادی لیکن اکثر مریض کو سکتہ ہو جاتا ہے۔ اور تیمار دار سمجھتے ہیں کہ یہ مرگیا۔ اس وقت حاضرین نے اس کا خیال نہیں کیا کہ اس ارشاد کے پردہ میں کیا تصرف فرمایا مگر تیسرے روز مولوی صاحب کے نسبتی بھائی شمس العلماء نواب سید امداد امام صاحب کا خط آیا کہ چھ گھنٹے کے بعد لڑکی زندہ ہوگئی اور اب اچھی ہے بمصداق تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ۔

غرض ہم سمجھتے یہ تھے کہ وضع کی پابندی طاعات و عبادات میں داخل نہیں ہے بلکہ صفات محمودہ میں سے یہ بھی ایک اخلاقی صفت ہے اور عموماً کریم النفس اور سلیم الطبع اشخاص اس صفت سے موصوف ہوا کرتے ہیں اور ہمیشہ اس صفت کا اپنے موقع پر اظہار ہوتا ہے۔ مگر دیکھا یہ کہ حضور قبلۂ عالم کی پابندی وضع بھی بعض ایسے طاعات جناب باری سے مملو تھی جس کا وہم و خیال بھی نہیں آسکتا۔ کیونکہ بظاہر وضع کی پابندی کو ریاضت و مجاہدت سے کیا تعلق مگر واقعہ یہ ہے کہ ہمارے سرکار عالم پناہ نے پابندی وضع کے پردہ میں وہ کام کیا جو درحقیقت ناقابل برداشت مجاہدہ تھا۔

اور یہ خصوصیت صرف پابندی وضع پر موقوف نہ تھی بلکہ تامل کی نظر سے دیکھا جائے تو حضور قبلۂ عالم کے جملہ عادات غیر معمولی مجاہدات تھے اور آپ کے طرز معاشرت کا کوئی حصہ ریاضت شاقہ سے خالی نہ تھا۔ اسی خیال سے رسالہ ہذا میں آپ کے ریاضات و مجاہدات کا مستقل باب رکھنا غیر ضروری سمجھا کیونکہ انصاف سے دیکھا جائے تو آپ کی پوری سیرت ریاضت و مجاہدت سے مملو ہے۔

پانی نوش فرمانے کا انداز چنانچہ ہمارے سرکار عالم پناہ نے پانی نوش فرمانے کا یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا کہ اول تو پانی بہت قلیل مقدار میں پیتے تھے لیکن تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد تشنگی معلوم ہوتی

اور پانی پینے کے وقت سکوت کا عالم اور کسی مخصوص خیال میں محویت کی صورت ہو جاتی تھی اور پانی پینے کے بعد لبوں کی جنبش محسوس ہوتی تھی جس سے یہ اظہار ہوتا تھا کہ آپ کچھ فرماتے ہیں۔

اور پانی طلب کرنے کا انداز تو خاص تھا کہ بوقت تشنگی کبھی یہ نہیں فرمایا کہ پانی لاؤ۔ کیونکہ حسبِ ضروریات کے واسطے کوئی چیز طلب کرنا کلیتہً مشرب اور متروکات عادات میں سے تھا۔ بلکہ آپ کا دستور تھا کہ خادم سے مخاطب ہو کر نہایت نرم اور خوشگوار لہجہ میں فرماتے تھے کہ "پانی پی لیں" اگر خادم نے یہ عرض کیا کہ ابھی تو آپ پانی پی چکے ہیں تو آپ خاموش ہو جاتے ہیں اور اگر وہ لے آیا تو آپ نے پی لیا۔ خلاصہ یہ کہ آپ کا پانی پینا تشنگی پر منحصر تھا بلکہ خادم کی مرضی پر موقوف تھا۔

حضور قبلۂ عالم کا بجائے حکماً پانی طلب کرنے کے بکمال حلم اور دل آویز طریقہ سے یہ فرمایا۔ کہ "پانی پی لیں" نہایت معنی خیز جملہ ہے۔ جس سے آپ کے مقام رضائے کامل اور تسلیم اتم کی شان نمایاں ہوتی ہے کہ وارث ارث ساقی کوثر نے تشنگی کے وقت بھی حکماً پانی طلب نہیں کیا۔ بلکہ خادم کی رائے پر محول فرمایا اور سکون کے ساتھ جواب کا انتظار کیا۔ اگر اس نے منع کیا تو بکمال استقلال صبر کیا اور اگر وہ لے آیا۔ تو نوش فرما کر شکر کیا۔ گویا ہمارے آقائے ذی صفات نے خادم کے پردہ میں منشا حضرت واجب الوجود دریافت کیا کہ پانی بھی بغیر آپ کی رضا کے پینا منظور نہیں ہے۔

اگر پانی لاؤ اور پانی پی لیں ان چھوٹے چھوٹے لفظوں کے فرق امتیاز کو نظر غائر سے دیکھا جائے تو دونوں جملوں کے مفہوم میں جو تفاوت ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضور قبلۂ عالم نے عادات معاشرت میں بھی اپنے ارشادات و اختیارات کو ارادۂ الٰہی کے سامنے کلیتہً فنا کر دیا تھا اور تعلقات عالم سے انقطاع کامل و قطعی کے جملہ مراحل و منازل طے فرما کر ہر حال میں صرف رضائے پروردگار سے سروکار تھا اور مراد آپ کی عین مراد حق تھی۔ جیسا رضائے کامل کی تعریف میں تاج العارفین حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمتہ نے "عوارف المعارف" میں حضرت حارث محاسبی کا جو تیسری صدی میں شیخ الوقت اور صاحب مقامات کبریٰ تھے یہ قول نقل فرمایا ہے کہ "اَلرِّضَاءُ سُکُوْنُ الْقَلْبِ تَحْتَ جَرَیَانِ الْحُکْمِ۔"

غرض حضور قبلۂ عالم نے خادم سے بھی حکماً پانی طلب کرنے میں احتیاط فرمائی اور اپنے روز آنہ کے اس طرز عمل سے متوکل غلاموں کو اس دقیق سبق کا خلاصہ سمجھا دیا کہ جس طرح ہمارے مشرب میں سوال کرنا حرام ہے ایسے ہی ضرورت جسمانی کے واسطے خادم سے بھی حکماً کوئی چیز طلب کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ پانی لاؤ کہنے میں اشارۃً بوئے سوال آتی ہے۔

یہ بھی خیال ہوسکتا ہے کہ حضور قبلۂ عالم نے شاید اس لحاظ سے پانی لاؤ نہیں فرمایا کہ اس جملہ کے استعمال کرنے میں کسی قدر انانیت کی شان تھی کہ حکم دینے میں مخاطب کی گونہ تحقیر ہوتی ہے آپ کا مزاج فطرتاً متواضع تھا پس صیغہ امر و تحکم جو فروتنی کی ضد ہے۔ اس کو زبان سے ادا کرنا بھی ناپسند کیا اور انکسار کے لہجہ میں بجائے پانی لاؤ کے یہ فرمایا کہ "پانی پی لیں" اس سے آپ کے حلم کا بلند درجہ وکمال ظاہر ہوتا ہے کہ باوجودیکہ آپ مخدوم عالم تھے۔ مگر خادم سے بھی فروتنی کے ساتھ تخاطب فرمایا۔ بقول سعدی علیہ الرحمۃ ؎

تواضع زگردن فرازاں نکوست گدا گر تواضع کند خوئے اوست

خاصہ نوش فرمانے کا طریقہ علیٰ ہذا خاصہ نوش فرمانے کی حقیقت بھی مشرح اور بصراحت نگارش کرنا مجھ نااہل کے واسطے ضرور دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ مسلمہ ہے کہ بنی آدم کی زندگی کے لئے غذا کا ہونا لازمات سے ہے اور حضور قبلۂ عالم نے اپنے جسم اقدس کی صحت و توانائی کے واسطے مطابق اصول طبی غذائے بناتی سے پورا فائدہ نہیں اٹھایا۔ بجائے اسکے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح آپ کے دیگر عادات و معاملات میں روحانیت کی شان ہے۔ اسی طرح روحانی زندگی کے واسطے غذا بھی روحانی ہوگی۔ بقول مولانا علیہ الرحمۃ ؎

قوت جبریل از مطبخ نبود! بلکہ بود از دید خلاق الوجود

اس لئے روحانیت کی حقیقت بجز ارباب بصیرت کے مجھ ایسا ہیچمیرز ضبط تحریر میں کیونکر لا سکتا ہے البتہ تسلسل حالات کے اعتبار سے یہ جسارت کرسکتا ہوں کہ آپ کے خاصہ تناول فرمانے کی ظاہری صورت جو بزرگوں سے سنی ہے یا بچشم خود دیکھی ہے اس کو مجملاً نگارش کردوں۔

چنانچہ یہ آپ کو معلوم ہے کہ حضور قبلہ عالم کی ابتدائی عمر کا چھوٹا حصہ اپنی جدہ ماجدہ کے آغوش حمایت میں گزرا اور چند سال اپنے نسبتی بھائی حاجی خادم علی شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کے ظل عاطفت میں پرورش پائی اس کے بعد اعزا کی نگرانی کا دور ختم ہو گیا۔ اس وقت سے دعوت کا سلسلہ شروع ہوا لیکن یہ مستند حضرات سے منقول ہے کہ عہد طفلی سے غذا آپ کی بہت قلیل رہی جو اولیائے عظام کا طرق اور انبیا علیہم السلام کی سنت ہے بمصداق "اَلْجُوْعُ طَعَامُ الْاَنْبِیَاءِ"

اور جس طرح ہمیشہ سے کھانے کی جانب آپ کو رغبت کم رہی اسی طرح تقسیم کرنے کا شوق ابتدا سے زیادہ تھا۔ چنانچہ جناب شاہ فضل حسین صاحب وارثی زیب سجادہ حضرت شاہ ولایت محمد عبدالمنعم قادری کنز المعرفت علیہ ناقل تھے کہ ایک زمانہ میں یہ شہرت ہوئی کہ جناب والا کی دادی صاحبہ کے مکان میں ایک جن ہے جو روزانہ روٹیاں اور کبھی برتن اٹھا لے جاتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد بعض برتن محلّے کے غربا کے گھر میں دیکھے گئے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ مِٹھن میاں ان میں کھانا دے گئے تھے جب آپ سے پوچھا تو فرمایا ہاں تمہارے یہاں تو غلّہ بھرا ہوا ہے اور برتن اس قدر ہیں کہ رکھنے کی جگہ نہیں اور وہ غریب فاقہ کرتے ہیں اور مٹی کے برتن بھی ان کے پاس نہیں ہم سے دیکھا نہیں گیا۔ روٹیاں بھی لیجا کر ہم ان کو دیتے ہیں اور برتن بھی ہم ہی دے آئے ہیں۔

الغرض غربا و مساکین کی امداد کرنا آپ کی فطری عادت تھی بچپن میں اپنے جسم کے کپڑے جب کسی محتاج کو آپ دے آتے تھے اور نہایت مسرت سے یہ واقعہ گھر میں بیان کرتے تھے تو چونکہ فارغ البالی کی حالت تھی اس لئے دادی صاحبہ بھی کچھ نہیں کہتی تھیں اور ہمیشہ ضرورت سے زیادہ آپ کے کپڑے تیار رکھتی تھیں اور پر تکلف کھانے آپ کے واسطے روزانہ تیار کراتی تھیں مگر وہ کھانے آپ کو مرغوب نہ تھے۔ کیونکہ ابتدا سے آپ سادی اور بہت قلیل غذا فرماتے تھے۔

حتی کہ تقلیل غذا کے علاوہ جب چودہ سال کی عمر میں آپ نے رمضان کے روزوں کے بعد شش عید کے روزے رکھے تو اسی سلسلہ میں آپ دائم الصوم ہو گئے اور جب حضور نے حجاز کا سفر فرمایا تو اس وقت سے آپ صرف روزہ افطار کرنے لگے اور تقریباً پچاس سال کی عمر میں جب شکوہ آباد میں آپ علیل ہوئے تو اطبا کے

متواتر اصرار سے شوربا بھی آپ کے کھانے میں داخل ہوا اور روزانہ مگر سادی اور بہت قلیل غذا تناول فرمانے لگے لیکن عموماً آپ کے کھانے میں مقشر مونگ یا ماش کی دال میں پالک یا بتھوے کا ساگ چپاتی اور چاول ہوتے تھے اور بمقتضائے زہد کامل جس طرح دیگر اسباب و نیا سے قطعی احتراز تھا اسی طرح کھانے کا انتظام بھی متروک بلکہ مشرباً ممنوع تھا جو خاص لازمہ فقر ہے جیسا کہ امام ابو المواہب عبد الوہاب شعرانی نے طبقات الکبریٰ میں شیخ ابو بکر بن بطوطہ علیہ الرحمۃ کا یہ قول فرمایا ہے۔ اَلْفَقْرُ تَجَرُّدُ الْقَلْبِ عَنِ الْعَلَائِقِ وَاِسْتِقْلَالُہٗ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی

خلاصہ یہ کہ عنفوان شباب سے حضور قبلۂ عالم نے دعوت کا کھانا نوش فرمایا اور اس خوبی سے کہ کبھی امیر و غریب کا امتیاز نہیں کیا اور ایسی خندہ پیشانی سے سب کی دعوت قبول فرمائی کہ میزبان مسرور ہو جاتا تھا اور اپنی خدمتگزاری پر خود ناز کرتا تھا۔ چنانچہ اس مضمون کے واقعات بکثرت منقول ہیں جن کو بخوف طوالت نقل کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

اور خاصہ نوش فرمانے کا طریقہ یہ تھا کہ باوجود اس کے کہ حضور وقت کے بہت پابند تھے لیکن کبھی اگر کسی وجہ سے کھانا آنے میں کچھ عرصہ ہوا تو کبھی آپ نے کھانا طلب نہیں فرمایا بلکہ میزبان کھانا لے کر جب حاضر ہوتا تھا تو خادم عرض کرتا تھا کہ حضور کھانا آگیا جس کے جواب میں اکثر آپ فرماتے تھے کہ "ہاں کھانا آگیا"۔ اور کبھی متبسم لبوں سے ارشاد ہوتا تھا کہ "آپ آگئے"۔ اور ہمیشہ دونوں زانو کھڑے کر کے یعنی اوکڑوں بیٹھ کر اور گوشہ تہبند سر پر ڈال کے آپ خاصہ نوش فرماتے تھے۔ نہ کبھی اس نشست میں تغیر ہوا۔ اور نہ برہنہ سر آپ نے کھانا تناول فرمایا۔

خادم دسترخوان پر ہر ایک کھانے کا نام لے کر حضور قبلۂ عالم کے سامنے پیش کرتا تھا لیکن پر تکلف کھانوں سے آپ کو رغبت نہ تھی اس لئے اکثر دریافت کرتے تھے کہ دال کس میں ہے خادم بتا دیتا تھا اور پہلے دال ہی سے چند لقمہ تناول فرماتے تھے۔ اس عرصہ میں خادم نے ایک گرم چپاتی توڑ کر شوربہ میں ترکی اور جب دال سے آپ نے دست کشی فرمائی تو شوربہ کا پیالہ پیش کر دیا۔ جس کو عربی میں ثرید کہتے ہیں اور جس کو تاجدار مدینہ نے

خیر الطعام فرمایا اور علمائے عظام و صوفیائے کرام کا اتفاق ہے کہ اس سریع الہضم غذا کا کھانا مبارک اور مسنون ہے۔ پھر چاولوں میں شوربہ ملا کر خادم نے پیش کیا۔ تو اس کے بھی چھوٹے چھوٹے دو تین لقمے نوش فرما کر خادم کی طرف دیکھا۔ اس نے پانی کا گلاس پیش کیا۔ تو قریب نصف گلاس پانی پی کر فرمایا کہ دسترخوان اٹھاؤ۔ اس وقت خادم پر تکلف کھانوں کی طرف اشارہ کر کے عرض کرتا تھا کہ حضور ان میں بھی ہاتھ لگا دیجئے۔ اس کے اصرار سے آپ نمک چشی کے طور پر چکھ لیتے یا ہاتھ لگا دیتے تھے۔

اسی کو ہم خاصہ نوش فرمانا کہتے ہیں جس کی کل مقدار ابتدائے زمانہ میں پانچ تولے سے کبھی زیادہ نہ تھی جس میں یوماً فیوماً تقلیل ہوتی گئی حتیٰ کہ ۱۳۱۸ھ سے آپ کی روزانہ غذا تقریباً ایک تولہ ہونے لگی وہ بھی بصد اصرار ورنہ کسی روز انکار فرمایا تو وہ بھی نہیں۔

اور دیوی شریف کے قیام میں بھی آپ کی دعوت کی یہی صورت تھی۔ اگر کوئی فرق تھا تو صرف اس قدر کہ عمائدین دیوی شریف کی دعوت کا تقرر بطور استمرار بارگاہ وارثی سے منظور ہو گیا اور جب حضور تشریف لاتے تھے تو حسب دستور اکثر تین ہی روز قیام فرماتے تھے پہلے روز شیخ کرم احمد صاحب وارثی جن کو بعد میں تہبند پوش ہونے کا اعزاز اور معروف شاہ کا ممتاز خطاب مرحمت ہوا تھا۔ اور دوسرے روز شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین حضرت شاہ ولایت محمد عبد المنعم قادری کنز المعرفت علیہ الرحمۃ اور تیسرے روز شیخ غلام علی صاحب وارثی عرف گھسیٹے میاں آپ کی خدمتگزاری اور آپ کے مہمانوں کی مہمانداری نہایت کشادہ پیشانی سے کرتے تھے۔ کیونکہ طریقہ یہ تھا کہ آپ کی دعوت کے ساتھ آپ کے مہمانوں کی بھی دعوت ہوتی تھی۔

بعد میں کچھ دنوں کے لئے بادشاہ حسین خانصاحب وارثی تعلقدار کبرا کو اس خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ پھر عباس حسین خانصاحب وارثی رئیس بابو پور وچودھری لطافت حسین صاحب وارثی رئیس رامدانہ مساوی حیثیت سے ان کے شریک رہے پھر راجہ دوست محمد

خانصاحب وارثی تعلقدار موہنہ کو بھی شرکت کا موقع ملا اور کچھ روز یہ چاروں حضرات اس خدمت کو انجام دیتے رہے بعدہٗ راجہ شیر محمد خانصاحب وارثی تعلقدار رائے پور اور راجہ اودت نرائن سنگھ صاحب تعلقدار رام نگر شریک ہوئے اور انھیں چھ خدمتگزاروں نے آخر تک اس خدمت کو انجام دیا اور عرف عام میں اسی خدمتگزاری کا نام باری مشہور ہو گیا۔

لیکن دیویٰ شریف کی دعوت میں ایک اور امتیازی شان کا اضافہ ہو جاتا تھا کہ علاوہ مقررہ دعوت کے بعض عمائدین دیوی شریف بھی روزانہ آپ کے واسطے کھانا لیکر حاضر ہوتے تھے اور ان کا کھانا بھی مقررہ دعوت کے کھانے کے ساتھ دسترخوان پر لگایا جاتا تھا۔ علاوہ اس کے جو ایسے مقتدر حلقہ بگوش قدمبوسی کو آتے تھے۔ جن کے ہمراہ باورچی ہوتا تھا تو وہ بھی پر تکلّف کھانے پکوا کر لاتے اور آپ کے دسترخوان پر لگاتے تھے اور خادم عرض کرتا تھا کہ یہ شیر برنج ٹھاکر پنچم سنگھ لائے ہیں اور یہ پلاؤ نواب عبد الشکور خاں نے آپکے واسطے تیار کرایا ہے اور یہ کباب بادشاہ حسین خاں کے باورچی نے پکائے ہیں اور کھانے کے نام کے ساتھ یہ بھی ہر مرتبہ عرض کرتا تھا کہ حضور اس کو بھی ذرا چکھ لیجئے۔

بمقتضائے لطف عمیم آپ کا دستور تھا کہ خادموں کی التماس اگر اپنے منضبط عادات کے خلاف نہ ہوئی تو اکثر منظور فرماتے تھے۔ اس لحاظ سے کہ کچھ تو خادموں کی محبت آمیز گزارش کا خیال کچھ ان ارادتمندوں کی عزت افزائی جو بکمال عقیدت کھانا لائے ہیں۔ آپ اُن مختلف کھانوں میں سے بھی کسی کو صرف ہاتھ لگا دیتے تھے اور کسی کو ذائقہ کے طور پر زبان سے لگا کر تعریف کر دیتے تھے۔

چنانچہ ایسے موقع پر اکثر یہ دیکھا ہے کہ حضور قبلۂ عالم نے شیر برنج میں انگلی لگا کر زبان پر رکھی اور فرمایا کہ دال اچھی پکائی ہے یا پلاؤ کے دو چار چاول کھا کر ارشاد ہوا کہ باورچی بہت ہوشیار ہے کباب خوب پکائے ہیں۔

چونکہ خادم کا بیک وقت بار بار مختلف کھانوں کا نام لینا خیال میں تھا۔ اور اسی کے

اصرار سے کسی کھانے کا ذائقہ لیا تو انہیں کھانوں میں سے جن کا ذکر ہو رہا تھا۔ ایک کھانے کی تعریف آپ نے کردی۔

الغرض حضور قبلۂ عالم کے خاصہ نوش فرمانے کا طریقہ جو متعدد صفات سے مملو ہے۔ ان خوبیوں کا اگر فرداً فرداً ذکر کیا جائے تو بہت طوالت ہوگی۔ اس لئے بہ نظر اختصار اسی ایک صفت آخرالذکر کو کہ سرکار عالم پناہ نے شیر برنج کا ذائقہ لیا تو دال کی تعریف کی کسی قدر صراحت کے ساتھ نگارش کرتا ہوں۔

حالانکہ بادی النظر میں یہ کوئی اہمیّت کی بات اور خصوصیت کا واقعہ نہیں معلوم ہوتا ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ حضور نے ذائقہ لینے میں غور نہیں فرمایا اور جن کھانوں کے نام خادم نے لئے تھے۔ انہیں میں سے ایک کھانے کا نام زبان سے برجستہ نکل گیا۔

لیکن بہ نگاہ تامل دیکھا جائے تو یہی ایک صفت آپ کے رفیع المرتبت ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے اور اسی ایک صفت سے آپ کے فقر کامل اور انقطاع تعلقات کی غیر معمولی شان کا اظہار ہوتا ہے۔

کیونکہ فقیر کی حقیقت یہ ہے کہ ماسوائے اللہ کے انقطاع قطعی ہو یعنی جملہ موجودات کی خواہشات سے فراغ اور ان کی یاد دل سے محو اور فراموش ہو جائے جس کو اصطلاح صوفیہ میں ترک کہتے ہیں اور اقسام ترک میں ترک لذات بھی ایک ترک کا نام ہے سالک کو جس کا ترک کرنا لازمات سے ہے۔

اور محققین ارباب طریقت نے تصریح فرمائی ہے کہ ترک لذات کے تین مدارج ہیں درجہ اوّل کی تعریف یہ ہے کہ لذیذ اور پر تکلف غذائیں چونکہ مرغوب نفس ہیں۔ اس لئے فقیر کو ان کے استعمال سے احتراز لازم ہے تاکہ نفس مضمحل ہو جائے اور درجۂ ثانی کی صفت یہ ہے کہ ترک غذائے لذیذ کے ساتھ غذائے لذیذ کی خواہش بھی فنا ہو جائے۔ مگر اس دشوار مجاہدہ میں تارک کو کامیابی مشکل سے ہوتی ہے اور درجۂ ثالث کی تعریف کا خلاصہ یہ

ہے کہ تارک کے خیال سے غذائے متروکہ کا ذائقہ بھی محو اور فراموش ہو جائے۔ یہ مجاہدہ بہت سخت اور دشوار تر ہے اور یہ مرتبہ شاذ و نادر مجاہدین کو حاصل ہوتا ہے۔

ترک لذات کی یہ تعریف سنتے تھے لیکن حضور قبلۂ عالم کے ترک لذات کے درجۂ کمال اور مرتبۂ اتم کے خصوصیات کو آنکھوں سے دیکھا کہ آپ نے صرف اشیائے لذیذ اور خواہشات اشیائے لذیذ ہی کو ترک نہیں فرمایا۔ بلکہ اشیائے لذیذ کے حقیقی ذائقہ کو خیال کو صفحۂ قلب سے ایسا محو اور فنا کیا کہ مونگ کی دال اور شیر برنج کی لذت کا فرق اور پلاؤ اور کباب کے ذائقہ کا امتیاز باقی نہ رہا۔ اسی ترک کا نام اصطلاح صوفیہ میں ترکِ ترک یا ترک قطعی یا ترکِ صادق ہے۔

چنانچہ صاف ظاہر ہے کہ خادم نے شیر برنج اور مقشر دال کا نام لے کر اس درخواست کے ساتھ پیش کی تھی کہ چکھ لیجئے تو محض اس خیال سے کہ ان کی خاطر شکنی نہ ہو حضور قبلۂ عالم نے انگلی سے چھو کر زبان سے بھی لگالی لیکن شکر اور نمک کے ذائقہ کا امتیاز چونکہ فنا ہو چکا تھا۔ اس لئے بجز اس کے آپ کیا فرماتے کہ خادم سے سنے ہوئے جو دو نام تھے۔ انہیں میں سے ایک کی نسبت یہ ارشاد ہوا کہ دال اچھی پکائی ہے۔

لہٰذا میرا یہ عرض کرنا شاید بے محل نہ ہوگا کہ جس طرح حضور قبلۂ عالم ترک تعلقات میں عدیم النظیر تھے۔ اسی طرح ترک لذات میں بھی آپ کو بدرجۂ اتم من جانب اللہ کمال حاصل تھا کہ شیریں و نمکین ذائقہ کا فرق بھول گئے۔

چنانچہ اسی مضمون کا ایک قصہ مولانا جامی علیہ الرحمۃ نے نفحات الانس میں نقل فرمایا ہے کہ ایک روز حسن بصریؒ و شفیق بلخیؒ و مالکؒ دینار حضرت رابعہؒ کے مکان پر موجود تھے کہ صفات صدق کا ذکر آیا تو حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ "لَیْسَ بِصَادِقٍ فِیْ دَعْوَاہُ مَنْ لَمْ یَصْبِرْ عَلٰی ضَرْبِ مَوْلَاہُ" یعنی وہ اپنے دعوی میں صادق نہیں جو ابتلائے خداوند پر صبر نہ کرے رابعہ نے کہا سچ ہے۔ مگر اس میں بوئے خودی ہے۔ شفیق بلخی نے فرمایا کہ

لَیْسَ بِصَادِقٍ فِیْ دَعْوَاہُ مَنْ لَمْ یَشْکُرْ عَلٰی ضَرْبِ مَوْلَاہُ۔ یعنی وہ صادق نہیں جو جفائے محبوب پر شکر کرے۔ رابعہ نے کہا سچ ہے۔ مگر جفائے محبوب کو جفا سمجھنا آداب عشق کے خلاف ہے۔ مالکؒ دنیار نے فرمایا۔ لَیْسَ بِصَادِقٍ فِیْ دَعْوَاہُ مَنْ لَمْ یَتَلَذَّذْ بِضَرْبِ مَوْلَاہُ۔ یعنی مطلوب کی دی ہوئی اذیت سے لذت حاصل نہ کرے۔ رابعہؒ نے کہا درست ہے پھر ہر سہ بزرگوں نے رابعہؒ سے کہا تم کیا کہتی ہو۔ رابعہ نے فرمایا۔ لَیْسَ بِصَادِقٍ فِیْ دَعْوَاہُ مَنْ لَمْ یَنْسَ اَلَمَ الضَّرْبِ فِیْ مُشَاهَدَةِ مَوْلَاہُ۔ یعنی اپنے دعوے میں وہ صادق نہیں جو مشاہدہ محبوب میں تکلیف کو بھول نہ جائے۔

حضرت رابعہ عدویہ علیہا الرحمۃ کے اس آخری فیصلہ سے ثابت ہوا کہ سالک راہ طریقت کا اپنے دعویٰ میں صدق واقعی یہ ہے کہ راہ حق کی ابتلا کو ابتلا نہ جانے بلکہ حقیقت ابتلا کا خیال بھی فنا ہو جائے۔ جیسا کہ حضور قبلۂ عالم کے خاصہ نوش فرمانے کا طرز و انداز سے ظاہر ہوا کہ مجاہدۂ ترک لذات کے سلسلہ میں تقلیل غذا کے واسطے لذیذ غذاؤں سے بے رغبتی کے ساتھ لذات غذا بھی اس طرح فراموش کر دیئے کہ دال اور شیر برنج کا ذائقہ اور پلاؤ کباب کی لذّت کا فرق و امتیاز قطعاً محو اور فنا ہو گیا۔

قیلولہ و چہل قدمی لیکن مولوی فضل حسین صاحب وارثی مرحوم مؤلف سیرت وارثی نے مشکوٰۃ حقانیہ کے صفحہ ۲۶ میں باب اکل و شرب کا خاتمہ انہیں دو جملوں پر کیا ہے کہ "کھانا کھانے کے بعد دن میں قیلولہ اور شب کو چہل قدمی فرماتے تھے۔" مگر مؤلف موصوف نے جس عنوان سے یہ دونوں جملے نقل فرمائے ہیں ان کا مفہوم علاوہ بے ربط ہونے کے خلاف شان سیرت وارثی ہے لہٰذا ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ اس کی بھی صراحت ہو جائے اور چونکہ تصریح قصہ طلب ہے۔ اس لئے قیلولہ کی وجہ تسمیہ اور چہل قدمی کی حقیقت تھوڑی وضاحت کے ساتھ نگارش کرتا ہوں۔

واضح ہو کہ حضور قبلۂ عالم کے جن عادات کو قیلولہ اور چہل قدمی کہا گیا ہے وہ چہل قدمی

کی مثل تھی۔ اور نہ وہ قیلولہ معروف قیلولہ کے مشابہ تھا۔ بلکہ حضور کے یہ دونوں عادات اپنے طرز میں مخصوص اور انداز میں یگانہ تھے۔ حتیٰ کہ غور کیا جائے تو آپ کا قیلولہ اور چہل قدمی آپ کے مدارج علیا کے شاہد عادل ہیں۔

لیکن قبل اس کے کہ چہل قدمی اور قیلولے کی تصریح نگارش ہو۔ آپ کے مزاج ہمایوں کی اس کریمانہ صفت سے بھی ہم غلاموں کو آگاہ ہو جانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

کہ سرکار عالم پناہ کے خلق عظیم کا یہ انداز تھا کہ روزمرہ کے عادات میں اگر خدام نے بمقتضائے محبت کسی معمولی ترمیم کے لئے متواتر گزارش کی اور وہ گذارش منافی مسلک نہ ہوئی تو اکثر حضور نے اس کو منظور بھی فرمایا ہے جو آپ کے خلق عمیم کی کافی دلیل ہے۔ اور جو خواست بارگاہ وارثی میں منظور ہو جاتی تھی اس کا عملدرآمد ہمیشہ کے لئے فوراً شروع ہو جاتا تھا۔ کیونکہ آپ کو پابندی وضع کا بہت خیال تھا۔

اور خدام کا نصب العین حضور کی عافیت تھی۔ خصوصاً آپ کی صحت کی نسبت جب اُن کو کوئی مناسب تدبیر معلوم ہوتی تھی تو اس کی منظوری کے واسطے خدمت والا میں مختلف عنوان سے عرض کرتے تھے اور چونکہ یہ اصرار ان کا خلوص واردات سے ہوتا تھا اس لحاظ سے اکثر وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوتے تھے۔

چنانچہ تقریباً ۱۳۰۱ھ کا یہ واقعہ ہے کہ ایک قدیم حلقہ بگوش طبیب حاذق نے کہا کہ شب کے کھانے کے بعد چہل قدمی کو حکمائے متقدمین نے معین صحت لکھا ہے بس اسی وقت سے خدام کو فکر ہوئی اور خدمت بابرکت میں اس طبی مسئلہ کے مفاد کو مختلف پیرایہ میں عرض کرنے لگے اور جب حضور کو خوشنود پایا۔ مستدعی ہوئے کہ شب کے کھانے کے بعد آپ چہل قدمی فرمایا کریں۔ مگر ہر مرتبہ حضور نے آزاد خیالی کے لحاظ سے فرمایا کہ یہ روز کا جھگڑا ہے۔

ایک روز ایسے چند ارادتمندوں نے جن کو مزاج دانی کا شرف اور دربار وارثی

میں باریابی کا اعزاز حاصل تھا۔ خدام نے شریک ہو کر اس درخواست کی منظوری کیلئے اپنے آقائے نامدار سے بچوں کی طرح ضد کی۔ اس وقت ہمارے حلیم الطبع اور عمیم الاخلاق مقتدا نے ان کے خلوص پر نظر فرما کر ارشاد فرمایا کہ "اچھا آج سے ٹہل بھی لیا کریں گے"۔

لہٰذا یہ تاریخی واقعہ چہل قدمی کی منظوری کا ہے۔ اور اسی روز سے چہل قدمی بھی حضور کے عادات روزمرہ میں داخل ہو گئی لیکن اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ آپ کی چہل قدمی کی شان کیا تھی۔ چنانچہ صورت یہ تھی کہ شب کے کھانے کے بعد آپ خلال کرتے تھے۔ گو ضرورت ہو یا نہ ہو مگر حسب معمول تھوڑے عرصہ تک یہ شغل رہتا تھا۔ پھر ایک خادم کے شانہ پائیں بستر کی مختصر جگہ میں عجیب محبوبانہ انداز اور مستانہ روش سے چار پانچ قدم چل کر آپ فرماتے تھے بس خادم عرض کرتا تھا کہ ابھی چالیس قدم کہاں ہوئے۔ پھر دو چار قدم چل کر آپ قیام فرماتے تھے۔ خادم پھر وہی عرض کرتا تھا۔ غرض خادم کے بار بار تقاضے اور اصرار سے بمشکل دس بارہ قدم ٹہل کر آپ استنجا کے لئے چوکی پر چلے جاتے تھے جو مشرقی صحنچی میں لگی رہتی تھی اس ہیئت محمدی کا نام چہل قدمی تھا۔

لیکن اس غیر معمولی چہل قدمی کی حقیقت کو دیکھا جائے تو بعض اہم مسائل پر روشنی پڑتی ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضور قبلۂ عالم بدرجۂ اتم راضی برضائے حق تھے اور تقدیر قضا و قدر کے سامنے ہمیشہ تدبیر کو آپ نے ہیچ سمجھا۔ چنانچہ دیکھا کہ باوجود اس کے کہ خدام کے اصرار سے چہل قدمی کا وعدہ فرمایا اور بظاہر حسب وعدہ چہل قدمی بھی کی مگر اس عنوان سے جس کو معین عافیت اور محافظ صحت ہونے سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ایسی چہل قدمی سے کبھی کوئی فائدہ مترتب ہو سکتا ہے۔ لہٰذا کس خوبی سے ایفائے وعدہ بھی فرمایا اور بکمال ضبط و استقلال اپنے پختہ اور موحدانہ خیال کو لوث تدبیر سے محفوظ رکھا جس سے لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ کا حقیقی مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔

اسی کے ساتھ آپ کے خلق عظیم اور لطف عمیم کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ غلام نوازی

ایسی منظور تھی کہ آپ نے ارادتمندوں کی خوشی کے واسطے چہل قدمی کا وعدہ فرمایا۔ جو بندہ پروری کی عین دلیل ہے۔

اس چہل قدمی سے آپ کی وضعداری کی شان بھی نمایاں ہے کہ باوجودیکہ ترتیب صحت مقصود نہ تھی لیکن خدام کی استدعا منظور کی تھی۔ اس لئے روزآنہ کی تکلیف گوارا فرمائی

الغرض اس مختصر تصریح سے ظاہر ہو گیا کہ حضور قبلۂ عالم کی چہل قدمی درحقیقت عام چہل قدمی نہ تھی جس کو مؤلف مشکوٰۃ حقانیہ نے قلم برداشتہ لکھدیا کہ "شب میں آپ چہل قدمی فرماتے تھے"۔ جس کے مطالعہ سے ہر شخص یہ سمجھا ہوگا کہ جس طرح عام لوگ اپنے معدہ اور اعصاب کی تقویت کے واسطے صبح و شام ٹہلتے ہیں۔ اسی طرح اور اسی خیال سے ہمارے سرکار عالم پناہ بھی اپنی صحت قائم رکھنے کے لئے کسی ڈاکٹر یا حکیم کی تقلید میں چہل قدمی کرتے ہوں گے۔ اس وجہ سے میں نے یہ عرض کیا کہ مؤلف موصوف کا یہ جملہ سیرت وارثی کی شان کے خلاف ہے۔

علیٰ ہذا لفظ قیلولہ کی نسبت بھی میں نے اس خیال سے بے ربط کہا کہ اصطلاح میں قیلولہ کے معنی بعد طعام روز استراحت اور آرام کرنا ہیں اور حضور کا استراحت فرمانا دن کے کھانے پر موقوف نہ تھا بلکہ آپ ہمہ وقت ایک پہلو سے استراحت فرماتے تھے۔ اس لئے دن کے کھانے کے بعد استراحت کا مشروط ہونا بے ربط اور خلاف واقعہ ہے۔ اور قطع نظر اس کے حضور کی جو عادت قیلولہ کے نام سے موصوف ہے وہ صورتاً بھی وہ قیلولہ نہ تھا جو مفہوم ماد مسلمہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ چہل قدمی کی طرح حضور قبلۂ عالم کا قیلولہ کرنا بھی اپنی شان میں نرد اور نوعیت میں یگانہ تھا۔ بظاہر قیلولہ کرنا ایک معمولی بات ہے۔ مگر یہ بھی مسلمہ ہے کہ آپکی معمولی بات بھی غیر معمولی اہمیت سے خالی نہ تھی۔ چنانچہ آپ کا قیلولہ کیا تھا اور کیونکر اس کی ابتدا ہوئی اس کا قصہ یہ ہے۔

ایک مرتبہ آپ کی طبیعت ناساز ہوئی خدام نے حکیم عبد العزیز صاحب لکھنوی کو بلایا اور بفضلہ افاقہ بھی بہت جلد ہو گیا لیکن حکیم صاحب ممدوح نے اپنے ایک دو دن کے قیام میں یہ بھی دیکھا کہ آپ ہر وقت داہنے پہلو سے استراحت فرماتے ہیں۔ موصوف نے خدام سے کہا کہ جناب قبلہ کی اس عادت میں کم سے کم اس قدر ترمیم ضروری ہے کہ شب کے کھانے کے بعد پہلے تھوڑی دیر کے واسطے بائیں پہلو سے آپ استراحت فرمایا کریں ورنہ آپ کی صحت پر خراب اثر پڑنے کا خوف ہے۔

خدام کو جب یہ معلوم ہوا کہ اصول طبی سے یہ طرز استراحت مضر صحت بھی ہو سکتا ہے تو سب نے بیک زبان ہو کر خدمت والا میں دست بستہ عرض کیا کہ حضور شب کی غذا کے بعد دوسرے پہلو سے بھی ایک وقت معینہ کے واسطے استراحت فرمایا کریں۔ مگر کچھ عرصہ تک یہ درخواست منظور نہ ہوئی لیکن متواتر اصرار کے بعد حضور قبلۂ عالم نے خدام کی یہ گزارش بھی اس شرط کے ساتھ قبول فرمائی کہ اچھا شب کو بائیں پہلو سے بھی لیٹا کریں گے۔ مگر اس قدر کہ جتنے عرصہ میں گیارہ دفعہ سانس لئے جاتے ہیں۔

اس روز سے یہ معمول ہو گیا کہ شب کو حضور جب خاصہ تناول فرماتے تھے۔ تو اس وقت خادم داہنے جانب سے اگالدان اور وہ رومال تماتن زیب کا ٹکڑا جس کو حضور دست مبارک میں لے کر رخسار انور کے نیچے رکھتے تھے۔ اٹھا کر بائیں طرف رکھ دیتا تھا۔ اور آپ چہل قدمی اور استنجا کے بعد بستر پر تشریف لا کر پہلے بائیں پہلو سے استراحت فرماتے تھے۔ لیکن صاف ظاہر ہوتا تھا کہ حضور کو بائیں پہلو کی استراحت سے کوئی خاص اور ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہے کیونکہ تھوڑے وقفہ کے بعد ہی ارشاد ہوتا تھا کہ بس اب رخ بدل لیں خادم اصرار بھی کرتا تھا۔ مگر کچھ التفات نہیں ہوتا اور زیادہ سے زیادہ ایک منٹ کے اندر آپ بائیں پہلو کو بدل کر داہنے پہلو سے استراحت فرماتے تھے۔ اس مجموعی صورت کا نام اصطلاح خدام میں قیلولہ تھا۔

لیکن یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضور کا بائیں جانب سے داہنے طرف پہلو بدلنا اس صورت سے نہ تھا جس طرح عموماً لوگ کروٹ بدلتے ہیں۔ بلکہ آپ پہلو بدلنے میں جو احتیاط اور اہتمام فرماتے تھے اس کو بھی نظر غائر سے دیکھنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ خاص طریقہ یہ تھا کہ پہلے بائیں پہلو سے اٹھ کر آپ دو زانو بیٹھتے تھے۔ پھر رخ بدل کر داہنے پہلو سے استراحت فرماتے تھے اور خادم اگالدان اور رومال بھی داہنے جانب رکھ دیتا تھا اور چہرہ سے نمایاں ہوتا تھا کہ وہ تکلیف اب نہیں ہے جو بائیں پہلو کی استراحت میں تھی۔

چونکہ چت لیٹنا یعنی زمین سے پشت لگانا حضور قبلۂ عالم کے متروکات میں تھا۔ اور مروجہ صورت سے رخ بدلنے میں گو عجلت ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو۔ مگر زمین سے پشت لگنے کا شائبہ ضرور نظر آتا تھا۔ جو شاید مشرباً آپ کو گوارا نہ تھا اور قرینہ ہے کہ اسی لحاظ سے حضور یہ احتیاط و اہتمام فرماتے تھے کہ پہلے بائیں کروٹ سے اٹھ کر بیٹھتے۔ پھر ایک وقفہ کے بعد داہنے پہلو سے استراحت فرماتے تھے تاکہ چت لیٹنے کا اشارہ بھی نہ ہو۔

چنانچہ قیلولہ کرتے وقت حضور کی بائیں جانب کی استراحت پھر اٹھنا اور دو زانو بیٹھنا اور رخ بدلنا اور پھر داہنے پہلو سے آرام فرمانے کو اگر سرسری نظر سے بھی دیکھا جائے۔ تو علاوہ دیگر خوبیوں کے آپ کا وہ بے مثل مجاہدہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے جو اپنی نظیر آپ ہے۔ کہ لیٹنا چونکہ باعث آرام و راحت ہے اور آپ عشق شاہد حقیقی میں عافیت و آسائش کے خیال کو بھی محو اور فنا کر چکے تھے۔ لہٰذا استراحت بھی یوں فرمائی کہ تمام عمر خلاف فطرت انسانی ایک پہلو سے لیٹے اور زمین سے پشت نہیں لگائی۔ جس نے آرام کو جو لازمی نتیجہ استراحت کا ہے قطعاً زائل اور معدوم کر دیا۔

غرض حضور قبلۂ عالم کے خاصہ نوش فرمانے کا صرف انداز ایسا مجموعہ اوصاف تھا جس میں متعدد خوبیاں اور ایسے ایسے ناقابل برداشت مجاہدے تھے جن کا تحمل قوت بشری سے باہر ہے لہٰذا اگر یہ عرض کروں تو ضرور اخوان ملت میرے ہم نوا ہوں گے کہ حضور کے

عادات معاشرت میں سے ایک عادت کی بھی ہم پوری تشریح اور کماحقہ صفت نگارش نہیں کرسکتے۔

چنانچہ ظاہر ہے کہ حضور قبلہ کے ظاہری عادات روزمرہ میں سے ایک قیلولہ فرمانے کی صفت مجھ ہیچمداں سے کماحقہ نہ ہوسکی اور باوجود اس صراحت کے فی الحقیقت مفہوم ناتمام رہا اور اس کا اظہار نہ کرسکا کہ سرکار عالم پناہ نے بائیں پہلو کی استراحت کیوں ترک فرمائی تھی اور خدام کے اصرار سے تھوڑے وقفہ کے واسطے جب یہ صورت اختیار کی تو تکلیف کا سبب کیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور کی سیرت نگاری اہلِ بصیرت کا کام ہے۔ اگر بجائے مجھ سگ دنیا کے کوئی صاحب دید دیانت یہ واقعہ نگارش کرتا تو اس سے یہ فروگزاشت نہ ہوتی۔

آپ کا عاشقانہ لباس علیٰ ہذا حضور قبلۂ عالم کا مستحسن اور زاہدانہ لباس بھی باوجود نہایت سادہ اور غایت بے تکلف ہونے کے اپنی نوعیت میں فرد اور وضع میں یگانہ ہے۔ جس کے تار تار سے تجرید کا رنگ اور تفرید کی شان نمایاں طور پر نظر آتی تھی اور جس کی عظمت اور منزلت کی نسبت اسی قدر عرض کرنا کافی ہوگا کہ حضرت مالک الملک کے سالانہ دربار کی یہی مخصوص وردی ہے۔

بلکہ حضور کا یہ مقدس لباس اپنی صوری اور معنوی خوبیوں کے ساتھ زبانِ حال سے صاحب لباس کے وفورِ شوق و جوشِ عشق و نیز صفائے باطن و ماسوائے اللہ سے بے تعلق ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ چنانچہ امام شعرانی علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔ وَعُرِیُّ الْبَدَنِ لِلْفَقِیْرِ اِشَارَۃٌ لِلتَّجْرِیْدِ الْبَاطِنِ عَنِ الْکَوْنِ۔ یعنی فقیر کا برہنہ جسم رہنا اشارہ ہے کہ باطن میں ہستی سے تجرید ہے۔ (الیواقیت والجواہر)

مگر کسی مستند روایت سے یہ نہیں ثابت ہوا کہ آپ کے قدیم لباس میں کس ترتیب سے تبدیلی ہوئی۔ کیونکہ اس میں تو سب کو اتفاق ہے کہ تا عنفوان شباب آپ کے

نفیس لباس کی وہی صورت رہی جو شرفائے اودھ کی وضع تھی چنانچہ منقول ہے کہ آپ کی جدہ ماجدہ اپنی نگرانی کے دوران میں بیش قیمتی لباس آپکے واسطے تیار کراتی تھیں۔ مابعد آپ کی ہمشیرہ صاحبہ نے بھی اس کا بہت زیادہ خیال رکھا کہ جیسا نفاست پسند آپ کا مزاج تھا اسی رعایت سے آپکو خوش وضع کپڑے پہناتی تھیں لیکن عمر کیساتھ جوش عشق میں ترقی ہوتی گئی۔ اور ہنوز چودھواں سال ختم نہیں ہوا تھا کہ دفعتاً طبیعت میں ایسی سادگی آگئی کہ اسباب آرائش وآسائش کی جانب قطعاً التفات نہ رہا۔ چنانچہ میں نے اپنے والد ماجد سے سُنا ہے کہ جب حضور نے حجاز کا سفر کیا ہے اس وقت کرتہ اور پائجامہ اور ٹوپی زیب جسم تھی۔ اور زرد مخمل کا سلیم شاہی جوتہ آپ پہنے تھے اور جب اس سفر سے واپس آئے تو آپ کو پا برہنہ اور احرام پوش دیکھا۔

لیکن اس میں کافی اختلاف ہے کہ آپ نے قدیم لباس بیک وقت تبدیل فرمایا۔ یا وقتاً فوقتاً تغیرات ہوئے۔ چنانچہ قریب قریب جملہ مؤلفین سیرت وارثی کا یہ خیال ہے کہ حضور قبلہ عالم نے آبائی لباس کو بدفعات اور مختلف مقامات پر ترک فرمایا۔ اور جب حج بیت اللہ کے واسطے احرام باندھا تو کرتہ اور پائجامہ بھی خیرات کردیا۔ اور اس وقت سے احرام آپ کا مستقل لباس ہوگیا۔ اور اسی کی تصریح ان کی نقل کردہ روایات میں مسطور ہے کہ حضور قبلہ عالم نے جوتہ اجمیر شریف میں پھینک دیا۔ جو بہت صحیح ہے۔ کیونکہ حضور کے ایک ارشاد میں یہی مضمون ہے جس کو آپ نے اکثر فرمایا ہے کہ ہم اجمیر شریف پہونچے اور آستانہ پر حاضر ہوئے تو جوتہ رومال میں لپیٹ لیا۔ آگے چلے تو ایک مقام پر دو آزاد فقیر بیٹھے تھے اُنھوں نے کہا کہ میاں صاحبزادے یہ روٹیاں کہاں سے باندھ لائے۔ ہم نے جوتے اُن کے آگے پھینک دیئے۔ اور کہا۔ لو یہ تمہارا حصہ ہے کھالو۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ سفر حجاز میں آپ کو ایک ریگستان ملا۔ جو تمازتِ آفتاب سے اس قدر گرم ہوگیا تھا کہ اس میں جوتہ پہن کر چلنے میں بھی تکلیف ہوتی تھی۔ مگر دیکھا کہ ایک

مسافر برہنہ پا سفر کر رہا ہے حضور نے اپنا جوتہ اسکو دیدیا اور خود برہنہ پا مسافت طے فرمائی۔

اسی طرح ٹوپی کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ایک پہاڑ پر حضور جا رہے تھے کہ دفعتاً تند ہوا کا جھونکا آیا۔ اور آپ کی ٹوپی اُڑ گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ٹوپی میلی ہو گئی جس کو کثافت کی وجہ سے آپ نے پھینک دیا۔

معہذا ایک مرتبہ حضور سفر حجاز کا ذکر فرما رہے تھے۔ اسی سلسلہ میں ٹوپی کا بھی ذکر آگیا۔ میں نے عرض کیا کہ والد کہتے تھے کہ بچپن میں آپ کو قیمتی ٹوپی کا بہت شوق تھا مگر معلوم نہیں یہ شوق آپ نے کیوں چھوڑ دیا۔ فرمایا کہ دوران سفر میں ہم کو ایک دریا ملا جس پر پُل نہ تھا۔ ناؤ کے ذریعہ لوگ عبور کرتے تھے۔ چنانچہ ہم بھی ایک ناؤ پر سوار ہوئے جب ناؤ بیچ دریا میں پہونچی۔ تو ملّاح نے پیسہ طلب کیا۔ ہم نے کہا پیسہ تو ہمارے پاس نہیں ہے ملّاح نے کہا کوئی اور چیز دے دو۔ ہم نے ٹوپی اُتار کر ملّاح کو دیدی۔

مگر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا روایات و نیز ارشادات میں جوتہ اور ٹوپی مسافر اور ملّاح کو مرحمت فرمانے کا ذکر ہے۔ اور ترک و انقطاع کا تذکرہ نہیں ہے لہٰذا اس قدر تو مان لینا ہم کو لازم ہو گیا کہ واقعات مذکورہ صحیح ہیں۔ کیونکہ ارشادات کے ہم معنی ہیں۔ مسافر کو جوتہ بھی دیا اور ریگستان کی تکلیف خود برداشت فرمائی جو آپ کے ایثار کی عین دلیل ہے۔ اور ملّاح کا احسان نہیں لیا۔ ایک پیسہ کے عوض اسکو ٹوپی دیدی یہ آپ کی غیوری اور معاملات کی خوبی کا بیّن ثبوت ہے۔ لیکن اس روز سے جوتہ نہیں پہنا اور ٹوپی جزو لباس نہیں رہی یہ کسی جملہ کے معنی نہیں ہیں۔ بلکہ ارشادات میں اس کا اشارہ بھی نہیں۔ اس لئے یہ واقعات کافی نہیں ہیں۔ بلکہ کسی معتبر روایت یا حضور کے ایسے ارشاد صریح اور واضح کی ہنوز ضرورت ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس سے حضور نے جوتہ اور ٹوپی پہننا ترک فرمایا۔

لیکن یہ ضرور ہے کہ ۱۳۰۵ ہجری کے سفر میں حضور قبلہ عالم نے بدفعات یا بیک نت

اپنے قدیم لباس کے ہر حصہ کو خدا کی محبت میں ہمیشہ کے لئے ترک فرمایا۔

بلکہ ان جملہ واقعات کا مفہوم اگر اس عنوان سے بیان کیا جائے تو شاید پھر کسی دلیل کی ضرورت نہ ہو کہ زیادہ قرینہ ہے کہ حضور قبلہ عالم نے اپنے قدیم لباس کے بعض حصوں کا استعمال کرنا خاص واقعات کے لحاظ سے حجاز کے راستہ ہی میں ترک کر دیا تھا۔ اور بقیہ لباس احرام باندھنے کے وقت اُتار دیا۔ اور چونکہ آپ کا حج غیر معمولی حج تھا۔ اس لئے اس کے قیود بھی اہمیت سے خالی نہ تھے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ تمامی حجاج بعد ادائے ارکانِ حج احرام سے باہر آ کر اپنا قومی لباس پہن لیتے ہیں۔ مگر حضور کا احرام شاید اس خصوصیت سے مشروط تھا کہ تاحیاتِ ظاہری تقریباً تہتّر سال آپ کا وہی لباس رہا جو معراجِ معرفت میں زیبِ جسم تھا۔ اور چونکہ دوسرا لباس محرم کے لئے ممنوع ہے۔ اس لئے آپ کا قدیم لباس ہمیشہ کے لئے متروک ہو گیا۔ اور آپ ۱۲۵۷ھ ہجری احرام پوش ہندوستان واپس تشریف لائے۔

آپ کا لباس اور یہ تو قریب قریب سب کو معلوم ہے کہ احرام آپکا رنگین اور عموماً سوتی کپڑے کا۔ اور عرض میں ڈیڑھ گز۔ اور طول میں چھ گز ہوتا تھا۔ مگر ایامِ سرما میں اگر کسی ارادتمند نے اُونی کپڑے کا احرام پیش کیا تو حضور نے اس کو بھی قبول فرمایا ہے جس کے استعمال کا یہ طریقہ تھا کہ نصف حصہ سے ستر پوشی اور دوسرا نصف حصہ بطور چادر نہایت سادگی سے زیب دوش اس طرح فرماتے تھے کہ فرقِ انور بالکل کھلا رہتا تھا۔ اس لئے کہ صرف حالتِ نماز با خاصہ نوش فرمانے کے وقت گوشۂ احرام یا دوسری چادر سرِ اقدس سے اوڑھی جاتی تھی۔ ورنہ آپکے خصوصیات میں ہے کہ سردی کی احتیاط یا تمازتِ آفتاب سے حفاظت کے لئے کبھی آپ نے یہ اہتمام نہیں فرمایا کہ گوشۂ احرام یا دوسرے کپڑے سے فرقِ انور کو چھپایا ہو۔ بلکہ ہمیشہ سرِ اقدس بے نقاب رہا جو محرم کے لئے خاص شرط ہے۔

لیکن بعض معمّر حضرات سے سُنا ہے کہ اوائل میں کسی خاص وجہ سے یہ بھی ہوا ہے کہ اسی عرض و طول کا احرام دو حصوں میں منقسم ہوا۔ ایک حصہ کو حضور نے تہبند بنایا اور

اور دوسرا ٹکڑا بطور چادر کے استعمال فرمایا۔ شاید اس وجہ سے آپ کے مقدس احرام کو ارادتمند تہبند بھی کہتے ہوں۔

رنگ لباس لیکن جس طرح آپ کا تہبند رنگین ہونا لازمی تھا اسی طرح باعتبار دیگر الوان کے زرد یا زردی مائل جس میں بادامی بھی شامل ہے حضور کو زیادہ پسند تھا اور سیاہ وسفید و سُرخ رنگ کسی وجہ سے مرغوب نہ تھے۔ اور اس قدر متروک تھے کہ عموماً آپکے تہبند کے واسطے ممنوع سمجھے جاتے تھے۔ اور برخلاف اس کے زرد رنگ مخصوص ہوگیا تھا۔

مجھا ایسا ظاہر بیں اور پست خیال شخص یہی سمجھ سکتا ہے کہ حضور قبلۂ عالم نے احرام ملوں شاید اسی وجہ سے پسند فرمایا ہوگا کہ دیگر حضرات عارفین نے بھی لباس رنگین استعمال کیا ہے۔ کیونکہ لباس کو صاف کرنا محافظت اوقات میں خلل انداز اور تفریغ خاطر کے منافی ہے۔ اس لئے جامۂ رنگین مستحسنات صوفیہ میں داخل ہوگیا ہے۔ اور زرد رنگ کو مخصوص طور پر حضور نے اختیار کیا ہے تو بظاہر اس کا سبب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ زرد رنگ آسان اور بے تکلف ہے اس لئے آپ کی سادگی پسند مزاج نے جسکو تکلفات سے قطعی احتراز تھا اس رنگ کو آسانی کے لحاظ سے پسند کیا ہوگا۔

مگر نہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آپ کے وضع لباس سے للہیت اور حقانیت کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح رنگ لباس میں عشق و محبت کی شان ہے۔ قرینہ غالب ہے کہ زرد رنگ کی خصوصیات بلحاظ فرماکر حضور قبلۂ عالم نے اپنے تہبند کے واسطے تجویز کیا ہوگا جس کو تھوڑی تصریح کے ساتھ نگارش کرتا ہوں۔

چنانچہ محققین حضرات صوفیہ نے بطور کلیہ فرمایا ہے کہ ارباب اہل طریقت کے لباس کا رنگ ہمیشہ ان کے وارداتِ قلبی کے مناسب حال ہوتا ہے۔ بدیں وجہ ذی رتبہ سالکین نے اپنی اپنی حالت و کیفیت کے لحاظ سے مختلف الوان اختیار فرماتے ہیں۔

اسی اعتبار سے حضور قبلۂ عالم نے اپنے لباس کے لئے زرد رنگ پسند فرمایا کیونکہ یہ مسلمہ

ہے کہ آپ کا مسلک صرف عشق ہے۔ اور عشاق کی معراج کمال فنا تام ہے کہ عاشق اپنے وجود کو مٹا کر خود شاہد حقیقی میں فنا ہو جائے اور اہلِ فنا کو خاک سے مناسبت ہے جس کا حقیقی رنگ زرد ہے۔ اس وجہ سے زرد رنگ عاشقوں کو طبعاً مرغوب ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمارے سرکار عالم پناہ نے منازلِ عشق و مراحلِ محبت اس خوبی اور اہتمام کے ساتھ طے فرمائے کہ ان کے لوازمات کو کبھی نہیں چھوڑا۔ حتیٰ کہ اپنے لباس کے لئے بھی زرد ہی رنگ پسند فرمایا۔ جس کو اہلِ فنا سے خاص مناسبت ہے۔

علاوہ اس کے حضور قبلۂ عالم نے جو مٹی کے حقیقی رنگ کو دیگر الوان سے زیادہ پسند فرمایا تو اس کو خون کا اثر اور خاندانی مذاق کہا جائے تو بھی ناموزوں نہ ہوگا کیونکہ آپ کے جد نامدار کو سرکار حضرت رسالت سے ابو تراب کی ممتاز کنیت مرحمت ہوتی ہے اور منقول ہے کہ علی مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثنا کو باعتبار دیگر القاب کے یہ خطاب کنیتی زیادہ پسند تھا لہٰذا وارث ارث مرتضوی نے جد نامدار کی یہ سنت ادا فرمائی کہ اپنے لباس کے واسطے مٹی کے حقیقی رنگ کو پسند کیا۔

قطع نظر اس کے کہ اگر اصولاً دیکھا جائے۔ اور روایاتِ صحیحہ سے استدلال کریں تو بھی زرد رنگ کی فضیلت کماحقہٗ ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ منقول ہے کہ حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو زرد رنگ پسند تھا۔ چنانچہ صاحب تیسیر القاری نے جواز الوان کی بحث میں زرد رنگ کی نسبت لکھا ہے کہ "عبداللہ ابن عباس گفتہ کہ ایں بہترین رنگہاست۔ آنحضرت دوست میداشت آنرا کہ رنگ میکرد"۔

علیٰ ہذا۔ صحیح بخاری۔ کتاب اللباس میں منقول ہے کہ عبید بن جریج نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ چار باتیں آپ ایسی کرتے ہیں جو دیگر صحابہ نہیں کرتے۔ از انجملہ ایک بات یہ "رَاَيْتُكَ تَصْبَغُ بِالصُّفْرَةِ" "آپ زرد رنگ استعمال کرتے ہیں" فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَمَّا الصُّفْرَةُ فَاِنِّيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ

صلی اللہ علیہ وسلم یَصْبَغُ بِھَا" فرمایا عبداللہ ابن عمر نے کہ زرد رنگ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے زرد رنگ استعمال کرتے رسول اللہ کو دیکھا ہے فَاَنَا اَصْبَغُ بِھَا، پس میں زرد رنگ کو دوست رکھتا ہوں۔

الغرض احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ملبوس زرد کا استعمال مسنون ہے اس وجہ سے صفات محمدیہ کے مظہر اتم نے اپنے لباس کے واسطے زرد رنگ پسند فرمایا۔ لیکن ایک دوسری حدیث کے مضمون سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس رنگ اور اس وضع کا لباس اسی مرتاض اور صاحب تجرید کا ہوتا ہے جسکو تعلقات دنیا سے احتراز اور ماسوائے اللہ سے انقطاع کامل ہو۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام جنکی روحانیت و حقانیت تجرد و تفرید کا تمام عالم معترف ہے۔ ان کے حالات میں منقول ہے کہ آپکا لباس ہمیشہ بشکل احرام اور اصفر اللون رہا حتیٰ کہ رفع الی السما کے وقت بھی زرد رنگ کی دو چادریں زیب جسم تھیں۔

اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ عیسیٰ علیہ السلام طواف بیت اللہ میں مشغول ہیں اور دو چادریں زرد ان کے جسم پر ہیں۔ اور بالوں سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہیں۔

پھر نزول عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت میں بھی یہی نشانیاں بیان فرمائیں جیسا سنن ابی داؤد جلد ثانی میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے منقول ہے کہ فرمایا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نزول کریں گے۔ تو تم دیکھ کر پہچان لوگے کہ مرد مربوع یعنی بین الطویل والقصیر ہونگے وَاِلٰی حُمْرَۃِ الْبَیَاضِ مُمَصَّرَتَیْنِ کَاَنَّ رَاْسَہٗ یَقْطُرُ" یعنی رنگ سپید سرخی مائل ہوگا۔ اور دو چادریں زرد ان کے جسم پر ہوں گی۔ اور بالوں سے قطرے ٹپکتے ہوں گے۔

اب اس وضع اور اس رنگ کے لباس کا احترام کافی طور پر ظاہر ہوگیا کہ ایسے جلیل القدر پیغمبر جنکو سرکار حضرت احدیت سے روح اللہ کا خطاب اور رفع السماء کا مرتبہ مرحمت ہوا۔ ان کا لباس ہمیشہ زرد اور بصورت احرام تھا۔ اور آخر زمانہ میں جب نزول کرینگے تو اس

وقت بھی بموجب حدیث مذکور مصر تنن یعنی دو چادریں اصفر اللون آپ کے لباس میں ہوں گی جس کو دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیئے کہ آپ احرام پوش ہوں گے ۔

لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کا یہ حُلیہ جو درحقیقت رُوحانیت کا مجسّمہ اور صنعت ایزدی کا مرقع ہے جس کا ذکر مجملاً اس موقع پر کیا گیا۔ اس کے ساتھ ضرورت اسکی بھی تھی کہ جس طرح احادیث مذکورہ سے ظاہر ہوا کہ حضور قبلۂ عالم کے مقدس لباس کا رنگ و روضع عیسیٰ ؑ کے مطہر لباس کے ہم شکل اور ہم رنگ تھا۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے بعض دیگر صفاتِ حمیدہ اور حالاتِ پسندیدہ سے حضور کے اخلاقِ حسنہ اور عاداتِ محمودہ کی بھی تطبیق کی جاتی اور وضاحت کے ساتھ دکھایا جاتا کہ ہمارے سرکارِ عالم پناہ کا زاہدانہ مشرب، عاشقانہ مسلک فرقِ انور پر گیسوئے مُعنبر سر دراز جن میں کبھی قینچی نہیں لگی۔ تقریباً ستر سال پا برہنہ سیاحت کرنا ابتلا میں تحمّل و استقلال۔ ثابت قدم اور پختہ خیال۔ ماسوائے یار تمام عالم سے دست بردار توکل پر تکیہ خدا پر بھروسا۔ تعلقاتِ دُنیا سے انقطاع قطعی۔ راضی برضائے حق۔ ہاتھ کے خالی دل کے غنی طبیعت غیور اور مزاج مستغنی۔ نمود و شہرت سے نفور۔ اقوال و افعال اثرات عشق سے معمور خلق اللہ کے ہمدرد۔ یار و اغیار کے یکساں خیر خواہ حلم وسیع اخلاق عمیم۔ راست بازی کی ہدایت محبت کی تعلیم۔ یہ ایسے مستحسن صفات ہیں جنکا آپ کے حالات و واقعات سے پُورا اظہار ہوتا ہے۔ اور جن میں خصائل و شمائل عیسوی کی نمایاں طور پر شان نظر آتی ہے۔ مگر افسوس طوالت کے خوف سے اس تشریح کو اخوانِ ملّت کی رائے پر چھوڑتا ہوں کہ بظاہر اپنی اپنی تحقیق و تدقیق کے موافق اور بہ باطن اپنی اپنی بافت اور نسبت کے مطابق وہ تطبیق و تنقید فرمالیں گے۔ لیکن میں اپنے خیال کی تعلید میں صرف اسی قدر وہ بھی مجملاً عرض کرتا ہوں کہ غور و تامّل کی نظر سے دیکھا جائے تو صاف نظر آتا کہ ہمارے محمود الصفات رہنما کی ذات بابرکات کو صورتاً اور سیرتاً عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص نسبت تھی کیونکہ حضور قبلۂ عالم کے حالات و عادات عیسیٰ علیہ السلام کے حالات و عادات سے بہت زیادہ مشابہ ہیں ۔

اب ایک شق اور ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی تصریح کردی جائے تاکہ ہمارا خیال خطرات کے تکدرات سے محفوظ رہے۔ وہ یہ کہ میں نے عرض کیا کہ حضور کے حالات و عادات عیسیٰ علیہ السلام کے حالات و عادات سے بہت مشابہ ہیں۔ اس سے یہ شبہ ہو کہ ولی کے حالات کو نبیؑ کے عادات سے مشابہت دینا خلاف آداب رسالت تو نہیں ہے۔

لہٰذا میرا یہ خیال نہ اصول تصوف کے خلاف ہے۔ نہ روایاتِ شرعیہ کے منافی ہے۔ چنانچہ مشاہیر حضرات صوفیہ نے بشرح وبسط ارقام فرمایا ہے کہ اولیائے اُمّتِ محمدؐ انبیاء سابقین کے قدم پر ہوتے ہیں۔ علاوہ اس کے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اصحاب کو انبیاء علیہم السلام سے مثال دی ہے مثلاً حضرت صدیقؓ اکبر و فاروقؓ اعظم کی نسبت فرمایا کہ تم حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور نوح خلیفۃ اللہ کے مثل ہو جس کے حقیقی معنی یہی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت نوحؑ کی فطرت پر تھے۔ لہٰذا یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ علمائے شریعت اور محققین ارباب طریقت کے اقوال سے ثابت ہے کہ اولیائے اُمّتِ محمدی علیہم السلام کی فطرت یا قدم پر ہوتے ہیں" اَوْلِیَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ۔

اور بعض محققین نے بجائے قدم کے قلب کی لفظ استعمال فرمائی ہے لیکن اس اختلاف لفظی کا تصفیہ امام شعرانی علیہ الرحمۃ نے کر دیا۔ اور اپنی کتاب "الیواقیت والجواہر" بیان مقام الوارثین للرسل من اولیاء کی بحث میں شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ کا یہ قول نقل فرمایا "اَنِ اطَّلَعَنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مَقَامَاتِ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ حَیْثُ کَوْنِیْ وَارِثًا لَّھُمْ اَنَّ مِنَ الْاَدَبِ اَنْ یُّقَالَ فُلَانٌ عَلٰی قَدَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا یُقَالُ اِنَّہٗ عَلٰی قَلْبِھِمْ اِذْ اَنَّ الْاَوْلِیَاءَ عَلٰی اٰثَارِ الْاَنْبِیَاءِ یَقْتَدُوْنَ وَلَوْ اَنَّھُمْ کَانُوْا عَلٰی قُلُوْبِ الْاَنْبِیَاءِ (ترجمہ) یعنی اللہ جل جلالہ نے مقامات انبیاء سے مجھ کو خبردار کیا۔ اس حیثیت سے کہ میں انکا وارث ہوں۔ یہ کہ بلحاظ

ادب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص انبیاء کے قدم پر ہے اور یہ نہیں کہتے کہ قلب انبیاء پر ہے اس لئے کہ اولیاء انبیاء کے قدم پر چلتے ہیں اگرچہ وہ ان کے قلب پر ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ اکبر کے اس ارشاد سے جو آپ کے انکشافات اور فتوحات میں ہے صاف ظاہر ہو گیا کہ اولیاء امتِ محمدی انبیاء علیہم السلام کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں اور جس ولی کو جس نبی سے خاص نسبت ہوتی ہو وہ ولی اس نبی کا وارث اور اسکی فطرت پر ہوتا ہے۔

لہذا یہ عرض کرنا بے محل اور خلاف اصول ارباب طریقت نہیں ہو کہ ہمارے سرکار عالم پناہ کو سیدنا عیسٰی علیہ السلام سے خاص مناسبت تھی۔ گو باطنی حالات و مقامات کا نہ ذکر کرونگا۔ اور در حقیقت نہ اس کا اہل ہوں۔ لیکن ظاہری عادات اور واقعات کو بھی اگر دیکھا جائے تو بیساختہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ حضور قبلہ عالم کے سوانح کو عیسٰیؑ کے حالات سے اسی طرح خاص مشابہت ہے جس طرح لباس اور رنگ لباس وارثی مشابہ ہر لباس اور رنگ لباس عیسوی سے ہو۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت وارث عالم پناہ کی ذات برکات یقیناً مجموعۂ آثار عیسوی اور مجسمۂ صفات روح اللّٰہی تھی۔

غرض یہی لباس جس کے رنگ اور وضع کا تھوڑی وضاحت کے ساتھ ذکر ہوا ہمیشہ سرکار عالم پناہ کے زیب جسم رہا۔ اور کبھی اور کسی خاص وجہ سے کبھی اس میں تغیر نہیں ہوا جس کو مخصوص حضرات احرام کہتے تھے۔ اور عرف عام میں آپکے اس لباس کا نام تہبند مشہور ہو گیا۔ جو ہمیشہ عقیدت شعار پیش کیا کرتے تھے۔ اور دستور یہ تھا کہ جس ارادت مند نے حضور کی خدمت میں تہبند پیش کیا آپ اسکو باندھ لیتے تھے۔ اور بہ مقتضائے زہد یا بطریق خرقہ تبرک اپنا تہبند اس کو دیدیتے تھے۔ یا کبھی نصف لانیوالے کو مرحمت ہوتا تھا اور دوسرا نصف ٹکڑا حاضرین یا مستحقین کو اسی وقت عنایت فرماتے تھے۔

اور تہبند باندھنے کا طریقہ یہ تھا کہ نصف حصہ جو ستر پوشی کے واسطے مخصوص تھا اس کو باندھ کر حضور اس کے عرض کو جھکر بغور ملاحظہ فرماتے تھے۔ اگر اسکی چوڑائی ٹخنہ سے نیچی ہوئی

تو بکمال اہتمام اس کو چاروں طرف کمر ہیں اس قدر اڑس لیتے تھے کہ ٹخنے کھل جاتے تھے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے تہبند سے ٹخنہ محجوب ہوا ہو۔ جو آپ کے جد امجد حضرت رسالت پناہ صلعم کی سنت ہے۔

علی ہذا یہی قاعدہ لحاف۔ رضائی۔ کمبل۔ دُھسا۔ دولائے وغیرہ لانے والے کے واسطے مقرر تھا کہ جب کبھی کسی حلقہ بگوش نے محبت کے جوش ہیں کوئی اوڑھنے کی چیز حضور قبلۂ عالم کے سامنے پیش کی۔ اور وہ خلاف وضع نہ ہوئی۔ تو آپ بطیب خاطر اسکو قبول فرماتے تھے۔ اور اپنے خاص اوڑھنے کی کوئی چیز اس کو مرحمت فرماتے تھے۔

اور عموماً آپ کے تہبند کے ساتھ رومال اور لنگوٹ بھی ہوتا تھا۔ اور رومال کا مصرف یہ تھا کہ پاپیادہ چلنے کے وقت آپ اس کو کمر سے باندھ لیتے تھے۔ اور بوقت استراحت داہنے ہاتھ میں لیکر رخسار کے نیچے رکھ لیتے تھے جس پر کچھ حصہ فرق انور کا ہوتا تھا اور بائیں ہاتھ کا پنجہ اکثر داہنے ہاتھ کی کلائی پر رہتا تھا۔ لیکن بعد میں رومال کا استعمال بوجہ ترک ہوگیا تھا اور بجائے رومال کے تقریباً دو گز تنزیب کا ٹکڑا رہنے لگا۔

آپ کا بستر خواب اسی طرح آپ کا بستر بھی زاہدانہ ہوتا تھا۔ چنانچہ معتبر حضرات سے منقول ہے کہ جب حضور قبلۂ عالم سفر حجاز سے واپس تشریف لائے تو علاوہ دیگر مجاہدات کے یہ بھی دیکھا کہ آپ زمین پر کمبل بچھا کر استراحت فرماتے تھے اور داہنے ہاتھ کو خم دے کر بجائے بالش کے فرق انور کے نیچے رکھ لیتے تھے۔ اس لئے کہ تکیہ متبرکات قطعی میں داخل تھا۔ اور اس کا استعمال ہمیشہ خلاف وضع سمجھا گیا لیکن بعد کو خدام نے بہ اصرار تمام گدا اور توشک بچھا دینے کی منظوری حاصل کی۔ اور شکوہ آباد کی علالت کے بعد چونکہ ضعف عرصہ تک رہا۔ اسی عرصہ میں ایک روز یہ صورت پیش آئی کہ حسب عادت بوقت استراحت سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر جو آرام فرمایا تو دست مبارک سُرخ ہوگیا۔ اور درد پیدا ہوگیا۔ اس وقت چند قدیم ارادتمندوں نے دست بستہ یہ عرض کیا کہ اس

طرح آرام فرمانے سے دست مبارک میں زخم ہو جانے کا احتمال ہے۔ اس واسطے ہماری درخواست ہے کہ پنجتن پاک کا واسطہ سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر آپ استراحت نہ فرمایا کریں حضور نے فوراً سر کے نیچے سے ہاتھ نکال لیا۔ اور فرمایا کہ اچھا اب نہ رکھیں گے۔

لیکن ہاتھ ہٹا لینے کے بعد سر اقدس کو جب ہموار فرش دیکھا تو سب کو خیال ہوا کہ یہ طرز استراحت اور زیادہ باعث تکلیف ہوگا پس وہی خدمتگزار پھر ملتمس ہوئے کہ سرکار آپ نے ہماری گزارش تو ضرور منظور فرمائی مگر اس انداز استراحت میں بھی تکلیف کی صورت نظر آتی ہے۔ اس لئے حضور اس قدر پرورش اور فرمائیں کہ تکیہ کا استعمال اگر شرعاً متروک ہے تو اس کے لئے ہم غلام اصرار نہ کریں گے۔ مگر منافی مسلک نہ ہو تو یہ اجازت ہو جائے کہ ایک رضائی تہ کر کے سرہانے رکھ دیں۔ اس پر سر اقدس ہا کرے۔ بظاہر اس میں مضائقہ بھی نہیں معلوم ہوتا اور ہم پرستاروں کا اطمینان ہو جائے گا۔

حضور نے فرمایا نہ اس طرح لیٹنے میں ہم کو تکلیف ہوتی ہے نہ رضائی سرہانے لگانے سے ہم کو راحت ہو گی۔ مگر تم اپنی نادانی سے ہماری تکلیف و راحت کے خیال سے پریشان ہو۔ اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو رضائی بھی سرہانے لگا دو۔

اس وقت سے خدام ایک رضائی تہ کر کے سرہانے لگا دیتے تھے مگر جس طرح چہل قدمی کرنا خدام کے اصرار سے منظور فرمایا۔ اور ایفائے وعدہ بھی فرمایا۔ مگر اس انداز سے کہ جس کو تجاہل عارفانہ کہتے ہیں کہ ہر قدم پر اس کی احتیاط کہ تدبیر کا دخل نہ ہو۔ اور تقدیر قضا و قدر کے آگے سر تسلیم خم رہے۔ اسی طرح سے رضائی سرہانے لگائی جاتی تھی۔ مگر حضور نے اس رضائی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ ہمیشہ سر اقدس اس کے نیچے کے حصہ پر اسی طرح رہتا تھا جس طرح ہاتھ پر رہا کرتا تھا۔

حضور نے اپنے بستر سے علاوہ استراحت فرمانے کے ایک عجیب کام اور بھی لیا ہے۔ وہ یہ کہ اگر کبھی کسی وجہ سے سائل کا سوال پورا کرنے میں خادم سے تھوڑا اوقفہ بھی ہوتا

پنجتنی خون کے اثرات سے ہمارے رہنمائے باسخا کو تحمل نہ ہوا۔ اکثر اپنا بستر اٹھا کر سائل کو دے دیا کیونکہ بجز ایک احرام اور ایک بستر کے آپکے پاس دنیا کی کوئی چیز رہتی نہ تھی۔

آپنے مکان نہیں بنایا معہذا بمقتضائے زہد کامل آپ نے رہنے کے لئے مکان کبھی نہیں بنایا۔ بلکہ جائداد زمینداری کے ساتھ آبائی مکان کو بھی جس کے مستقل مالک آپ تھے چودہ سال کی عمر سے اس طرح چھوڑا کہ پھر کبھی اس میں قدم نہیں رکھا حتی کہ ۱۳۱۱ ہجری میں اس مکان کی اُفتادہ اور غیر اُفتادہ زمین کو دیکھ کر مجھے بہ تقاضائے ارادت یہ خیال ہوا کہ ہم غلاموں کا فرض منصبی ہے کہ اس زمین کو بطور یادگار اس طرح مستحکم طریق سے محصور کیا جائے جس میں تھوڑی سی مکانیت بھی ہو اور صحن میں خوشبودار پھولوں کے درخت نصب کئے جائیں چنانچہ اس کے لئے کوشش کی جب وہ بے سود ہوئی اور زمین نہ ملی تو شیخ عنایت اللہ صاحب وارثی اور جسٹس سید شرف الدین صاحب وارثی بھی میرے ہم خیال ہو گئے اور چند مرتبہ مختلف عنوان سے پھر کوشش کی۔ مگر زمین کسی صورت سے نہ ملی۔

میرا یہ خیال اور بار بار کی کوشش میں عدم کامیابی کا مفصل حال جب کا عالم پناہ کو معلوم ہوا تو ایک روز مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم نے سید وارث کے مکان کی زمین حاصل کرنیکی بہت کوشش کی۔ اور نہال الدین نے نہیں دی۔ میں نے عرض کیا حضور ہاں ارشاد ہوا کہ ایک فقیر کامل کی بددعا ہے کہ جو شخص اس زمین پر چراغ جلائے گا۔ اس کا گھر بے چراغ ہو جائیگا۔ عرض کیا مجھے یہ بھی منظور ہے۔ لیکن اس زمین پر چراغ جلے۔ فرمایا تم کو معلوم نہیں کہ ہمارا یہ طریق ہے کہ جو چیز چھوڑ دیتے ہیں اس کو واپس نہیں لیتے۔ تم بھی اس کی فکر نہ کرو۔

حضور قبلۂ عالم کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکان کی جانب سے آپکو قطعاً احتراز تھا۔ شاید اس وجہ سے ۱۲۶۷ ہجری میں جب سفر حجاز سے آپ واپس تشریف لائے تو آپ نے مکان کی طرف رُخ بھی نہ کیا اور دائم علی شاہ کے مکان میں عارضی طور پر قیام فرمایا۔

یہ بھی منقول ہے کہ مسماۃ راجن کے مکان میں بھی اکثر حضور نے قیام فرمایا چنانچہ آپ نے اکثر فرمایا ہے کہ ہم راجن کے مکان میں تھے کہ رات کو ہماری اُنگلی میں سانپ نے کاٹ کھایا دیکھا تو کالا اور بہت پُرانا سانپ ہے۔ مگر ہم نے مارا نہیں۔ اور اُنگلی کو پانی سے دُھو ڈالا۔ صبح کو دیکھا تو وہی سانپ ہماری کوٹھری کے قریب بیٹھا ہے۔ لیکن اس قدر زخمی ہے کہ چل نہیں سکتا۔ ہم نے رحیم شاہ سے کہا کہ اس کو تالاب میں چھوڑ آؤ۔

بعدہٗ معروف شاہ صاحب نے جو اس وقت اکرم احمد کے نام سے مشہور تھے عرض کیا کہ بظاہر اس مختصر مکان میں آپکو تکلیف ہے۔ میرا ایک مکان بالکل علیحدہ اور آپ کے قیام کے واسطے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور قرینہ ہے کہ حضور کو پسند بھی ہوگا۔ اگر آپ اس مکان کو فرودگاہ بنائیں تو عین غلام نوازی ہوگی۔ آپ نے یہ عرضداشت منظور فرمائی اور اسوقت سے یہ دستور رہا کہ جب آپ دیوی شریف تشریف لاتے تھے تو اسی مکان میں قیام فرماتے تھے۔

عرصہ کے بعد جب مستقیم شاہ صاحب معہ اپنے اعزا کے مستقل قیام کی غرض سے دیوی شریف آئیں اور ان کے رہنے کے واسطے منشی ظہیر الدین صاحب وارثی وکیل ورئیس بارہ بنکی نے ایک خام مکان مگر ایسا وسیع بنوایا جس کے باہر کے حصہ میں مختصر جگہ ایسی بھی تھی کہ جب حضور قبلۂ عالم تشریف لاتے تھے تو اس میں قیام فرماتے تھے۔

پھر اسی مکان کے قریب راجہ سراندیپ سنگھ صاحب وارثی تعلقدار رام نگر ضلع بارہ بنکی نے ایک مکان تعمیر کرایا اور حضور کا قیام اس میں ہونے لگا جسکا حصار حاجی شیخ محمد اسمٰعیل صاحب وارثی رئیس ملیح آباد نے بنوایا اور باہر کا حصہ جسٹس سید شرف الدین صاحب رئیس پٹنہ بہار نے پختہ اور باہر کا حصہ جسٹس سید شرف الدین نے ۱۳۰۵ھ ہجری میں تعمیر کرایا۔ اور آخر زمانہ تک یہی مکان آپ کا قیام گاہ رہا اور آج بھی اسی جگہ حضور قبلۂ عالم آسودہ ہیں۔

الحاصل اس مختصر اور تاریخی صراحت سے ظاہر ہوگیا کہ حضور قبلۂ عالم نے اپنے قیام اور آرام کے واسطے مکان نہیں بنایا۔ بلکہ ہمیشہ سیر و سیاحت فرمائی۔ اسی معنی میں اکثر فرمایا ہے کہ

"ہم مسافر ہیں" اور تھوڑے تغیر الفاظ کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ "فقیر کا کوئی مکان نہیں اور سب مکان فقیر کے ہیں"۔

چنانچہ دیکھتے ہیں کہ اس ارشاد کے صحیح معنی اور حقیقی مفہوم کا تمام ہندوستان میں ظہور ہو کہ صدہا مکان آپکے نام نامی کے ساتھ منسوب ہیں۔ اور دُنیا ان کو وارثی منزل کہتی ہے بعض مواضعات اور متعدد باغات کو آپ کے اسم گرامی کے بدولت یہ شرف حاصل ہو کہ ان کا نام وارث نگر۔ وارث گنج۔ وارث باغ ہے۔

اور یہ تو علاوہ شہروں کے اودھ کے قریب قریب ہر موقع میں آپکے خدمتگزاروں نے کیا ہے کہ ایک حجرہ مخصوص طور پر ضرور تعمیر کرایا ہو۔ اور اسکو نیام گاہ وارثی کہتے ہیں اور جو بہت غریب اور ایسے مفلوک ارادتمند تھے جن کو حجرہ تعمیر کرانے کی استطاعت نہ تھی۔ اُنہوں نے اپنے مکان کی ایک کوٹھری ہی کو حضور کے نامزد کر دیا ہے۔

چنانچہ ان واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہو کہ خدا کی محبت میں حضور قبلۂ عالم نے اپنی عافیت کے لئے مکان نہیں بنوایا تو اس کا اثر یہ ہوا کہ من جانب اللہ یہ صورت پیدا ہوگئی کہ بغیر کسی تحریک کے ہزاروں مکان تعمیر ہوئے اور آپکے نام سے منسوب ہوکر دنیا میں مشہور ہوگئے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور قبلۂ عالم کا مکان نہ بنانے سے شاید عافیت کے خیال کو محو اور فنا کرنا۔ اور انقطاع کلّی کے جزئیات سے فرداً فرداً انفراغ حاصل کرنا منظور تھا۔ کیونکہ مسلک آپ کا عین عشق ہے۔ اور وادیٔ عشق کے منازل و مراحل طے کرنا تعبیر تجرید کامل ناممکن اور محال ہے۔ اور اتمام تجرید کی تعریف کا خلاصہ یہی ہے کہ ماسوائے اللہ سے دست بردار ہوکر ایک ذات سے سروکار ہو۔

آپکی تجرید کامل چنانچہ حضور قبلۂ عالم کے حالات و واقعات زبان حال سے شاہد ہیں کہ آپ کی تجرید کامل اپنی نظیر آپ ہے۔ اس لئے کہ وہ ضروریاتِ زندگی جن کا ہر انسان بہ تقاضائے بشریت یقینی محتاج ہے ان کے خیال کو بھی حضور نے محو اور فنا کر دیا تھا

مثلاً مکان چونکہ مقام عافیت ہے - اور اقتضائے فطرت یہ ہے کہ انسان عافیت کا متلاشی اور خواستگار رہو۔ مگر آپکی تجرید کامل نے بمصداق لَا یَمْلِکُ وَلَا یُمْلَکُ جس طرح جائداد زمینداری کا مالک و متصرّف ہونا گوارا نہ کیا - اور جملہ کاغذاتِ ملکیت تالاب میں ڈبو دی - بقول ایں دفتر بے معنی غرقِ مے ناب اولیٰ - اسی طرح اپنے قدیم مکان سے بھی دست بردار ہو کر ہمیشہ کے لئے مسافرت کی تکلیف برداشت کرنا اختیار فرمائی -

علیٰ ہذا غذا جو باعثِ بقا ہے - اور جس کے انتظام و اہتمام میں انسان شب و روز سرگرداں - اور پریشان رہتا ہے - کیونکہ حیات بشری اکل و شرب پر موقوف ہے - مگر حضور کی تجرید کامل نے ایسی ضروری اور لازمی چیز کے اہتمام و انصرام کو محافظتِ اوقات میں خلل انداز تصوّر فرمایا - اور چولھا بنانا مشرباً ممنوع گردانا - چنانچہ آپنے فرمایا ہے کہ "چولھے چکّی کا خیال مردانِ خدا نہیں کرتے"۔

الغرض جملہ اسباب آرام و راحت سے آپ نے احتراز کامل اور انقطاع قطعی فرمایا حتّٰی کہ مناکحت جو ہر قسم کی عافیت کا مجموعہ ہے - اس سے بھی حضور قبلہ عالم نے کلیتہً احتیاط فرمائی اور ہمیشہ غیر متاہل رہے - جیساکہ اکثر آپنے فرمایا ہو کہ "ہم لنگوٹ بند ہیں" اور بھی ارشاد ہوا ہے کہ "فقیر کو لازم ہے کہ اکنگ رہے" اور یہ بھی فرمایا ہو کہ "فقیر کو چاہیے کہ جورو بچوں کی محبت میں نہ پھنسے" یہ بھی متواتر ارشاد ہوا ہے کہ "زن - زمین - زر یہی جھگڑا ہے ان کو چھوڑے تو آزاد ہو" یہ بھی آپ کا قول ہے کہ "عورت فساد کا گھر ہے" یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "فقیر کو چاہیے کہ دنیا کی عورتوں کو اپنی ماں بہن سمجھے" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "ہم نے شادی نہیں کی"۔

چنانچہ سلف صالحین کے سوانح اور ملفوظات کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجردین کا بہت بڑا مرتبہ ہے کیونکہ محققین حضرات صوفیہ نے تجرید کے صفات بکمال وضاحت ارشاد فرمائے ہیں - اور یہ ثابت کیا ہے کہ تجرد عشق کا لازمی نتیجہ ہے -

اور اوراق تواریخ شاہد ہیں کہ ایسی ایسی ممتاز اور برگزیدہ ہستیوں نے مناکحت ومواصلت سے احتراز فرمایا جو صاحب مقامات عظمیٰ ہیں اور جن کے شرف واختصاص کا زمانہ معترف ہے۔

لیکن فضل تجرد وتاہل میں تھوڑا اختلاف ہے۔ اکثر حضرات تجرد کو افضل فرماتے ہیں بعض تزویج کو بہتر سمجھتے ہیں۔ اور ہر دو فریق اپنے اپنے مشرب کی آیات واحادیث سے تطبیق کرتے ہیں جس کو بقدر استعداد مفصل اور صراحت کے ساتھ "منہاج الحقیقیہ" جلد دوم میں نگارش کر چکا ہوں۔ لیکن اس موقع پر اسی قدر وضاحت نا موزوں معلوم ہوتی ہے لہذا بہ نظر اختصار مگر اسناد کے ساتھ صفاتِ تجرید اور مفاد تزویج کا مجملاً ذکر کرتا ہوں۔

مناکحت کا شرعی حکم مگر پہلے یہ خدشہ رفع کر دینا چاہیئے کہ عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مناکحت کی ترغیب روایاتِ شرعیہ میں ہے۔ پس اگر تجرید بہتر اور مفید ہوتی تو اربابِ شریعت تزویج کی تاکید اور ہدایت نہ فرماتے۔ اور نہ بزرگانِ دین متین متاہل ہوتے اس لئے احتراز مناکحت خلاف سنت ہے۔ اور وہ فعل جو خلاف سنت ہو عقلاً ونقلاً جائز نہیں۔

اس کی نسبت یہ عرض کروں گا کہ قانونِ شریعت میں جواز مناکحت ضرور ہے اور اس کے نفس جواز میں اسلام کے کسی فرقہ کو عذر نہیں۔ اور نہ اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ عالم اسباب کا قیام چونکہ زن ومرد کے ازدواج پر موقوف ہے۔ اس لئے مقتدر اور ممتاز حضرات نے اس کے مفاد کے لحاظ سے مناکحت فرمائی اور متاہل بھی ہوئے اس لئے تزوج اسلام کا جزو لاینفک ہو گیا۔ پس شریعت میں جواز مناکحت ضرور ہے لیکن وجوب مناکحت نہیں ہے۔ اس لئے جس طرح مناکحت ممنوع نہیں۔ اسی طرح تجرد بھی ممنوع نہیں ہو سکتا۔ اگر مناکحت کا حکم قطعی ہوتا تو تجرد اس کی ضد تھی۔ جس کی حمایت کو فسق وارتداد کہہ سکتے تھے۔

چونکہ مناکحت سے ترقی نسل مقصود ہے ۔مناکحت پر انسان کی صحت بھی موقوف ہے ۔مناکحت سے تمدنی اور اقتصادی معاملات بھی درست ہوتے ہیں ۔مناکحت سے عافیت کا انتظام وابستہ ہے ۔اور مناکحت سے فواحش کا سدباب ہوتا ہے ۔انہیں مصلحتوں سے شریعت میں مناکحت جائز ہوئی ۔اور ارباب شریعت نے اس کے جواز کا حکم عام دیا ۔اور مشاہیر اہلِ اسلام کا اس پر عملدرآمد رہا ۔

لیکن یہی مصالح اور مفاد پیش نظر رکھنے کے ساتھ یہ دیکھا جائے کہ وہ مقبولین بارگاہ احدیت جن کو نہ دُنیا سے سروکار نہ جو مفاد دُنیا کے خواستگار ۔بلکہ تعلقات دُنیا سے دست بردار ہو کر شوق وصلِ شاہدِ حقیقی میں اپنی ہستی سے بیزار ہوئے ۔اور بقول حضرت مولانا علیہ الرحمۃ ان کی یہ حالت ہوئی

ہر کہ را یا شد زیزداں کاروبار　　　یار آنجا یافت بیرون شد زکار

جب دُنیا اور اہلِ دُنیا سے ان کو تعلق نہ رہا ۔تو مفاد دُنیا کی جانب ان کا میلان کیونکر ہوتا ۔اور چونکہ تجرد ممنوع نہ تھا ۔اس لئے ان برگزیدہ ۔اور خدا رسیدہ ہستیوں نے مناکحت سے احتراز کیا ۔اور حالت تجرید میں وہ مردانِ خدا زندگی بسر کرتے رہے ۔

لہٰذا اس نگارخانۂ عالم میں ہر فردِ انسان وہی کام کرتا ہے جس کا وہ اہل ہے ۔یا دُوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ جس کام کے لئے مشیت ربّ العزّت نے اس کو پیدا کیا ہے ۔اس لئے وہ حضرات جن کی حالت کے لحاظ سے مناکحت مفید تھی وہ متاہل ہوئے اور جن کے مذاق و مشرب کے لئے تجرد لازمی تھا وہ مجرد اور آزاد رہے ہر دو فریق نے راہ ثواب اختیار فرمائی ۔اس واسطے عقلاً و نقلاً نہ اربابِ تاہل کا خیال مذموم ہے ۔اور نہ اہلِ تجرید کا فعل ممنوع ۔

لیکن مناکحت کا قطعی افضل ہونا اس وجہ سے ثابت نہیں کہ روایاتِ شرعیہ میں جس اہتمام کے ساتھ مناکحت کی ترغیب ہے ۔اسی قدر تکرار اس کی ترہیب میں مذکور ہے

چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ۔ احیاء العلوم باب آداب النکاح میں تحریر فرماتے ہیں کہ "اعلم ان العلماء قد اختلفوا فی فضل النکاح" ترجمہ فضیلت نکاح میں علماء کا اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ نکاح بہتر ہے تجرید سے بعض کا قول ہے کہ عبادت الٰہی کیلئے تنہائی یعنی تجرید بہتر ہے بعض کہتے ہیں کہ ہمارے اس زمانہ میں ترک مناکحت مناسب ہے۔

علیٰ ہذا شیخ شہاب الدین بن محمد سہروردی علیہ الرحمۃ عوارف المعارف۔ باب ششم فصل ششم۔ آداب تجرد و تاہل کی بحث میں ارقام فرماتے ہیں کہ اخبار نبوی و احادیث مصطفوی در فضیلت تجرد و تاہل متقابل و متعارض اند (مصباح الہدایت ترجمہ عوارف)

ایک مستند امام شریعت۔ اور ایک مقدس پیشوائے طریقت نے جب بالاتفاق لکھ دیا کہ فضل تجرد و تاہل میں علماء کا اختلاف ہے۔ تو ان محققوں کا ارشاد ہمارے اطمینان کے واسطے کافی تھا۔ لیکن اب اس کی بھی صراحت مختصر طور پر مناسب معلوم ہوتی ہے کہ فضل تجرد و تاہل میں علمائے عظام کا اختلاف کیوں ہے۔

لہذا وجہ اختلاف یہ ہے کہ خود روایات شرعیہ متعارض ہیں۔ چنانچہ پہلے قرآن پاک کی ان آیات کو دیکھنا چاہیے جو فضل تجرد و تزوج میں متقابل ہیں۔ مثلاً اللہ جل جلالہ نے سورۂ نساء میں فرمایا ہے کہ "فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ" (ترجمہ) جو عورتیں تم کو پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ پھر اس کے ساتھ رخصت بھی دی کہ چار بیبیاں تک کر سکتے ہو۔ اس آیت سے جواز مناکحت ثابت ہے۔

پھر دوسری آیت میں ارشاد ہوا کہ "وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً" (ترجمہ) تم سے پہلے ہم نے رسول بھیجے جن کی بیبیاں اور اولاد تھی۔ اس آیہ وافی ہدایہ میں تزوج کی صریح ترغیب ہے کہ مناکحت کو پیغمبران ماسلف کی سنت فرمایا۔ پس اس آیت سے تاہل کی فضیلت ظاہر ہے۔

لیکن اس حکیم مطلق نے نقائص تزوج سے بھی خبردار کر دیا۔ اور سورۂ تغابن میں

ارشاد ہوا کہ "اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ" (ترجمہ) تمہاری بعض بیبیوں اور اولادیں سے تمہاری دشمن ہیں۔ پس اُن سے پرہیز کرو۔ اور دوسری آیت میں فرمایا ہے "اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ" (ترجمہ) تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے۔ ان آیات کا مضمون صاف صاف ترہیب تزوج پر دلالت کرتا ہے۔

لہٰذا ظاہر ہو گیا کہ آیاتِ قرآنیہ میں تاہل کی ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی۔ جس طرح پیغمبروں کی مثال دے کر فضل تزوج کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح یہ بھی سمجھایا کہ بعض بیبیاں تمہاری دشمن ہیں ان سے پرہیز کرو۔ اور تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے۔ اور فتنہ کو "اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" فرمادیا۔

علیٰ ہذا حضرت سید المرسلین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تزوج و تجرد کی تعلیم میں اپنی اُمت کو مناکحت کی فضیلت سے بھی آگاہ کیا۔ اور اس کے ضرر اور نقصان سے بھی مطلع کر دیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ "اَلنِّکَاحُ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَقَدْ رَغِبَ عَنِّیْ" (ترجمہ) نکاح سنت ہے جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس نے مجھ سے اعراض کیا اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ" جس نے سنت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں ہے۔ یہ فضل تزوج کی عین دلیل ہے کہ حضرت نبی علیہ التحیۃ والتسلیم نے نکاح کو اپنی سنت فرمایا۔ جو ترغیب اُمت کے لئے کافی دلیل ہے۔

لیکن دوسری حدیث میں ترہیب تزوج بھی بصراحت مذکور ہے۔ چنانچہ منقول ہے "خَیْرُکُمْ بَعْدَ الْمِاَتَیْنِ رَجُلٌ خَفِیْفُ الْحَاذِ" (ترجمہ) دو سو برس کے بعد اچھا وہ شخص ہے جو خفیف الحاذ ہو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ "وَمَا خَفِیْفُ الْحَاذِ" "خفیف الحاذ" کس کو کہتے ہیں۔ "فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَّذِیْ لَا اَھْلَ لَہٗ وَلَا وَلَدَ" فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ خفیف الحاذ وہ ہے جو نہ زن و فرزند رکھتا ہو۔ یہ حدیث ارباب تجرید کی حمایت میں ہے۔

اور اس حدیث میں تو بغیر کسی تاویل و توجیہ کے مناکحت کی صریح ترہیب ہے کہ حضرت سید المرسلین نے فرمایا "مَا تَرَکْتُ بَعْدِیْ فِتْنَۃً اَضَرَّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ" یعنی بعد میرے بڑا فتنہ مردوں کے واسطے عورتیں ہیں۔

یہ حدیثیں ترک تزوج کی تعلیم سے مملو ہیں کہ حضرت مخبر صادق نے نقصانات مناکحت کو یوں سمجھایا کہ دو سو برس کے بعد خیر الناس آزاد اور اہل تجرد ہوں گے پھر صاف الفاظ میں ارشاد ہوا کہ میرے بعد مردوں کو بہت بڑا نقصان پہنچانے والی چیز ہے۔ وہ عورتیں ہیں۔

پس جس طرح آیاتِ قرآنیہ اور احادیث صحیحہ میں تاہل و تجرد کی ترغیب و ترہیب مساوی طور پر مذکور ہے۔ اسی طرح آثارات کے مطالعہ سے کبھی یہی صورت نمایاں ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "لَا یَتِمُّ نُسُکُ النَّاسِكِ حَتّٰی یَتَزَوَّجَ" یعنی عابد کی عبادت پوری نہیں ہوتی جب تک وہ متاہل ہو۔ یہ ارشاد نکاح کی ترغیب میں ہے۔

اور امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمۃ کا یہ قول نقل فرمایا "اَلْوَحِیْدُ یَجِدُ مِنْ حَلَاوَۃِ الْعَمَلِ وَفَرَاغِ الْقَلْبِ مَا لَا یَجِدُ الْمُتَاهِلُ" (ترجمہ) تجرید میں عمل کا ذائقہ اور دل کی فراغ اسقدر حاصل ہوتا ہے کہ متاہل کو نہیں ہوتا۔ پھر آپ یہی شہادت دیتے ہیں کہ "مَا رَأَیْتُ مِنْ اَصْحَابِنَا تَزَوَّجَ فَثَبَتَ عَلٰی مَرْتَبَتِهِ الْاُوْلٰی" یعنی اپنے یاروں میں کسی کو نہیں دیکھا کہ نکاح کرنے کے بعد اپنے مرتبہ پر ثابت رہا ہو۔

اور حسن بصری علیہ الرحمۃ کا یہ قول لکھا ہے کہ "لِمَنْ اَرَادَ اللّٰہُ خَیْرًا لَمْ یُبَتْلِهِ بِاَهْلٍ وَمَالٍ" کہ اللہ جل جلالہ کا کسی بندہ پر فضل ہوتا ہے۔ تو اسکو مال اور اہل و عیال میں مشغول نہیں کرتا۔ یہ ارشادات ترک مناکحت کی حمایت میں ہیں۔

غرض اس مختصر تصریح سے بخوبی واضح ہوگیا کہ فضل تزوج و تجرد متقابل و متعارض ہے۔ نہ ترغیب نکاح کو حکم عام و قطعی کہہ سکتے ہیں۔ اور نہ ترہیب مناکحت کو ترہیب صریح اور ترہیب مطلق کا درجہ حاصل ہے۔

لیکن حضرات محققین نے اس ظاہری تعارض کی کیسی تطبیق فرمائی ہے۔ اور نکتہ دیا ہے کہ نہ تزوج مفید عام ہے۔ اور نہ فضل تجرد میں تعمیم ہے۔ بلکہ بلحاظ موا قع اس کا حکم مخصوص ہے اور انسان کی حالت پر موقوف ہوتا ہے۔ اور چونکہ بشریت مختلف الحال ہے اس لئے بعض کے واسطے تزوج مناسب ہے۔ اور بعض کے واسطے تجرد اور نتیجہ دونوں کا واحد یعنی زہد و تقویٰ ہے۔ پس یہ تعارض بھی درحقیقت تعارض نہیں۔ بلکہ طریق خدا طلبی ہیں جو صورت مناسب حال متصور ہو وہ اختیار کیجائے ہر دو طریق ماجور اور اہل حق ہیں بلکہ تفعیل۔

نیست در عالم کہ رشتے سر براں نگاہ نیست   عالمے سرگشتہ ہست و ہیچ کس گمراہ نیست

چنانچہ صاحب عوارف المعارف نے اپنی مبسوط اور مدلل تحریر میں منشاء تعارض یہی بتا یا ہے فرمایا ہے کہ انسان کی حالت مختلفہ کے لحاظ سے تزوج و تجرد کا حکم ہوتا ہے۔ اگر کوئی مغلوب شہوت ہے اور قلت ضبط و صبر او ضعف تقویٰ کے باعث ممنوعات شرعیہ کے ارتکاب کا خوف ہو۔ اس کے لئے نکاح کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ اور جو شخص طالب صادق اور صاحب ارادت واثق۔ اور حصول مراد کے لئے سرگرم جستجو ہو۔ یا آشنا سیر و سلوک میں منزل مقصود کا خواہاں و کوشاں ہو اس کے واسطے تجرد و تفرد افضل ہے۔ اس کا حال بجنسہٖ طبیب حاذق کے نسخہ کا سا ہے ایک مریض کے لئے وہی دوا مفید ہے جو دوسرے کے لئے مضر ہے۔

لہذا ارباب طریقت نے طالب راہ حق کے واسطے چونکہ قطع علائق اور مجوعیال کو شرط سلوک اور لوازم سیر گردانا ہے۔ اور یہ مسلمہ ہے کہ تزوج سبب تقید ہے جو سریح فراغ قلب کے لئے حارج ہے جیسا کہ منوا تر متعدد نے فرمایا ہے

چنانچہ صاحب "سبع سنابل" نے سنبلہ سویم میں لکھا ہے کہ "وقتے جنید قدس اللہ سرہٗ رابعہ بصری را پیام داد کہ مارا نبرو جیت قبول کن" حضرت رابعہ نے باستدلال فرمایا کہ میخواہی کہ مشوش وقت من باشی۔ و از مشغولی خداوند تعالیٰ محروم گردانی و بخدمت خود مشغول کنی۔ جنید قدس سرہٗ شرمندہ شد۔ و ایں بیت خواند۔

آن زن کہ بہ ز ہزار مرد است توئی   و آن مرد کہ از زنے خجل ماند منم

اس لئے بہتر یہ ہے کہ اگر سالک مقاومت نفس پر قادر ہے تو جمعیت خاطر کو غنیمت جانے اور تعلقات زن و فرزند میں منغص و مکدر نہ ہو۔ جو یقینی حصول مراد کے لئے مفید طریقہ ہے۔ خصوصاً مشرب عشق میں تو مدار اسی پر ہے کہ ماسوائے اللہ سے انقطاع قطعی ہو۔ بلکہ ہستی شاہد حقیقی کی ہستی کے سامنے فنا۔ اور معدوم ہو جائے بقول ؎

عجب است با وجودت کہ وجود من بماند   تو بگفتن اندر آئی و مرا سخن بماند

اگر با رغبت لیلیٰ بخاطر رغبتے دارد   چوں مجنوں ذرہ باید شد ہم از خویش ہم از خویشاں

الغرض اس تصریح سے روایات شرعیہ کے تعارض کا شبہ تو قطعی جاتا رہا۔ اور معلوم ہو گیا کہ اطبائے امراض باطنی نے جس کے درد کا جو نسخہ مفید تھا۔ وہ اس کے واسطے تجویز فرمایا ہے مگر دوسرا خدشہ اور ہے وہ یہ کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ تجرد اصول اسلام کے منافی ہے اس لئے کہ حدیث صحیح موجود ہے "لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ" کہ رہبانیت اسلام میں نہیں ہے رہبانیت کے معنی وہ تجرد محض سمجھتے ہیں تو لازم ہوا کہ پہلے رہبانیت کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی صراحت کیجائے۔ کیونکہ اس حدیث میں رہبانیت کی صریح ممانعت ہے اگر رہبانیت کے معنی محض تجرد ہیں۔ تو واقعی تجرد منافی اسلام ہے۔

لہذا لغت میں رہبانیت و رہبان کے معنی ترسیدن اور ترسندہ کے ہیں۔ تو یہ لغوی معنی عقلاً و نقلاً اصول اسلام کے منافی نہیں معلوم ہوتے۔ کیونکہ خوف الٰہی فعل محمود ہے نہ مذموم۔ اور صاحب صراح اور برہان نے لکھا ہے کہ عرف میں رہبان عابدان ترسا اور

زاہدان نصاریٰ کو کہتے ہیں۔ کہ پرہیزگاری کی وجہ سے وہ تارک لذات ہوتے تھے اس لئے وہ رہبان کے لقب سے مشہور ہوگئے تو ایک حد تک یہ عرفی معنی بھی مذموم نہیں ہیں۔ کیونکہ زاہدان نصاریٰ کا تارک لذات اور گوشہ نشین ہونا روایات شرعیہ سے مستحسن ثابت ہے۔

چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن مسعود سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں بہتّر فرقے ہوگئے ان میں صرف تین فرقے ناجی ہوئے کہ جب سلاطین نصاریٰ نے باقتضائے حکمرانی انجیل میں تحریف کی تو دو فرقے صبر کے ساتھ لڑے اور مارے گئے اور دونوں نے نجات پائی۔ لیکن تیسرے گروہ کو مقابلہ کی قوت نہ تھی۔ وہ پہاڑوں اور جنگلوں میں رہنے لگا۔ اور اس نے تعلقات دُنیا کو قطع کیا۔ اور لذات مباح کو ترک کر کے مجاہدات شاقہ میں مصروف ہوا۔

علیٰ ہذا دُوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ملوک نصاریٰ نے توریت و انجیل میں تحریف کی۔ اور مومنین سے کہا کہ تمہاری وجہ سے ہمارے احکام باطل قرار پاتے ہیں۔ اگر مثل ہمارے قرات نہ کرو گے تو قتل کئے جاؤ گے۔ وہ گوشہ نشین ہوگئے۔ اور بعض جنگلوں میں مسکن گزیں ہوئے۔

ان روایات سے ظاہر ہوا کہ وہ صاحب تجرید زاہدان نصاریٰ ناجی تھے اور ان کا شمار مومنین میں تھا۔ بلکہ صاحب "گلشن راز" انہیں عابدوں کی تمثیل دے کر طالب راہِ حق کو ہدایت فرماتے ہیں۔

محیلی شو زہر قید و مذاہب　　در آ در دیر دین مانند راہب

لیکن انہیں زاہدان نصاریٰ کی تقلید جب عابدان مبتدع نے کی تو ان کی غلط کاری سے رہبانیت کی عجیب صورت ہوگئی۔ اور اس کا شفاف چہرہ گرد نقائص سے

غبار آلود ہو گیا۔ کہ قدیم رہبان تو ریاضت و مجاہدات میں جمعیت خاطر کے لئے لذات نفسانیت سے اعراض اور تعلقات دُنیوی سے احتراز کرتے تھے۔ مگر ان کے مقلدین کی جدت پسند طبیعت نے رہبانیت کی محمود شکل مذموم کر دی کہ مقاومت نفس کی تو ان کو قدرت نہ تھی۔ اور ترک ازدواج کو رہبانیت کا رسم ضروری جانتے تھے۔ اور رہبان ہونے کا شوق تھا۔ اس لئے وہ آلہ مردانگی قطع کرنے لگے تا کہ تجرد قائم رہے اور ہماری رہبانیت میں فرق نہ آئے۔ پس اس وقت سے رہبانیت کے معنی مذموم ہو گئے۔

چنانچہ اللہ جل جلالہ نے سورہ حدید میں اس واقعہ کو بکمال صراحت ارشاد فرمایا کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا۔ اور ان کو انجیل دی اور وَجَعَلْنَا فِی قُلُوبِ الَّذِینَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ط وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ٥ (ترجمہ) انکے تابعین کے دلوں میں نرمی اور مہربانی اور خدا پرستی پیدا کر دی۔ ہر چند رہبانیت ان پر واجب نہیں تھی۔ مگر رضائے الہٰی کی غرض سے اُنہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ اور اکثر انمیں نافرمان تھے۔

اس آیہ کریمہ سے بغیر کسی تاویل کے صاف ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت پر رہبانیت واجب نہ تھی۔ مگر رضائے الہٰی کے واسطے جب اُنہوں نے اختیار کی۔ تو اللہ عزاسمہ نے اُن کو اجر عطا فرمایا۔ البتہ جب اس مستحسن فعل میں مذموم ابتداع کی گئی۔ اور اختصاء ہونے لگا۔ تو اس ارتکاب کبیرہ سے وہ نافرمان سمجھے گئے۔ اور حدیث نبوی کا اسی رہبانیت مبتدعہ کی جانب اشارہ ہے کہ "لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ" یعنی حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اپنی اُمت کو آگاہ فرمایا کہ ایسی رہبانیت اسلام میں ممنوع ہے۔ کیونکہ ضبط خواہشات نفسانیت کا نام ترک لذات ہے اور جس خواہش کا قطعی مادہ نہ ہو۔ وہ ہرگز ضبط و صبر و زہد میں داخل نہیں ہے۔ اور نہ اس کا ترک و امساک مفید اور سود مند ہو سکتا ہے۔

بلکہ مولانا جلال الدین رومی قدس اللہ سرہ نے بھی حدیث لَا رُھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ کی شرح یہی فرمائی ہے۔ اور اپنی مثنوی کے دفتر پنجم میں لکھا ہے۔

چوں عدو نبود جہاد آمد محال   شہوت ار نبود نباشد امتثال

صبر نبود چوں نباشد میل تو   خصم چوں نبود چہ حاجت خیل تو

ہیں مکن خود را خصی رہبان مشو   زانکہ عفت ہست شہوت را گرد

مولانا علیہ الرحمۃ نے رہبانیت کے اصطلاحی معنی سے خبردار کر دیا۔ اور اس کے نقائص سمجھا کر یہی ہدایت فرمائی "جو لَا رُھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ کا حقیقی مفہوم ہے کہ "ہیں مکن خود را خصی رہبان مشو" اس سے ظاہر ہو گیا کہ عرف میں رہبان خصی کو کہتے ہیں۔ اسی رہبانیت مبتدعہ کی ممانعت میں سرکار رسالت کا یہ حکم صادر ہوا کہ لَا رُھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ" یعنی خصی ہونا شریعت میں قطعی ممنوع ہے۔

چنانچہ مولانا علیہ الرحمۃ کے اشعار مذکورہ کی شرح میں بحر العلوم مولوی عبدالعلی صاحب فرنگی محلی ارقام فرماتے ہیں۔ "رہبان متعبدان نصاریٰ را میگویند۔ وایشاں مجاہدہ عظیمہ میکردند واز نکاح خود را باز داشتند وچوں خائف وقوع در گناہ می شدند۔ خود را خصی میکردند۔

مولانا بحر العلوم علیہ الرحمۃ نے بھی "لَا رُھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ" کا وہی مفہوم ارشاد فرمایا کہ رہبانیت سے رہبانیت مبتدعہ مراد ہے۔ جو شریعت اسلام میں ممنوع ہے۔

غرض اس تصریح سے رہبانیت کے معنی بخوبی ظاہر ہو گئے۔ کہ پہلے زاہدان نصاریٰ بغرض مجاہدہ تجرد اختیار کرتے تھے۔ مگر بعد کے رہبان رسمی کو جب ضعف تقویٰ کے باعث وقوع گناہ کا خطرہ ہوا۔ تو آلہ مردانگی قطع کرنے لگے۔ اور حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اسی فعل مذموم کی ممانعت فرمائی۔ کیونکہ یہ مسلّمہ ہے کہ بہیئت یا وسیلہ وتصنع جسم کا کوئی حصہ قطع و بیکار کرنا شریعت اسلام میں قطعاً ممنوع اور مذموم

لیکن جس طرح شریعت اسلام میں رہبانیت مبتدعہ ممنوع ہے۔ اسی طرح علمائے شریعت اور مقتدائے طریقت کا اتفاق ہے کہ مقاومت نفس و ضبط خواہشات مستحسن۔ اور سلف صالحین کی خاص تائید ہے۔ اس لئے مصنوعی اور بدعت آمیز رہبانیت اور چیز ہے اور ترک و تجرید اور چیز ہے امتناع رہبانیت سے ترک و تجرید کی امتناع نہیں لازم آتی۔ بلکہ بقول حضرات صوفیہ اگر طالب راہ حق کو ضبط خواہشات پر قدرت ہو تو اس کے واسطے تجرید مناسب اور مفید ہے۔ کہ حصول مراد کی جد و جہد میں فراغ قلب اور جمعیت خاطر لازمی ہے۔ اور جمعیت خاطر تجرید اور انقطاع تعلقات پر اکثر منحصر ہے۔

اس تصریح سے تجرید مستحسن۔ اور رہبانیت مبتدعہ کا فرق۔ اور دونوں کی ماہیت اور حقیقت کماحقہ ظاہر ہوگئی۔ اور معلوم ہوگیا کہ تجرد اور رہبانیت کے معنی مرادف اور متحد نہیں ہیں۔ بلکہ جس رہبانیت کا حدیث لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ میں اشارہ ہے وہ خصی شدن و خود را خارج از مردانگی کردن ہے۔ اور مجاہدات کے لئے قطع علائق و محو عوائق۔ اور بکمال ضبط و استقلال تجرید و تفرید پر صابر اور قانع رہنا یقینی مستحسن اور محمود ہے ورنہ سلف صالحین و مشاہیر حضرات صوفیہ تجرید و تفرید پسند نہ فرماتے۔

مگر تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر ایسے ارباب طریقت اور صوفیائے باعظمت گزرے ہیں جن کے تجرد و تقدس کا زمانہ معترف ہے۔ اور جس طرح وہ اپنے اپنے وقت میں طریقت کے مقتدا و رہنما تھے۔ اسی طرح خلق ان کو شریعت کا امام اور پیشوا سمجھتی تھی وہ خود مجرد تھے۔ اور انہوں نے تجرید کے مفاد اور برکات بیان فرمائے ہیں جس کا ذکر کتب معتبرہ میں بکمال صراحت منقول ہے۔ جس کی تفصیل کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں۔ مگر تمثیلاً چند مشاہیر اہل تجرید و تفرید کے نام نامی درج ذیل کرتا ہوں جس کے مطالعہ سے ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ تجرید و تفرید کے حامی کیسے کیسے برگزیدہ اور خدارسیدہ حضرات ہیں۔

چنانچہ صاحب ایمان و ایقان مولانا عبدالرحمن صوفی لکھنوی علیہ الرحمۃ نے ازدواج نہیں فرمایا۔ ہمیشہ آزاد و مجرد رہے۔

واقف اسرار خفی و جلی حضرت شاہ غلام علی مجددی خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید علیہ الرحمۃ جو مجموعہ تجرد و تقدس تھے۔ اور اتباع سنت رسالت میں وہ نمونہ تھا کہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنے مکتوبات میں آپکو قیم دین احمدی لکھا ہے۔ وہ تجرد کے حامی تھے اور خود مجرد رہے۔ اور آپکے ملفوظات میں ہے کہ نکاح کا ذکر آیا تو فرمایا کہ "صوفی را نکاح کردن نشاید" پھر اس کی تشریح فرمائی کہ "صوفی را ترک و تجرید و گردانی از دنیا و انحراف از ماسوئے اللہ و خلوت و دوری از اغیار باید کرد۔ نکاح مانع این چیزہاست"۔

سیر الاولیا اور اخبار الاخیار میں منقول ہے کہ مولانا تاج الدین علیہ الرحمۃ، حضرت امیر حسن علاء سنجری علیہ الرحمۃ۔ مولانا فخرالدین علیہ الرحمۃ۔ مولانا وجیہ الدین پائلی علیہ الرحمۃ مولانا شمس الدین علیہ الرحمۃ۔ مولانا بہاؤ الدین جونپوری علیہ الرحمۃ۔ حضرت شیخ علم الدین علیہ الرحمۃ۔ شاہ قمیص علیہ الرحمۃ۔ مولانا سراج الدین علیہ الرحمۃ۔ خلفائے حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ تجرید کے حامی تھے۔ اور لکھا ہے کہ در ترک و تجرید در زمان خود مثل نداشت۔

حضرت محبوب الٰہی نظام الحق والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز جن کے فیوض و برکات کے چشمے جاری ہیں وہ حصور تھے کہ آپ کا دامن تجرید تکدرات ازدواج سے آلودہ نہیں اور تجرید کی حمایت فرمائی چنانچہ صاحب "سیر الاولیا" نے لکھا ہے کہ اہل ارادت نے دریافت کیا کہ مجرد رہنا بہتر ہے یا متاہل۔ ارشاد ہوا کہ مجرد رہنا عزیمت ہے اور تاہل کی بھی رخصت ہے۔

حضرت مخدوم شیخ سعدالدین خیرآبادی علیہ الرحمۃ کبھی متاہل نہیں ہوئے۔ اور ہمیشہ مجرد اور آزاد زندگی بسر کی (اخبار الاخیار)

حضرت مخدوم شاہ مینا علیہ الرحمۃ بھی حصور تھے۔ یعنی نکاح نہیں کیا اور تمام عمر

مجرد اور آزاد رہے چنانچہ صاحب اخبار الاخیار نے لکھا ہے "او صاحب ترک و تجرید بود"۔

یہ تمثیلاً ہندوستان کے چند مشاہیر حضرات صوفیہ کے اسمائے گرامی نگارش کئے جن میں کوئی مقتدائے خلق کوئی مخدوم الملک ہے۔ اور جن کے تصرفات سے اہل ہند مستفیض ہیں۔ اور جس طرح زمانہ ان کے تقدس باطنی کا معترف ہے۔ اسی طرح علوم ظاہری میں ان کا تبحر و کمال دنیا کو معلوم ہے۔ مگر یہ برگزیدۂ خدا جب مجرد اور آزاد رہے۔ تو تجرد۔ فضل تجرید کے لئے کافی دلیل ہے۔ اور طالبانِ طریق کے واسطے مستند مثال ہے۔

علاوہ ان کے اگر ہندوستان کے باہر ممالک اسلام میں سلف صالحین کے حالات کو دیکھا جائے تو حضرات صوفیائے کرام کا وہ مقدس اور ممتاز طبقہ جن کا جلیل القدر محققین میں شمار ہے۔ اور جن کے علوی مرتبت کا ائمہ شریعت نے بالاتفاق اقرار کیا ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں اکثر مجرد اور آزاد رہے۔ اور تجرید کا فضل بیان کیا اور اپنے مقتدین کو تجرد کی ہدایت فرمائی۔

چنانچہ سید ابراہیم متبولی علیہ الرحمۃ جو قاہرہ کے مشہور صوفی۔ اور صاحب دوائر کبریٰ تھے۔ وہ برگزیدۂ خدا مجرد۔ اور تجرید کے حامی تھے جن کے تذکرہ میں امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ طبقات الکبریٰ میں لکھتے ہیں "وَکَانَ سَیِّدِی اِبْرَاھِیْم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مُبْتَلٰے بِالْاِنْکَارِ عَلَیْہِ مِنْ کَوْنِہٖ لَمْ یَتَزَوَّجْ" کہ سید ابراہیم نکاح نہ کرنیکے باعث لوگوں کے انکار میں مبتلا ہوئے۔

سید یوسف عجمی کورانی علیہ الرحمۃ جن کے مصر میں لاتعداد مرید تھے۔ اور شیخ نجم الدین محمود اصفہانی اور شیخ بدرالدین حسن تشتیری کا خرقہ آپ کو ملا تھا۔ یہ بھی آزاد اور مجرد تھے۔ جیسا کہ صاحب طبقات الکبریٰ نے لکھا ہے "وَکَانَتْ طَرِیْقَتُہُ التَّجْرِیْدَ" یعنی آپ کا طریقہ مجرد رہنا تھا۔

شیخ ابوالحجاج اقصری علیہ الرحمۃ بھی مصر کے مشہور خدارسیدہ اور صاحب تجرید

صوفی تھے جن کے حالات میں امام شعرانی نے طبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ کَانَ جَلِیْلَ الْقَدْرِ کَبِیْرَ الشَّانِ کَانَ مُجَرَّدًا (ترجمہ) جلیل القدر کبیر الشان مجرد تھے۔

حضرت فریدالدین عطار علیہ الرحمتہ نے تذکرۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ مشہور صوفی حضرت محمد سماک علیہ الرحمتہ زاہد کامل اور عابد متدین اور مجرد تھے۔

ابو اسحاق ابراہیم بن اسمٰعیل خواص علیہ الرحمتہ کا قول ہے کہ "آفَۃُ الْمُرِیْدِ ثَلَاثَۃٌ حُبُّ الدِّرْھَمِ وَحُبُّ النِّسَاءِ وَحُبُّ الرِّیَاسَۃِ" (ترجمہ) مرید کے لئے تین آفتیں ہیں روپیہ کی محبت۔ عورت کی محبت۔ اور سرداری کی محبت (طبقات الکبریٰ)

ابو اسحاق ابراہیم ہروی علیہ الرحمتہ بھی مجرد تھے۔ چنانچہ طبقات الکبریٰ میں ہے کَانَ مِنْ اَھْلِ التَّوَکُّلِ وَالتَّجْرِیْدِ" (ترجمہ) وہ متوکل اور اہل تجرید تھے۔

ابو اسحاق ابراہیم داؤد قصار علیہ الرحمتہ جو ملک شام کے مشہور صوفی اور صاحب فیض و برکات بزرگ تھے۔ اور ابو القاسم جنید علیہ الرحمتہ کی صحبت پائی تھی۔ وہ بھی مجرد تھے (طبقات الکبریٰ)

ابو عبداللہ بن اسمٰعیل مغربی علیہ الرحمتہ نے تجرید کی حمایت میں فرمایا "بَلْ ذَرَّۃٌ مِنْ عَمَلِ الْفَقِیْرِ الْمُجَرَّدِ اَفْضَلُ مِنَ الْجِبَالِ مِنْ اَعْمَالِ اَھْلِ الدُّنْیَا" (ترجمہ) فقیر مجرد کا ذرہ بھر عمل۔ اہل دنیا کے پہاڑ برابر عمل سے بہتر ہے۔

ابو یعقوب یوسف بن حسین رازی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں "رَأَیْتُ فِیْ اٰفَاتِ الصُّوْفِیَّۃِ وَاَیُّھَا فِیْ مُعَاشَرَۃِ الْاَضْدَادِ وَالْمَیْلِ اِلَی النِّسْوَانِ (ترجمہ) صوفیوں کو دیکھا کہ اضداد کے ربط اور عورتوں کی طرف میلان میں مبتلا تھے یہیں (طبقات الکبریٰ)

ابو سلیمان داؤد بن نصیر طائی علیہ الرحمتہ جو زہد و ورع میں مشہور اور غیر متاہل بزرگ تھے۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ چونسٹھ ۶۴ سال تجرد میں زندگی بسر کی (طبقات الکبریٰ)

اور ابو نصر بشیر بن الحارث علیہ الرحمتہ بھی کامل مجرد تھے جن کے حالات میں شیخ

شہاب الدین بن محمد سہروردی علیہ الرحمتہ نے "عوارف المعارف" میں۔ اور امام شعرانی علیہ الرحمتہ نے "طبقات الکبریٰ" میں لکھا ہے کہ کہا گیا کہ لوگ الزام دیتے ہیں کہ آپ نے سنّت نکاح کو ترک کیا" فَقَالَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اِنِّیْ مَشْغُوْلٌ بِالْفَرْضِ عَنِ السُّنَّۃِ یعنی فرمایا ان سے کہدو کہ ہنوز ادائے فرض میں مشغول ہوں۔ اس وجہ سے ادائے سنّت کی فرصت نہیں۔

حضرت فریدالدین عطار قدس سرہٗ نے تذکرۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد طائی علیہ الرحمتہ بھی آزاد اور غیر متاہل تھے۔

اور حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی علیہ الرحمتہ بھی صاحب تجرید تھے۔ چنانچہ صاحب سیر الاولیاء نے لکھا ہے کہ "آنحضرت سالہا در سفر و حضر ملازم پیر روشن ضمیر خود بودہ و زن نداشت۔"

حضرت ابراہیم ادہم علیہ الرحمتہ نے ترک تعلق کے بعد تجرید کی حمایت فرمائی چنانچہ خانوادہ ادہمیان جملہ مجرد تھے جیسا کہ صاحب "مراۃ الاسرار" نے لکھا ہے کہ "ادہمیان مجرد و مسافر باشند و ذکر جلی بسیار گویند۔"

علیٰ ہذا حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمتہ کے ارادتمند اہل ترک و تجرید تھے۔ چنانچہ صاحب "مراۃ الاسرار" نے لکھا ہے "عیاضیان ہمیشہ مسافر و تنہا و مجرد می بودند و زن و خانہ نمی کردند۔"

اور خانوادہ ہبیریان کی نسبت صاحب "مراۃ الاسرار" لکھتے ہیں کہ "ہبیریان در شہر و قریہ مسکن نمی کردند روز و شب با وضو در بیابان مجرد می بودند۔"

صاحب "مراۃ الاسرار" نے حضرت خواجہ حبیب عجمی علیہ الرحمتہ کے خانوادہ کی نسبت بھی لکھا ہے کہ "عجمیان اکثر در کوہ ہا سکونت داشتند و مجرد بودند۔"

امام شعرانی علیہ الرحمتہ نے "طبقات الکبریٰ" میں لکھا ہے کہ مطرف ابن عبداللہ علیہ الرحمتہ

کا قول ہے کہ جس نے عورتوں اور لذیذ غذاؤں کو ترک کیا۔ اس سے کرامت ظاہر ہونا لازمی ہے۔

حضرت مالک دینار علیہ الرحمۃ کے حالات میں صاحب "تذکرۃ الاولیا" نے بکمال صراحت تحریر فرمایا ہے کہ ممدوح الشان نے مناکحت سے احتراز کیا۔

سعید بن المسیب علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ "مَا شَیْءٌ اَخْوَفُ عِنْدِیْ مِنَ النِّسَاءِ" (ترجمہ) میرے خیال میں عورتوں سے زیادہ کوئی چیز خوفناک نہیں ہے (طبقات الکبریٰ)

الغرض بعض مستند کتابوں سے جن کی صحت کا سب کو اعتراف ہے یہ مختصر فہرست نگارش کی جس میں عرب و عجم کے چند ایسے مقتدر و ممتاز حضرات صوفیائے کرام و اولیائے عظام کے اسمائے گرامی درج ہیں جو اپنے اپنے وقت میں شریعت و طریقت کے امام و مقتدا۔ اور احکام حضرت احدیت کے مطیع۔ اور سُنّت رسالت کے متبع تھے۔ بلکہ بعض تابعین کے نام نامی بھی اس میں موجود ہیں جن کو قرن اولیٰ کا فضل حاصل ہے۔ اور یہ برگزیدۂ خدا مجرد اور آزاد اور تجرید کے حامی تھے جس سے معلوم ہو گیا کہ رضائے الٰہی کے لئے تجرید بھی مستحسن ہے اور "لَا رُھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ" میں جس رہبانیت کی امتناع ہے۔ وہ رہبانیت مبتدعہ یعنی خصی شدن ہے۔ اور اگر تجرید مستحسن اور رہبانیت مبتدعہ کی تعریف بالمعنی مرادف اور متحد ہوتی تو یہ رہنمائے دین متین تجرد کبھی نہ اختیار فرماتے۔

اس سے زیادہ فضل تجرد کے واسطے یہ دلیل ہو کہ ان حضرات صوفیہ کے علاوہ اکثر اصحاب رسالت مآب جو سابق الایمان ہیں۔ اور "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" جن کی شان میں ہے۔ اور اتباع سُنّت رسالت میں جو بکمال خضوع و خشوع تمام عمر مصروف رہے۔ اس مقدس جماعت میں بعض افراد نے رضائے الٰہی کے واسطے تجرید و تفرید اختیار فرمائی۔ اور مجرد و آزاد رہے۔ مثلاً پروانۂ شمع جمال احمدی حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ۔ جو عہد رسالت مصطفوی کے مشہور زاہد اور عابد اور متقی اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ اور کسل تمام بلیغ کے ساتھ حضور

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا خرقہ مبارک ان کو تفویض فرمایا۔ ان کے مقدس حالات دیکھنے کے بعد اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ بالکل زاہدانہ زندگی بسر فرمائی۔ چنانچہ صاحبِ طبقات الکبریٰ نے آپ کا یہ قول نقل فرمایا ہے اَلسَّلَامَۃُ فِی الْوَحْدَۃِ جس کا ترجمہ حضرت فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ نے "تذکرۃ الاولیا" میں یہ فرمایا ہے۔ سلامت در تنہائی است۔ و تنہائی آن بود کہ فرد بود۔

علیٰ ہذا اصحابِ صفہ۔ جن کی رفعت و عظمت کا آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ صحیحہ میں بصراحت ذکر ہے اور تاریخ کے صفحات زبانِ حال سے شاہد ہیں کہ یہ مردانِ خدا تمام عمر زہد و ورع صبر و شکر میں ہمہ تن مصروف رہے۔ اور یہ سچے ایماندار رضائے الٰہی کے طلبگار۔ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شیفتہ اور جاں نثار تھے۔ اور یہ اقتضائے حقانیت برگزیدہ متوکلین تعلقاتِ عالم سے محترز۔ اور دُنیا و اسبابِ دُنیا سے قطعاً بے سروکار رہے۔ ہمیشہ خوفِ الٰہی سے لرزاں مسجد نبویؐ کے صفہ میں یہ فقرائے مہاجرین تنہا اور مجرد رہتے تھے جنکی تجرید کی نسبت صاحبِ "مراۃ الاسرار" نے یہ لکھا ہے کہ قومی بودند در مدینہ۔ از ارباب فقر و ورع مستقیم بر قدم توکل و تجرد۔ ہر کدام غیر از شغل مع اللہ بکارے و کسے بستہ راز نمیکردند۔ و در بیگانہ سکونت داشتند۔

اور ابن حجر نے بھی تجرد اہل صفہ کی تصدیق کی ہے۔ اور سیوطی علیہ الرحمۃ نے حاشیہ صحیح بخاری میں حلیہ ابو نعیم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ صفہ مسجد نبویؐ کے آخر میں ایک مکان تھا جو ان فقراء کے لئے بنایا گیا تھا جن کی کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ اور نہ وہ متاہل تھے۔

لیکن تعداد اہل صفہ میں اختلاف ہے۔ بہر کیف تعداد جو کچھ ہو۔ اور ان میں کل یا جس قدر بھی مجرد اور آزاد ہوں۔ مگر یہ مسلّمہ ہے کہ قرنِ اوّل بلکہ خاص مہاجرین میں مجردین کا وجود ضرور تھا۔ اور اصحاب کی وہ مقدس جماعت جسکو سابق الایمان ہونیکا شرف و اختصاص حاصل ہے۔ اس کے بعض افراد ترکِ تزوج فرماتے تھے۔ اور ان کے معاصرین جو اہل

تزوج اور متاہل تھے۔ وہ ان مجردین کا احترام کرتے تھے۔ اور شارع عظیم نے ان کے تجرد کا انکار نہیں فرمایا پس فضل تجرد کے واسطے یہ کافی دلیل ہے۔ اس لئے کہ اصحاب رسالت مآب کا ترک تزوج فرمانا جب ثابت ہے۔ اور حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے بھی ان کا مجرد رہنا قبول اور منظور کر لیا تو یہ خدشہ کہ تجرد منافی اسلام ہے۔ بالکل جاتا رہا۔ اور ظاہر ہو گیا کہ اگر مطلق تجرید کی امتناع ہوتی تو اصحاب رسالت مآب جو کہ متعین شریعت کے ملجا و ماوی ہیں۔ ایسی صریح امتناع کا ارتکاب نہ فرماتے۔ اور معاذ اللہ اگر ایسے قبیح اور ممنوع فعل کا ان سے وقوع ہوتا تو عالم اسلام میں ان کا وقار و تقدس برقرار نہ رہتا۔ اور نہ سلف صالحین میں وہ شمار کئے جاتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اور آجتک ان کا نام اسی عظمت و احترام کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ بلکہ اس قطع علائق سے ان کے اعزاز میں خاص امتیاز دیا گیا اور ان کی تجرید ان کے علوی مرتبت کی دلیل سمجھی گئی جتی کہ شارع عظیم نے اپنے اکرام انعام میں اضافہ فرمایا کہ قریب مسجد ان کے واسطے صفہ بنایا گیا۔ اور یہ عزت افزائی کی کہ کسب و جہاد سے ان کو مستثنیٰ کر دیا۔

لہٰذا اصحاب حضرت رسالت کی تجرید ثابت ہونے کے بعد فضل تجرد و جواز تجرد کے بجائے اب وجوب تجرد کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ حسب منشا حدیث "اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِہْتَدَیْتُمْ" سیرت اصحاب رسالت مآب کی تقلید ہم کو واجب ہے۔ تو جس طرح ارباب متزوجین نے اصحاب متاہلین کی اتباع میں ازدواج اور مناکحت کو لازم گردانا۔ اسی طرح طالبان حق کے لئے تجرید میں اصحاب صفہ کی تقلید واجب ہے۔ اور ہر دو حالت میں مآل مستحسن و محمود ہے۔

ہر چند فضل تجرید کے لئے اصحاب رسالت مآب صلعم کی تقلید کا حوالہ ہم کو کافی اور بس تھا۔ لیکن فضل تجرید کا ابھی ایک درجہ اور باقی ہے۔ جو اصحاب نبوی کی تجرید سے بھی زیادہ رفیع ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کبھی مجرد بلکہ حصور تھے۔ اور آپ کی تجرید ایسی خبر متواتر

ہے۔ جس کی تصریح کی ضرورت نہیں۔

علیٰ ہٰذا یحییٰ علیہ السلام جو نبی وقت تھے مگر آپ نے تجرید اختیار فرمائی۔ لہٰذا ایک پیغمبر صاحب کتاب اور ایک نبی معصوم کا ترک ازدواج فرمانا فضل تجرید کے لئے بہت بڑی دلیل ہے۔ اور مجردین مابعد کے مباہات کے واسطے خاص سند ہے۔ اور فخر کے ساتھ وہ کہہ سکتے ہیں کہ تجرد انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

اب کامل یقین ہو گیا کہ "لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ" سے محض تجرد اور ترک ازدواج مراد نہیں ہے۔ بلکہ راہبانِ مبتدعہ کا شوق تجرید میں اختصار ہونا مقصود ہے جو عقلاً و نقلاً غیر مشروع اور قطعی ممنوع ہے۔ ورنہ عارفین اور صالحین اور اصحاب رسالتمآب اور نبی اور پیغمبر صاحب کتاب کبھی تجرید اختیار نہ فرماتے۔ بس رہبانیت مبتدعہ کی تزہیب و امتناع میں حدیث "لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ" جس طرح مصدقہ ہے اسی طرح طریق خدا طلبی میں ضبط خواہشات کے لئے تجرید محمود و ممدوح ہے۔

لیکن یہ تو معلوم ہوا کہ طبقۂ حضرات صوفیہ میں بھی صاحب تجرید ہوتے۔ اور بعض صحابۂ نبی کریم بھی مجرد تھے اور ایک نبی اور پیغمبر کا حصور ہونا بھی ثابت ہے۔ اور انہیں مقدس اور مقتدر ہستیوں کے حوالے سے ہم نے فضل تجرید کا اقرار کیا۔ اور انہیں مقبولانِ الٰہی کا مقلد دیکھ کر مجردینِ اہلِ اسلام کی تجرید و تفرید کو مستحسن سمجھا۔ مگر پھر بھی خیال ہوتا ہے کہ ہمارا یہ سمجھنا کماحقہٗ قابل اطمینان نہیں۔ کیونکہ درحقیقت محمود وہی فعل ہے جو خدا کے نزدیک محمود ہو۔ اس لئے دیکھنا یہ چاہیئے کہ ان مجردین کے خالق نے بھی ان کی تجرید و تفرید پسند فرمائی یا نہیں۔ اگر حضرت رب العزت نے اہل تجرید کے صبر و ضبط۔ اور تجرد و تفرد کو مستحسن جانا ہو۔ اور ان کے ایمان و ایقان کی گواہی دی ہو اور ان کی عظمت و جلالت کا اظہار کیا ہو۔ تو اس وقت بغیر کسی شک و شبہ کے فضل تجرید کا مان لینا ہم کو لازمی ہوگا۔ مگر بجز قرآن کی شہادت کے خدا کی رضامندی ہم کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اب ضرورت

اس کی ہے کہ آیات قرآنیہ کو دیکھیں کہ احکم الحاکمین نے ارباب مجردین کے حق میں کیا فرمایا ہے۔
لہٰذا قرآن شاہد ہے کہ حضرت احدیت جل جلالہٗ نے اپنے مجرد بندوں کی حمایت فرمائی ہے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام جو حصور یعنی مجرد کامل تھے ان کی یہ رفعت و عظمت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس پاک مجرد کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ اور مقرب خاص کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اور سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا "اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ اسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْہًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ہ
(ترجمہ) فرشتوں نے بشارت دی کہ اے مریم مسیح کلمۃ اللہ تم سے پیدا ہوں گے جو دنیا میں اور آخرت میں ذی وجاہت ہوں گے اور ان کو مقام قرب ملے گا۔
پس اگر محض تجرید ممنوع و مذموم ہوتی تو ایسے مستند حصور یعنی مجرد کامل کو اللہ جل جلالہٗ کلمۃ اللہ کا خطاب نہ دیتا اور مقربین کا مرتبہ دینے کا وعدہ نہ فرماتا۔
علیٰ ہذا حضرت یحییٰ علیہ السلام جن کا تجرد کامل اور مسلم ہے۔ ان کو بھی رب العزت نے صفات حمیدہ کے ساتھ یاد کیا۔ بلکہ علاوہ دیگر اوصاف کے انکی تجرید کامل کا ایسے لفظ میں ذکر فرمایا کہ ان کی تجرید ان کی مدحت میں شمار ہوگئی اور ان کے علوی مرتبت کی خاص دلیل قرار پائی۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا کہ زکریا علیہ السلام نے جناب باری عز اسمہ میں دعا کی۔ کہ مجھ کو اولاد صالح مرحمت فرما۔ مجیب الدعوات نے اپنے نبی کی یہ دعا قبول کی۔ اور ہاتف غیب نے مولود مسعود کی زکریا علیہ السلام کو جب وہ محراب عبادت میں کھڑے تھے بشارت دی کہ "اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکَ بِیَحْیٰی مُصَدِّقًا بِکَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (ترجمہ) اللہ خوشخبری دیتا ہے تم کو یحییٰ کی جو کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والا ہے اور وہ سردار اور حصور اور نبی صالحین میں سے ہے۔
اس آیۂ کریمہ میں خالق حقیقی نے اپنے بندہ یحییٰ کو پانچ صفتوں سے موصوف فرمایا ہے مصدقًا بکلمۃ من اللہ۔ اور سید۔ اور حصور۔ اور نبی۔ اور صالح۔ اور یہ صفتیں مہتم بالشان

ہیں۔ لیکن قابلِ لحاظ یہ ہے کہ تیسری صفت یعنی حصوراً اس کو بھی حق تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے مقبول نبی کے صفات میں بیان فرمایا۔ اور اس اہتمام کے ساتھ کہ وسط صفات میں صفت حصور کو قائم کیا۔ لہٰذا سیاقِ عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح سید اور نبی اور صالح صفات محمودہ ہیں اسی طرح حصور بھی صفتِ حمیدہ ہے۔

چنانچہ اربابِ طریقت کا یہی مذہب ہے کہ حصور بہت بڑا مرتبہ ہے۔ ہر چند لغوی معنی حصور کے رکا ہوا۔ اور بے پردا ہوتا ہے۔ یعنی عورتوں سے باوجود خواہش کے محترز اور یہی صاحب صراح نے لکھا ہے کہ حصور بالفتح۔ مردے کہ گرد زن نگردد۔ لیکن مفسرین نے حصور کے معنی بکمال شرح وبسط ارقام فرمائے ہیں۔

مثلاً صاحب تفسیر قادری نے لکھا ہے کہ "حصوراً۔ مجرد عورتوں سے" اور تفسیر مواہب الرحمٰن میں ہے کہ "وَحَصُوْرًا مَنُوْعًا عَنِ النِّسَاءِ" اور سخت باز رکھنے والا اپنے کو عورتوں سے اور تفسیر حسینی میں ہے کہ "باز ایستادہ از زنان۔ یا خود را باز دارندہ از لہو و لعب" اور صاحب تفسیر خازن نے حصور کے معنی یوں لکھے ہیں "قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ وَغَیْرُہٗ مِنَ الْمُفَسِّرِیْنَ اَلْحَصُوْرُ الَّذِیْ لَا یَاتِی النِّسَاءَ وَلَا یَقْرَبُھُنَّ۔ یعنی ابن عباسؓ وغیرہ مفسرین نے کہا کہ حصور وہ ہے جو عورتوں سے علیحدہ رہے"۔ اور صاحب تفسیر مدارک نے لکھا ہے "ھُوَ الَّذِیْ لَا یَقْرَبُ النِّسَاءَ مَعَ الْقُدْرَۃِ حَصْرًا لِنَفْسِہٖ کہ حصور وہ ہے کہ باوجود قدرت کے عورتوں سے دور رہے۔ اور اپنے نفس کو روکے۔ اور تفسیر جلالین میں ہے کہ "وَحَصُوْرًا مَمْنُوْعًا عَنِ النِّسَاءِ" حصور وہ ہے جو ممنوع کیا گیا ہے عورتوں سے اور مفسرین حضرات صوفیہ نے حصور کی تفسیر میں نکات معنوی بھی تسطیر فرمائے ہیں۔ چنانچہ صاحب تفسیر عرائس البیان نے لکھا ہے کہ "اَلْحَصُوْرُ الَّذِیْ حَصَرَ مَاءَہٗ عَنِ النِّسَاءِ" حصور وہ ہے جو خواہش نفسانیہ کے مادہ کو عورتوں سے محفوظ رکھے۔

اور دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ "اَلْحَصُوْرُ الْمُقَدَّسُ عَنْ شَوَائِبِ التَّقْلِیْدِ وَعَنِ

اَلْاِلْتِفَاتِ اِلَی الْکَوْنَیْنِ" یعنی حصور وہ ہے جو شوائب تقلید سے پاک اور کونین سے غیر ملتفت ہو۔

پھر آپ نے ابن عطا کا یہ قول نقل فرمایا ہے "اَلْحَصُوْرُ الْمُنَزَّہُ عَنِ الْاَکْوَانِ وَمَا فِیْھَا" حصور وہ ہے جو کونین اور کونین کی چیزوں سے بے پرواہ ہو۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا ہے "اَلْحَصُوْرُ الَّذِیْ لَا یَمْلِکُ وَلَا یُمْلَکُ" حصور نہ کسی کی ملک ہے نہ کسی چیز کا مالک۔ اور یہ بھی آپ کا قول نگارش کیا ہے "اَلْحَصُوْرُ الَّذِیْ لَا یَعْرِفُ مَاسِوَی اللّٰہِ" یعنی حصور اللہ کے سوا کسی کو پہچانتا ہی نہیں۔

الغرض جب حضرات مفسرین کے اقوال سے متفقہ طور پر یہی ثابت ہے کہ حصور کے معنی مجرد صابر وضابط وقانع وآزاد اور تعلقات عالم سے دست بردار۔ اور صاحب مراتب علیا اور غیر اللہ سے بے سروکار کے ہیں۔ تو اب صاف ظاہر ہو گیا کہ تجرید نہایت متم بالشان صفت ہے۔

اور اس کا بھی تیقن ہو گیا کہ حدیث لَا رُھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ میں تجرید مستحسن کی امتناع نہیں ہے بلکہ رہبانیت مبتدعہ کی ممانعت ہے۔ یعنی خصی ہونا۔ اور آلہ مردانگی قطع کرنا۔ جو شرعاً ممنوع اور مذموم ہے۔ کیونکہ جب صاحب تجرید کی صفت میں نص صریح موجود ہے تو صرف ایک حدیث تجرید محض کی مانع نہیں ہو سکتی۔

اور اگر یہ حدیث تجرید مستحسن کی امتناع میں ہوتی تو مشاہیر حضرات صوفیہ اور بعض اصحاب حضرت رسالت مآب۔ اور ایک نبی اور ایک پیغمبر صاحب کتاب تجرید اختیار فرماتے اور نہ اللہ تبارک وتعالےٰ ایک مجرد کی صفت میں "مُصَدِّقًا بِکَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ"۔ اور دوسرے غیر متاہل کی شان میں "وَجِیْھًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ" ارشاد فرماتا۔

بلکہ امام فخرالدین رازی علیہ الرحمۃ نے تفسیر کبیر میں حصور امجرد کا ل کے جو معنی ارقام فرمائے ہیں۔ تو منجملہ دیگر اقوال کے قول ثانی میں تجرید کا فضل ثابت کیا ہے اور آپ نے اس قول کی نسبت لکھا ہے کہ "وھو اختیار المحققین" کہ محققین نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور وہ قول یہ ہے: "اِنَّهُ الَّذِی لَا یَاتِی النِّسَاءَ لَا لِلْعَجْزِ بَلْ لِلْعِفَّةِ وَالزُّهْدِ" (ترجمہ) حصور وہ شخص ہے جو مجبوراً نہیں بلکہ زہد و عفت کی وجہ سے عورتوں کے پاس نہ جائے۔

پھر امام موصوف فضل تجرید کی شرح میں دلیل یہ لکھتے ہیں "اِحْتَجَّ اَصْحَابُنَا بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ عَلٰی اَنَّ تَرْکَ النِّکَاحِ اَفْضَلُ" (ترجمہ) اس آیہ کریمہ سے ہمارے اصحاب نے استدلال کیا ہے کہ ترک نکاح افضل ہے "لِاَنَّهُ تَعَالٰی مَدَحَهُ بِتَرْکِ النِّکَاحِ" کیونکہ اللہ جل جلالہ نے مدح فرمائی ہے یحییٰ علیہ السلام کی ترک نکاح کے سبب سے "وَذٰلِکَ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ تَرْکَ النِّکَاحِ اَفْضَلُ فِی تِلْکَ الشَّرِیْعَةِ" اور یہ (خدا کا مدح فرمانا) اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ شریعت ہذا میں ترک نکاح افضل ہے "وَاِذَا ثَبَتَ اَنَّ تَرْکَهٗ فِی تِلْکَ الشَّرِیْعَةِ اَفْضَلُ وَجَبَ اَنْ یَّکُوْنَ الْاَمْرُ کَذٰلِکَ فِی هٰذِهِ الشَّرِیْعَةِ بِالنَّصِّ وَالْمَعْقُوْلِ" (ترجمہ) اور جب ثابت ہو گیا کہ ترک نکاح اس شریعت میں افضل ہے تو نقلاً و عقلاً ایسا ہی حکم اس شریعت میں ہونا چاہیئے۔

اس کے بعد امام موصوف نے دلیل نقلی و عقلی کی تفصیل میں پہلے شرعی استدلال یہ فرمایا کہ "اَمَّا النَّصُّ فَقَوْلُهٗ تَعَالٰی اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ" یعنی اللہ نے جن کو ہدایت کی ہے ان کی اقتدا کرو۔ اور معقول دلیل آپ نے پیش فرمائی ہے۔ "وَاَمَّا الْمَعْقُوْلُ فَهُوَ اَنَّ الْاَصْلَ اِذَا کَانَ ثَابِتًا بَقَاءَهٗ عَلٰی مَا کَانَ وَالنَّسْخُ عَلٰی خِلَافِ الْاَصْلِ" (ترجمہ) دلیل عقلی یہ ہے کہ جب اصل کی بقا ثابت ہے۔ جیسی کہ تھی تو منسوخ ہونا خلاف اصل ہے۔

امام رازی علیہ الرحمۃ نے بکمال صراحت اور صاف لفظوں میں ثابت فرمایا کہ وہ فعل جس کی

الحکم الحاکمین نے مدح فرمائی وہ یقینی افضل اور مستحسن ہے۔ اور استدلال شرعی وعقلی سے واضح کردیا کہ جس طرح یحییٰ علیہ السلام کیواسطے "حصور" یعنی مجرد کامل ہونا موجب فضل اور علوی مرتبت ہوا۔ اسی طرح شریعت اسلام میں ترک نکاح افضل ہے۔ اور ہونا چاہیئے۔

امام رازی علیہ الرحمتہ کی اس مدلل تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ تجرد کو فضیلت اس وجہ سے ہے کہ حضرت احدیت جل جلالہ نے اس کی مدح فرمائی۔ اور مثل دیگر صفات حسنہ کے اپنے معصوم نبی کی شان میں "حصور" بھی ارشاد کیا۔ اور یہ خصوصیت تجرید کی عظمت کیواسطے کافی دلیل ہے۔ لہٰذا اب کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اور بقول شیخ شہاب الدین بن محمد سہروردی علیہ الرحمتہ جس طرح اہلِ انتظام کے لئے تزوج لازمی اور ضروری ہے۔ اسی طرح صاحب ریاضات ومجاہدات کی تفریغ خاطر کے واسطے تجرید مناسب اور مفید ہے (عوارف المعارف)

شاید اسی خیال سے ہمارے سرکار عالم پناہ نے بھی عام مریدین کو مناکحت کی امتناع نہیں فرمائی بلکہ اہلِ ارادت کا دستور تھا کہ اکثر اہم کام بغیر آپ کی اجازت نہیں کرتے تھے چنانچہ دیکھا ہے کہ ارادتمند اپنی اولاد کی مناکحت کے واسطے جب اذن طلب ہوتے تھے تو حضور قبلۂ عالم نے ان کو بخوشی اجازت دی ہے۔ اور غلامانِ خرقہ پوش جو علائق دُنیا سے دست بردار ہوئے۔ ان کے حق میں آپ نے تجرید کی ہدایت فرمائی۔ اور اپنے خرقہ میں لنگوٹ کو لازمی گردانا۔ جو تجرد کا مخصوص تمغہ ہے۔

اور چونکہ قبلۂ عالم "حصور" یعنی مجرد کامل تھے کہ ازدواج کیجانب کبھی التفات نہیں فرمایا اس مناسبت سے آپکے مقدس خرقہ کی مجموعی شان۔ گویا زبان حال سے شاہد ہے کہ یہ زاہد مخصوص اہل تفرید کا خاص لباس ہے اور لنگوٹ سے تو بصاف ظاہر ہے کہ مشرب وارثی میں فقیر کیلئے تجرید جزو لاینفک ہے۔

غرض مختصر یہ کہ تمام عمر اسی زاہدانہ لباس میں آپ نے تجرد کامل کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اور مسافرانہ شان سے اس عالم ظاہر کی یوں سیر فرمائی کہ علائق دُنیا کے لوازمات کو بھی قطعاً منقطع فرمایا۔ اور اہلِ تجرید وتفرید کیواسطے بے غرض اور زاہدانہ زندگی کی ایسی مثال قائم کردی جو اپنی نظیر آپ ہے۔

شاید ناموزوں نہ ہوگا اگر پھر میں یہی عرض کروں کہ حضور قبلۂ عالم کا تجرد کامل بھی حضرت کلمۃ اللہ عیسیٰ علیہ السلام کی صفت تجرید سے مشابہ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو جس طرح تجرد وارثی تجرد عیسوی کے مشابہ ہے۔ اسی طرح تقریباً آپ کے جملہ حالات و عادات عیسیٰ علیہ السلام کے حالات و عادات سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔

مثلاً حضور قبلۂ عالم کے غیر مقصور موئے مبارک جو ہمیشہ تا بدوش رہے۔ یہ درحقیقت خاص سُنت عیسوی ہے۔ کیونکہ جملہ مورخین نے لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے گیسوئے مُعبر دراز تھے۔ بلکہ شبیہ عیسوی اسی نشانی کے ساتھ احادیث نبوی میں مذکور ہے کہ جب آپ نزول فرمائیں گے تو آپ کے بال دراز اور چمکدار ہوں گے۔

علیٰ ہٰذا منقول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سر برہنہ رہتے تھے۔ ہمارے سرکار عالم پناہ کا بھی سادہ اور بے تکلف لباس کلاہ و دستار وغیرہ سے معرّا رہا۔ اور ہمیشہ آپ ننگے سر و پا برہنہ وادیٔ عشق میں سرگرم جستجو رہے۔ بلکہ حضور نے صاف الفاظ میں فرمایا ہے کہ ٹوپی اور جوتا تو آرام کے واسطے پہنتے ہیں۔ اور فقیر کو آرام و تکلیف کا خیال کرنا بھی ممنوع ہے" یہ بھی فرمایا کہ "آداب عشق یہ ہے کہ راہ طلب میں فقیر ننگے سر اور پا برہنہ ہے"۔ یہ بھی فرمایا ہے" ٹوپی زیبائش کی چیز ہے۔ اور فقیر کو زینت سے کیا کام ہے"۔

اور عیسیٰ علیہ السلام نے بلحاظ زہد رہنے کے لئے مکان نہیں بنایا۔ حضور قبلۂ عالم نے بمصداق "لَا یَمْلِكُ وَلَا یُمْلَكُ" اپنے آبائی مکان بلکہ کل املاک سے دست بردار ہوکر میدان عشق میں قدم رکھا۔ اور ہمیشہ مسافرانہ زندگی بسر فرمائی۔ چنانچہ اکثر آپ فرماتے تھے "ہم تو مسافر ہیں"۔

یہ بھی مستند روایات سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے تکیہ نہیں رکھا۔ فرش زمین پر استراحت فرمائی۔ اور بجائے بالش خشت یا پتھر کا ٹکڑا زیر سر رکھتے تھے اسکی مشابہت بھی حضور قبلۂ عالم کے عادات میں موجود ہے کہ آپ نے زمین پر ہمیشہ آرام

فرمایا۔ اور کبھی تکیہ رکھنا پسند نہ کیا۔ بلکہ تکیہ کے ذکر سے قطعی نفرت تھی۔ چنانچہ اکثر فرمایا کہ "فقیر کو تکیہ کی ضرورت نہیں ہوتی" یہ بھی فرمایا ہے کہ "اگر فقیر کا تکیہ اللہ پر ہو وہ فقیر ہے" یہ بھی فرمایا ہے کہ "فاقہ جس طرح نفس کی تکلیف کا باعث ہوتا ہے اسی طرح تکیہ نفس کو آرام پہونچاتا ہے۔ اور مشرب عاشق میں نفس کی بیجا خواہش کو پورا کرنا حرام ہے۔ کیونکہ عشق صادق کی تعریف یہ ہے کہ عاشق روح بلا نفس رہ جائے۔ اور جب تک آمیں نفس ہو وہ عشق الٰہی کا مزہ نہیں چکھ سکتا" اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "تکیہ رکھنے سے غفلت بڑھتی ہے۔ اور عاشق کی عبادت یہ ہے کہ اس کی ہر سانس غفلت سے پاک ہو" یہ بھی فرمایا ہے کہ "اسباب آرام و آسائش کے جھگڑے میں انسان عہد میثاق کو بھول جاتا ہے" یہ بھی اکثر فرمایا ہے کہ "فقیر آرام طلب منزل مقصود سے دور رہتا ہے" یہ بھی فرمایا ہے کہ "جو دنیا کے انتظام میں پھنستا ہے۔ اس کے دل میں محبت الٰہی کی جگہ نہیں رہتی" یہ بھی فرمایا ہے کہ "بے انتظامی تو عشق کا پیش خیمہ ہے"

الغرض آپ کے مدارج تجرید و مراتب تفرید کی خوشنما تصویر کا اگر ایک رخ دنیا کے مشہور مجرد کامل حضرت کلمۃ اللہ عیسیٰ علیہ السلام کے زہد و تجرید سے زیادہ مشابہ ہے تو دوسرا رخ کلیۃً صفات حضرت مرتضیٰ کا شفاف آئینہ ہے جس میں آپ کے خاندانی صبر و رضا و فقر و فنا کی شان نظر آتی ہے۔ کیونکہ عنفوان شباب سے آپ کے جملہ کارنامے زبان حال سے شاہد ہیں کہ رضا و تسلیم کی دشوار گزار منزل آپ نے بکمال ثبات و استقامت طے فرمائی ہے۔

تسلیم و رضا

چنانچہ آپ کے حالات و واقعات کا نظر غائر سے مطالعہ کرتے ہیں۔ تو بیساختہ زبان سے یہی نکلتا ہے کہ لاریب آپ اہلبیت اطہار کے مخصوص یادگار۔ اور حقیقی ورثہ دار ہیں۔ کیونکہ آپ کے حرکات و سکنات اور اقوال و افعال سے صاف ظاہر ہوتا ہے

کہ ترک تدبیر آپ کا مشرب اور راضی برضائی یار رہنا آپ کا نصب العین ہے۔ اور آپکا اختیار منشائے کردگار کے آگے سلب۔ اور آپ کا ارادہ۔ ارادہ حق میں فنا ہوگیا ہے۔ اس لئے کہ جو واقعات واراوت۔ بظاہر بصورت آرام وراحت۔ یا بشکل آلام ومحنت پیش آئے۔ ان کو بلا شکایت واکراہ۔ اور بغیر اعراض واشتباہ ہمیشہ آپ نے تسلیم کیا۔ اور بطیب خاطر مراد قضا وقدر پر راضی رہے۔

اس لئے اگر یہ کہا جائے تو شاید ناموزوں نہ ہوگا کہ آپ کی ذات محمود الصفات کو مرتبۂ تسلیم ورضا سے خاص نسبت تھی۔ اور یہ جلیل القدر صفت جو مخصوص طور پر آپکے جدنامدار کا حصہ ہے۔ آپکو وراثتہً ملی تھی۔ چنانچہ حضور قبلۂ عالم کے بعض ارشادات کا یہی مضمون ہے جن کا متواتر ذکر آیا۔ اور تقریباً جملہ حاضرین بارگاہِ وارثی نے ضرور سنا ہوگا کہ اکثر آپنے پُرجوش لہجہ میں فرمایا "تسلیم ورضا بی بی فاطمہ اور حسنین علیہم السلام کا حصہ ہے"۔ اور کبھی یہ ارشاد ہوا کہ "تسلیم ورضا اہلبیت کے گھر کی چیز ہے" اور اسی مضمون کو کبھی ان الفاظ میں فرمایا "تسلیم ورضا اہلبیت کے گھر کی لونڈی ہے"۔ اور کبھی اس قدر وضاحت اور فرمائی کہ "تسلیم ورضا کا مرتبہ بی بی فاطمہ نے اپنے باباجان سے پایا اور حسنین علیہما السلام کی وساطت سے جسکا جس قدر حصہ ہے وہ اسکو ملتا ہے"۔ اور کبھی یہ بھی فرمایا ہے کہ "جس طرح تسلیم ورضا کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اسی طرح اس میدان میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل۔ اور بڑے مردوں کا کام ہے"۔ یہ بھی ارشاد ہوا کہ "تسلیم ورضا کی منزل میں جان دینا معمولی بات ہے۔ مگر زبان سے اُف بھی کرنا رضا کی شان کے خلاف ہے"۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "رضا وتسلیم کے کوچہ میں جس نے قدم رکھا۔ اس کا اختیار سلب ہوا"۔ یہ بھی ارشاد ہوا کہ "مشرب تسلیم ورضا میں انتظام نہیں" یہ بھی فرمایا کہ "اہلِ رضا وتسلیم کا مسلک اور ہے مشائخین کا طریقہ اور ہے"۔ یہ بھی فرمایا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک رضائے معشوق کے لئے تمام خاندان کو

میدان کربلا میں شہید کرا دیا کوئی کیا سمجھ سکتا ہے۔ رمز عاشق و معشوق کو یہ بھی فرمایا ہے کہ "ہمارا مشرب عشق ہے جس میں انتظام حرام۔ اور رضائے شاہد حقیقی کے آگے سر تسلیم خم کرنا فرض عین ہے۔"

حضور کے ان ارشادات سے صاف ظاہر ہے کہ رضا و تسلیم مخصوص طور پر عاشقین کا مسلک ہے۔ اور دیگر محققین حضرات صوفیہ کرام نے بھی یہی فرمایا ہے کہ رضا ثمرہ ہے محبت کا۔ اس وجہ سے محب صادق محبوب دلنواز کی ہر ادائے ناز کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ اور ہر حال میں راضی برضائے مطلوب رہتا ہے۔

چنانچہ حضور قبلۂ عالم کے حالات و واقعات سے زیادہ اور خصوصیت کے ساتھ آپ کے ثبات اور استقامت ہی کے اثرات نظر آتے ہیں۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نفسانی مرادات اور جسمانی خواہشات کی طرف کبھی التفات نہیں فرمایا۔ بلکہ تمام معاملات ذاتی و صفاتی۔ اور جملہ واقعات حرکاتی و سکناتی کو فعل حق۔ اور امر حضرت رب العزت سمجھا۔ اور بکمال صبر و استقلال بمصداق "اَلرِّضَاءُ سُرُوْرُ الْقَلْبِ عَنِ الْقَضَاءِ" وقوع حوادث عوارض کو کرشمۂ ناز محبوبی تصور کیا۔ اور کسی حالت میں آپ کی زبان حرف شکایت سے آشنا نہیں ہوئی اور یہی رضائے کامل کی تعریف ہے کہ بلا پر صبر کرنا رضا ہے۔ اور قضا پر اعتراض نہ کرنا رضائے کامل ہے۔

چنانچہ سنہ ۱۳۲۲ ہجری کا یہ واقعہ ہے جس سے حضور قبلۂ عالم کے ضبط و استقلال کا بین اظہار ہوتا ہے کہ اول مرتبہ دیوی شریف وبائی طاعون سے جب متعدد موتیں ہوئیں۔ اور باشندگان قصبہ مکان چھوڑ کر میدان میں قیام گزین ہوئے۔ از حفظ صحت کے لحاظ سے میں نے مختلف عنوان سے اور مختلف پیرایہ میں متعدد بار عرض کیا کہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضور بالاخانہ میں تشریف رکھیں۔ جو سیادا رکھی ہے۔ اور پر فضا بھی۔ مگر ہر مرتبہ حضور نے میری عرضداشت قبول نہ فرمائی اور یہ فرمایا کہ "جو خدا یہاں ہے وہی وہاں ہے"۔ بلکہ علاوہ میرے دیگر خدام نے بھی کوشش کی کہ بہ لحاظ احتیاط بالاخانہ میں رہنا بہتر ہوگا۔ مگر حضور نے کسی کی التماس پر توجہ نہ فرمائی اور نقل

مکان کرنا کسی طرح پسند نہیں کیا۔ حتی کہ اسی دوران میں بعض حکیم اور ڈاکٹر قدمبوسی کو گئے اور اُنہوں نے بھی عرض کیا کہ اگر آپ کوٹھے پر استراحت فرمائیں تو اُصولاً زیادہ مناسب ہے۔ مگر سب کے جواب میں یہی ارشاد ہوا کہ "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" جو خدا کو منظور ہوگا وہ ضرور ہوگا۔" اَلْاِرَادَۃُ اللّٰہِ غَالِبٌ عَلٰی اِرَادَۃِ النَّاسِ"۔)

آخر ایک روز چند معتقد اور مقرب غلامانِ بارگاہ وارثی نے مجتمع ہو کر بصد اصرار عرض کیا کہ ہماری خاطر سے آپ مکان تبدیل فرمائیں۔ اس وقت آپ نے متبسم لبوں سے ارشاد فرمایا کہ ہم جانتے ہیں کہ اطبا کا یہی خیال ہے۔ اور تم محبت سے کہتے ہو۔ مگر یار کی بھیجی ہوئی بیماری سے ڈرنا اور بھاگنا۔ غیرت عشق کے خلاف ہے۔ بلکہ اقتضائے محبت یہ ہے کہ منشاء الٰہی کے آگے سرنگوں رہیں۔ بقول "سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے"۔

معہذا۔ ایک مرتبہ حضور قبلۂ عالم نے باشندگانِ موضع گدیہ کے اصرار سے یہ اقرار کر لیا کہ واپسی میں قصبہ ستر کھ سے تمہارے یہاں آئیں گے۔ چنانچہ حسب وعدہ آپ نے جب ستر کھ سے مراجعت فرمائی۔ اور حضور کی پالکی صفی پور کی آبادی میں سے گذری۔ تو وہاں کے چند نوجوان ہندو حضور کے بعض ان خدام سے جو پیچھے رہ گئے تھے کسی معمولی بات پر تکرار کرنے لگے۔ اور یہاں تک گفتگو بڑھ گئی کہ لڑائی ہوئی۔ اور فیضو شاہ صاحب کا سر مجروح ہوگیا۔ جب گدیہ پہونچے۔ اور وہاں کے خاص و عام نے فیضو شاہ صاحب کا زخم دیکھا تو سب کو اشتعال ہوا۔ اور آمادہ ہوگئے کہ صفی پور کو تباہ و برباد کر دیں۔ مگر حضور نے سب کو بتاکید ممانعت کی۔ اور فیضو شاہ سے فرمایا کہ صبر کرو۔ اللہ کو یہی منظور تھا۔

اسی عرصہ میں صفی پور کے دو معمر اور خوشحال ہندو حاضر خدمت ہوئے۔ اور اپنی پگڑی حضور کے قدموں پر رکھ دی۔ اور ہاتھ جوڑ کر ایک پاؤں سے کھڑے ہو گئے اور دیہاتی لہجہ میں عرض کیا کہ "بابا دیا کرو۔ لڑکوں نے کرم ناس کیا مگر اپنی کرپا سے تم معاف کر دو تو

اُن کا جنم اکارت نہ جائے۔

حضور قبلۂ عالم نے فرمایا "اُنھوں نے تو ہمارا کوئی قصور نہیں کیا۔ اور اگر کرتے یا ہم کو مار بھی ڈالتے۔ تو بھی ہم معاف کر دیتے۔ کیونکہ ہمارے دادا نے اپنے قاتل کو پہلے شربت پلایا ہے اور ہمارے مذہب کی یہ تعلیم ہے کہ "وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ"۔

اور ہمارے نزدیک تو لڑائی تھی نہ جھگڑا۔ بلکہ یار کی ادا و ناز کا ایک کرشمہ تھا۔ جو ہو گیا۔ اس میں نہ کسی کا قصور ہے۔ نہ معافی کی ضرورت۔ اور اگر تمہاری یہی خوشی ہے۔ تو اچھا بیٹھو معاف کیا۔ اور خادم کو حکم دیا کہ ان کو تہبند اور مٹھائی دے دو"۔

یہ کریمانہ شان دیکھ کر دونوں کو جوش ہوا۔ اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ مہاراج اب ہم کو چیلا بھی کر لو۔ آپ نے دونوں کو استغفار پڑھا کر مرید کیا۔ پھر انھوں نے عرض کیا کہ گرو داتا کوئی اپدیش بھی بتا دو۔ حضور نے فرمایا کہ "برہم پہچانو۔ اور پتھر کو نہ پوجنا اور جھٹکے کا گوشت نہ کھانا"۔

الحاصل ایسے متعدد واقعات ہیں جن سے آپ کا راضی برضائے حق رہنا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن علاوہ ان حالات کے جن کا وقوع گاہ بگاہ ہوتا رہا ہے زیادہ عجیب اور حیرت خیز حضور کے روزمرہ کے معمولی عادات ہیں جن کو اگر سرسری نظر سے بھی دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا پورا طرزِ معاشرت تحت تسلیم احکام الٰہی ہے اور رضائے پروردگار کے آگے اپنا اختیار فنا کر دیا ہے۔ اور سبب اسباب سے دست بردار ہو کر قدم قدم پر صرف مشیت مسبب الاسباب سے سروکار ہے۔

مثلاً سب جانتے ہیں کہ آپ کی یہ مخصوص صفت ہے کہ تمام عمر آپ کی زبان حرف شکایت سے آشنا نہیں ہوئی۔ اور کبھی آپ نے اس قدر بھی نہیں فرمایا کہ گرمی زیادہ ہے۔ یا اعتدال سردی کم ہونے سے اعتدال صحت میں فرق آگیا ہے۔ یا کثرت بارش

سے مکان مسمار ہو گئے۔ یا خشک سالی کی وجہ سے غلہ کی گرانی ہے۔ حالانکہ یہ باتیں وہ ہیں جو عموماً زبان زد خلائق رہتی ہیں۔ مگر حضور قبلہ عالم نے کبھی سہواً بھی ایسے الفاظ نہیں فرمائے جن میں معناً یا اشارۃً بھی بوئے شکایت ہو۔ اور یہ احتیاط صرف اس وجہ سے تھی کہ اقتضائے تسلیم یہ ہے کہ منشار الٰہی سے اختلاف کا اشارہ بھی نہ ہو۔ اور معبود حقیقی کے ہر فعل کو بہ نظر صواب دیکھے۔ ہر چند ظاہر میں وہ بصورت عتاب ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ کمال احتیاط کی وجہ سے مزاج ہمایوں کا یہ انداز تھا کہ دوسرے شخص کی زبان سے بھی اگر شکایت آمیز الفاظ نکلتے تھے تو آپ کو قدسی ناگوار ہوتا تھا۔ اور اکثر چین بجبیں ہو کر اس کو اٹھا دیا ہے اور کچھ دیر تک چہرہ اقدس پر اس ناگواری کا اثر رہتا تھا اسکے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ محبت کی عین تعریف یہی ہے کہ محب اپنے محبوب کی شکایت نہ سنے۔ چونکہ اس نے منشاء حق سے بجائے سر تسلیم خم کرنے کے اعراض کیا۔ آپ نے اسکی صحبت ناپسند کی اور اٹھا دیا۔ علیٰ ہذا سخت سے سخت علالت میں بھی آپنے درد اور تکلیف کا ذکر کبھی نہیں کیا ہمیشہ خدام قرآن سے دریافت کرتے اور بصد اصرار دوا پلاتے تھے۔ بلکہ جب طبیب نے پوچھا کہ مزاج کیسا ہے تو یہی فرمایا کہ اچھا ہے۔ کبھی مرض کا نام نہیں لیا۔ کیونکہ درد کا اظہار کرنا بھی عین شکایت۔ یا کم سے کم ضمیمۂ شکایت ہے ظہوری ؎

جسم را در عشق تا جاں کار نیست　　　درد عاشق را بدرماں کار نیست

اور اگر کسی طبیب نے اپنی خدمات سے مرض تشخیص کیا اور اپنے اطمینان کے واسطے پوچھا کہ پیاس غالب ہے یا سر میں درد ہے۔ تو بجائے تائید فرمانے۔ اور ہاں کہنے کے جواب میں یہ ارشاد ہوتا تھا کہ تم بڑے حکیم ہو۔ مگر زبان سے پیاس کا یا درد کا نام نہیں لیا کہ مطلوب کی بھیجی ہوئی ابتلا کی اشارۃً بھی شکایت نہ ہو۔ بلکہ ہر حال میں سر تسلیم خم رہے۔

احتیاط دعا کرنے سے اور قرینہ ہے کہ اسی جہت سے آپ دوست دشمن کے واسطے دعا اور بد دعا نہیں فرماتے تھے۔ اس لئے کہ جس طرح حضور قبلہ عالم نے اپنے اجداد امجاد

کے مفوضہ صفات و برکات کی نگہداشت بکمال استقلال و ثبات فرمائی۔ اور دُعا کرنے سے قطعاً احتراز کیا کہ منافی رضا ہے۔ اسی طرح حضرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پوتے کو اس کا بھی ہمیشہ خیال رہا کہ بددُعا کرنا خاندانی شانِ عظمت کے خلاف ہے۔

علاوہ اس کے دُعا اور بددُعا کا مفہوم یہ ہے کہ دوست کی شفقت اور دُشمن کی عداوت کو باعثِ راحت اور سبب محنت خیال کرنا۔ اور اس کے عملاً و رعیض میں ان کے واسطے دُعا اور بددُعا کرنا۔ جو چشم حق بیں کے لئے سنگین حجاب ہے۔ کیونکہ ہر دو کیفیات کا فاعل حقیقی قادر مطلق ہے۔ اور افعال قادر ذوالجلال کو غیر اللہ کے ساتھ منسوب کرنا یقینی ایمان سے دست بردار ہونا۔ اور حقیقت سے صریح انکار کرنا ہے۔

لہذا بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو نہ دوست دُعا کا سزاوار۔ نہ دُشمن بددُعا کا مستحق ہے۔ جس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ دُعا اور بددُعا کرنا فعل عبث ہے۔ بلکہ اقتضائے تصدیق یہ ہے کہ بجائے دوست و دُشمن کے حق میں دُعا اور بددُعا کرنے کے۔ وقوع آرام و آلام کو شاہد دلنواز کا کرشمۂ ادا و ناز سمجھیں۔ اور اس کے منشا و ارادہ کے آگے سرنگوں رہیں۔ جو عین رضا ہے۔

جیسا کہ حضور قبلۂ عالم نے عملاً دکھا دیا۔ اور چونکہ تعمیل رضائے الٰہی کے واسطے یہ احتیاط لازمی تھی۔ اس لئے اپنے غلاموں کو مخاطب فرما کر بصراحت ارشاد ہوا کہ "جو تم سے محبت کرے اس سے محبت کرو۔ مگر کسی کے حق میں دُعا کرو نہ بددُعا۔" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "فقیر کو چاہیئے کہ رضا و تسلیم پر قائم رہے"۔ اور اکثر یہ ارشاد ہوا کہ "دُعا اور بددُعا کرنا مشرب رضا و تسلیم کے خلاف ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ فقیر نہ دوست کیواسطے دُعا کرتا ہے نہ دُشمن کے لئے بددُعا۔ کیونکہ دوست و دُشمن کا پردہ ہے۔ سب کرتوت ان کا ہے۔ جن کا ہر چیز میں جلوہ ہے۔

یہ ارشادات بالمعنی مرادف اور متحد ہیں۔ لیکن طرز عبارت سے مُترشح ہے کہ رُوئے

سُخن غلامانِ خرقہ پوش کی طرف تھا - اور یہی دیکھا گیا ہے کہ اکثر حضور نے فقرا ہی کو یہ ہدایت فرمائی جس کے حقیقی معنی یہ معلوم ہوتے ہیں کہ جس طرح فقیر کو ذاتی خواہشات و مرادات مشیت ایزدی کے سپرد کرنا لازم ہے - اسی طرح دوست و دُشمن کے حق میں بد استدعا کرنا منافی شانِ فقر اور خلاف رضائے حق ہے -

مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ صاحب لباس دنیوی کے واسطے ان احکام کی تعمیل ممنوع ہے - اگر عنایت ربّ العزت سے یہ توفیق نصیب ہو کہ وہ بندہ نواز تسلیم الامور الی اللہ کا شرف مرحمت فرمائے تو اپنے اختیارات اُٹھا لینا - اور سبب و اسباب کا صفحۂ قلب سے محو کرنا عقلاً و نقلاً مناسب اور بہتر ہے -

البتہ اس مسئلہ میں تھوڑا اختلاف ہے - اور دیکھا جاتا ہے کہ حضرات صوفیائے کرام میں ایک طبقہ ایسا ہے جو مذہبی دستور العمل کے حوالہ سے دُوسروں کے واسطے دُعا بھی کرتا ہے اور بددُعا بھی - اور اسکو مستحب اور مستحسن جانتا ہے لیکن مقربین بارگاہ احدیت کے ایک مخصوص گروہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ دُعا اور بددُعا کرنے سے احتیاط اور احتراز فرماتا ہے - چنانچہ مولانا روم علیہ الرحمتہ نے لکھا ہے کہ وہ اہلِ یقین جو ہمیشہ میدان رضا - اور وادی تسلیم میں شاہد حقیقی کے سامنے سرنگوں رہتے ہیں - وہ استدعا و دفع قضا نہیں فرماتے - وہو ہذا -

قوم دیگر می شناسم ز اولیاء	کہ زبان شان بستہ باشد از دُعا
از رضا کہ ہست رام آں کرام	جُستنِ دفع قضا شاں شد حرام
در قضا ذوقے ہمی بینند خاص	کفر شاں آمد طلب کردن خلاص
ہرچہ می آید بروں از ملکِ غیب	خاص خود دانند آں بشک و ریب

لیکن اس کا تصفیہ صاحب عوارف المعارف نے یہ کیا ہے کہ دُعا کرنا - اور نہ کرنا سالکان راہ طریقت کے احوال پر موقوف ہے اور اُنکے مدارج و مراتب کے لحاظ سے دُعا اور بددُعا کرنا محمود بھی ہے - اور مذموم بھی -

تعویذ لکھنے سے احتراز اور بالکل یہی صورت ہے کہ ہمارے سرکار عالم پناہ نے گنڈہ

اور تعویذ گنڈے دینے سے ہمیشہ احتراز فرمایا۔ اور اپنے غلامانِ خرقہ پوش کو بھی صاف لفظوں میں یہ ہدایت فرمائی کہ "فقیر کو چاہیئے گنڈا اور تعویذ نہ کرے"۔

کیونکہ گنڈا اور تعویذ دینا مشربِ اربابِ رضا و تسلیم میں ممنوع ہے کہ ایک معنی میں مشیت قضا و قدر کے خلاف کوشش کرنا ہے۔ جو تسلیم کی ضد ہے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ بعض متقدمین حضرات صوفیہ نے رفاہِ خلق کے لئے نقش بھی لکھے ہیں اور ان کے ہمعصر مشائخین نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اور بعض نے اسکو مستحسن بھی کہا ہے۔ لیکن جس طرح دُعا کرنا بہ لحاظ حال اور مقام محمود بھی ہے اور مذموم بھی یہی صورت تعویذ اور گنڈے کی ہے کہ وہ اربابِ تصوف جنکی حالت اسکی مقتضی تھی کہ رفاہِ خلق کا خیال فرماتا انھوں نے اسمائے باری تعالیٰ کے اعداد یا اثرات سے دوسروں کو فائدہ پہونچایا۔ اور وہ اہل اللہ جو رضائے ربِ قدیر کے آگے سرنگوں تھے۔ اور اسباب و تدبیر کے خیال سے ہمہ تن محترز تھے وہ گنڈے اور تعویذ سے بھی ہمیشہ دست کش رہے۔

چنانچہ امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم بابِ توحید و توکل میں بکمال وضاحت لکھا ہے کہ حضرت بہترین عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے تعویذ کرایا۔ یا داغ دیا۔ اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ پر توکل نہیں کیا۔

پھر ممدوح الصفات حُجۃ الاسلام ایک حدیث کی شرح میں تسطیر فرماتے ہیں کہ ہر چند ایسا تعویذ جو آیاتِ قرآنی سے لکھا جائے۔ اس کا لکھنا جائز ہے۔ مگر رضا و توکل کی شان یہ ہے کہ اسباب ماسوائے اللہ کا خیال بھی نہ آئے۔

غرض رضا و تسلیم کی صحیح اور نمایاں نشان یہی ہے کہ جملہ خواہشات و مرادات شاہد حقیقی کی مشیّت پر موقوف ہوں۔ اور تعلقات سبب و اسباب سے قطعی انقطاع ہو۔ اور منشاء مسبب الاسباب کے سامنے سرِ تسلیم خم رہے۔ جیسا کہ حضور قبلہ عالم نے خود عمل کر کے دکھا دیا۔

مگر بظاہر یہ عجیب واقعہ ہے کہ حضور قبلۂ عالم کے عادات و واقعات کو اگر بنظر تامل دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے دیگر صفات عالیہ پر صبر و رضا کا اثر ایسا غالب ہے کہ وہ اخلاق رضا و تسلیم کی روشنی میں مغلوب بلکہ محجوب معلوم ہوتے تھے۔
شاید اس وجہ سے دیگر صفات کے اثرات کا اظہار کم ہوتا ہو کہ بقول "اَلرِّضَاءُ تَرکُ الْاِخْتِیَار"۔ ارباب صبر و رضا اپنا اختیار کلیتہً اٹھا لیتے ہیں۔ اور ہر حالت میں بکمال ثبات و استقلال رضائے شاہد بے نیاز کے آگے وہ جانباز ہمیشہ سر بکف رہتے ہیں۔ اور احکام قضا و قدر کا خیر مقدم کرتے ہیں ممکن ہے کہ اسی الٰہی انہماک اور کثرت غلو کے باعث حضور کے دیگر اخلاق کے برکات کم یا مغلوب نظر آتے ہوں۔
یا اس کا سبب یہ ہو کہ حضور قبلۂ عالم کا مشرب عین عشق تھا۔ اور یہ مسلمہ ہے کہ عشاق شوقِ وصال یار میں اپنے صفات و کمالات خواہشات و مرادات کو قطعاً محو اور فنا کرتے ہیں۔ بلکہ ماسوائے اللہ سے دست بردار ہو کر ہر وقت راضی برضائے یار رہتے ہیں۔ پس ایسی حالت میں جبکہ وہ سالکین راہ محبت اپنے اخلاق حسنہ کا خیال بھی منافی احوال جانتے ہیں تو ان کے صفات کا کما حقہ اظہار قطعی دشوار ہے۔
یا اس وجہ سے حضور قبلۂ عالم کے دیگر صفات، مرتبۂ رضا و تسلیم کے سامنے مغلوب رہتے ہوں کہ حقیقت میں مرتبۂ رضا بعض اخلاق کمالیہ کا مرکز ہے۔ جیسا کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری علیہ الرحمۃ نے مسترشدین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ورع مقدمہ ہے زہد کا۔ اور زہد مقدمہ ہے توکل کا۔ اور توکل مقدمہ ہے معرفت کا۔ اور معرفت مقدمہ ہے قناعت کا۔ اور قناعت مقدمہ ہے رضا کا۔ اور رضا نتیجہ ہے موافقت کا۔ اور موافقت عین دلیل ہے محبت کی اس لئے کیا عجب ہے کہ آپ کے بھی بعض صفات بہ سبب فرع ہونے کے اپنی اصل یعنی مرتبۂ رضا کے ممتاز اثرات کے سامنے بخوبی متمیز نہیں ہوئے یا مغلوب اور محجوب معلوم ہوئے۔